فیمنزم

مفتی یاسر ندیم الواجدی

The Incoherence of Atheists

تہافت الملاحدۃ

نواں موضوع:

فیمنزم (Feminism)

درس نمبر: 01

تاریخ: 15 جنوری 2023

فاضل محاضر: ڈاکٹر مفتی یاسر ندیم الواجدی صاحب

ضبط و ترتیب: راشد امین القاسمی

تصحیح و نظرثانی: محمد احمد نوروالا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمدُ للہِ ربِّ العٰلمین والصلاۃُ والسلامُ علیٰ سیّدِ الأنبیاءِ و المرسلین وعلیٰ آلہٖ و صحبہٖ أجمعین۔ أمّا بعدُ!

آج سے ہمارے نویں موضوع کا آغاز ہو رہا ہے اور ہمارا نوں موضوع فیمنزم (Feminism) ہے۔ اس کو اردو میں ”تحریک نسواں“ کہہ سکتے ہیں۔ مختلف لوگوں نے اس اصطلاح کو الگ الگ نام دیئے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ کسی اصطلاح کا ترجمہ کرنا ذرا مشکل ہوتا ہے۔ پھر اس ترجمے پر سب کا اتفاق ہو جائے، یہ ضروری نہیں ہوتا۔ اردو میں اس کو کبھی ”تحریک نسواں“ کہا گیا، کبھی ”تحریک نسوائیت“ کہا گیا اور کبھی اسے ”تحریک نسائیت“ کہا گیا۔ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ اس اصطلاح کے لئے ”تحریک نسواں“ ایک مناسب لفظ ہے، ہم اس کو استعمال کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر فیمنزم کو فیمنزم ہی کہیں تو زیادہ بہتر ہے۔ اس لیے کہ جب کسی اصطلاح کا ترجمہ کر دیا جاتا ہے تو اس اصطلاح میں جو شدت یا حدت رہتی ہے وہ ختم ہو جاتی ہے۔

تحریک کوئی بری چیز نہیں ہے۔ کسی بھی چیز کی تحریک چلائی جا سکتی ہے، آپ کوئی اصلاحی تحریک چلا سکتے ہیں جیسے تبلیغی جماعت ایک تحریک ہے۔ آپ تعلیمی نظام کی تحریک چلا سکتے ہیں جیسے مدرسہ ایک موومنٹ ہے۔ تو تحریک چلانا برا نہیں ہے۔ لیکن جب بات ”اِزمز (Isms)“ کی آتی ہے تو پھر کان کھڑے ہو جاتے ہیں کہ یہ کیا ہے؟ چونکہ ”اِزم (Isms)“ کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ ایک مغربی نظریہ ہے۔ مغربی تہذیب نے جتنے بھی ”ازمز (Isms)“ دنیا کو دیئے ہیں ان تمام کے بارے میں ہمارا رویہ یہ ہے کہ ہم انھیں تشکیک کی نگاہ سے دیکھیں گے اور ان پر غور وفکر کریں گے۔ اگر ان میں کوئی چیز قابل قبول ہے تو ہم اسے لیں گے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ان میں اکثر ایسی چیزیں ہیں جنہیں نہیں لیا جا سکتا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر آپ اس اصطلاح کا ترجمہ کر دیں اور اسے تحریک نسواں کہیں گے تو لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات آئے گی کہ شاید عورتوں کے حقوق کے تعلق سے کوئی تحریک چل رہی ہو گی، عورتوں کے حقوق ادا نہیں کئے گئے ہوں گے اس لیے یہ تحریک چلائی جا رہی ہو گی اور اسے تحریک نسواں کہہ دیا گیا۔ تو بظاہر یہ ایک سادہ سا نظریہ ہو گا، ایسا نظریہ جس کی شدت اور حدت کا اندازہ صرف ترجمہ سے تو بالکل بھی نہیں ہو سکتا۔ لیکن جب آپ اسے فیمنزم (Feminism) کہتے ہیں تو اس لفظ کے آخر میں ”ازم (Isms)“ آتا ہے، جس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ ایک نظریہ ہے جس کو ہمیں تشکیک کی نگاہ سے ہی دیکھنا ہے۔ لہذا ہم اس کورس میں فیمنزم کا لفظ ہی استعمال کریں گے۔

لبرلزم (Liberalism) پر گفتگو مکمل ہو چکی ہے، لبرلزم کی متعدد شاخیں ہیں جن میں سے ایک فیمنزم (Feminism) بھی ہے۔ بقیہ کچھ اقسام پر آگے گفتگو کریں گے۔ جیسے سیکولرزم (Secularism)، ہوموسیکشولزم (homosexualism) اور سائنٹزم (Scientism)، یہ تین موضوعات اہم ہیں، ان پر بھی گفتگو کی جائے گی ان شاءاللہ۔

فیمنزم (Feminism)

تعریف (Definition): مختلف لوگوں نے اپنے اپنے انداز میں فیمنزم کی تعریفات کی ہیں۔ تاہم اس کی جامع تعریف انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا میں موجود ہے۔ وہیں سے نقل کی جارہی ہے:

"Feminism is the belief in social, economic, and political equality of the sexes." (Britannica)

"فیمنزم ایک ایسا نظریہ ہے جو معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی سطح پر تمام جنسوں کے درمیان برابری میں یقین رکھتا ہے۔"

موجودہ دور میں جتنے بھی آن لائن انسائیکلوپیڈیا ہیں یا گزشتہ 3-4 سالوں سے جو کتابیں آرہی ہیں، خصوصاً جب سے مغرب میں ہم جنس پرستی (Homosexuality) کو قانونی حیثیت حاصل ہوئی ہے، تب سے سیکسز (Sexes) کا لفظ لکھا جاتا ہے۔ Both Sexes/Two Sexes نہیں لکھا جاتا۔ یعنی یہ نہیں کہا جاتا کہ مرد اور عورت کے درمیان برابری، بلکہ یہ لکھا جاتا ہے کہ تمام اصناف کے درمیان۔ کیونکہ اب ان لوگوں کے یہاں اصناف بھی بہت ساری ہیں۔ بہر حال فیمنزم ایک ایسا نظریہ ہے جو معاشرتی، معاشی اور سیاسی سطح پر مرد و عورت کے درمیان مکمل برابری اور مساوات پر یقین رکھتا ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ وہ مغرب جو فیمنزم کا سب سے بڑا ترجمان اور نمائندہ ہے اور فیمنزم کو گذشتہ 400 سالوں سے دنیا بھر میں بڑھاوا دے رہا ہے، خود اس کے یہاں فیمنزم کے اوپر عمل نہیں ہے۔ آپ امریکہ کو ہی دیکھ لیں کہ سیاسی سطح پر آج تک کوئی عورت امریکہ کی صدر نہیں بن سکی ہے۔ ایک ایسا ملک جس کی تاریخ کم و بیش 200 سال پرانی ہو اور جس میں 46-47 صدر آچکے ہوں، ان میں ایک بھی عورت نہ ہو، اور پھر وہ ملک ساری دنیا کو خصوصاً مسلم دنیا کو یہ کہے کہ تم اپنی عورتوں کو پڑھاتے نہیں ہو، تم عورتوں کو برابر کا موقع نہیں دیتے ہو، یہ کتنا بڑا نفاق ہے۔ بات صرف صدارت کی نہیں ہے بلکہ امریکی کانگریس (پارلیمنٹ)

کے دونوں ایوانوں سینٹ (Senate) اور ہاؤس آف ریپرزنٹیشن (House of Representation) میں اگرچہ عورتیں ہیں لیکن ایسی مساوات کہ 50 فیصد مرد ہوں اور 50 فیصد عورتیں ہوں، ایسا نہیں ہے۔ عورتوں کی تعداد کافی کم ہے۔ یہی صورت حال انگلینڈ (England) میں ہے۔ انگلینڈ میں اگرچہ وزارت عظمٰی کے عہدے پر بہت سی مرتبہ عورتیں آئی ہیں لیکن اگر آپ وہاں کی پارلیمنٹ کا منظر دیکھ لیں تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ وہاں کس قدر مردوں کا غلبہ ہے۔ یہی حال فرانس کا بھی ہے۔ یہ وہ ممالک ہیں جنہوں نے فیمنزم کے نام پر دوسرے ممالک پر حملے کئے ہیں۔ لیکن خود ان کا حال یہ ہے کہ کم از کم سیاسی سطح پر ان کے یہاں فیمنزم نہیں ہے۔

اسی طرح سے معاشی اور اقتصادی سطح پر بھی فیمنزم نہیں ہے۔ اس وقت دنیا کی بڑی 500 کمپنیاں دیکھ لیں، یہ وہ کمپنیاں ہیں جن کی کمائی اربوں میں ہے، ان کے سی ای او (CEO) دیکھیں تو مشکل سے 2-3 فیصد ایسی کمپنیاں ہوں گی جن کی سی ای او (CEO) خواتین ہیں۔ بقیہ 97-98 فیصد کمپنیوں کے سی ای او مرد ہیں۔ گوگل اتنی بڑی کمپنی ہے، اس کے کتنے سارے سی ای او آچکے ہیں لیکن ابھی تک کوئی بھی عورت اس کی سی ای او نہیں بنی۔ یہی حال مائیکروسافٹ کا ہے کہ اس کے کتنے سارے سی ای او آچکے ہیں لیکن ابھی تک کوئی بھی عورت اس کی سی ای او نہیں بنی۔ تو یہ لوگ اپنے یہاں معاشی سطح پر بھی فیمنزم پر عمل نہیں کرتے۔ ہاں اگر کہیں کرنا چاہتے ہیں تو وہ معاشرتی سطح ہے یعنی معاشرے میں، سوسائٹی میں فیمنزم لانا چاہتے ہیں۔ اور اس کے پیچھے ایک وجہ ہے جس کی تفصیل کورس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے آپ کے سامنے واضح ہو جائے گی ان شاءاللہ۔

فیمنزم کی شروعات کیوں ہوئی؟

فیمنزم کا آغاز کیوں ہوا؟ کیا عورتوں کو ان کے حقوق سے واقعی محروم کر دیا گیا تھا؟ اگر ہم واقعی انصاف کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں دونوں نظریات کو انصاف کے ساتھ سامنے رکھنا ہوگا۔ جب ہم کسی موضوع پر تحقیق کرتے ہیں تو جانبداری کو کنارے رکھ کر دونوں جانب کے نظریات کو دیکھنا چاہئے۔ اگر ہم صرف اپنے نظریہ کے لحاظ سے فیمنزم کا مطالعہ کریں گے تو ظاہر ہے کہ شروع سے آخر تک ہمیں صرف کیڑے ہی نظر آئیں گے۔ لیکن اگر ہم یہ دیکھیں کہ اس سلسلہ میں مغرب خود کیا کہتا ہے، آخر مغرب میں فیمنزم کا آغاز کیوں ہوا اور کن حالات میں ہوا؟ ہم چاہے اُس بات سے اتفاق کریں یا نہ کریں، لیکن وہ بات سامنے آنی چاہئے۔

مندرجہ ذیل پیراگراف انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا سے لیا گیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مغربی نقطہ نظر کیا ہے اور کیوں فیمنزم کا آغاز ہوا؟

بعض مرتبہ کچھ عوامل ایسے بن جاتے ہیں کہ جن کے بارے میں جب آپ غور کریں تو آپ کو معلوم ہوتا ہے کہ واقعی حق تلفی تو ہوئی ہے۔ لیکن پھر ان عوامل کا استحصال کیا جاتا ہے اور ان کو اپنے حق میں فائدے کے طور پر لیا جاتا ہے۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ بہر حال پہلے ہم مغربی نقطہ نظر کو دیکھتے ہیں جو اس فیمنزم کے آغاز کو درست قرار دیتا ہے، وہ درج ذیل ہے:

Why did Feminism Start? (Western point of view)

Throughout most of Western history, women were confined to the domestic sphere, while public life was reserved for men. In medieval Europe, women were denied the right to own property, to study, or to participate in public life. At the end of the 19th century in France, they were still compelled to cover their heads in public, and, in parts of Germany, a husband still had the right to sell his wife. Even as late as the early 20th century, women could neither vote nor hold elective office in Europe and in most of the United States (where several territories and states granted women's suffrage long before the federal government did so). Women were prevented from conducting business without a male representative, be it father, brother, husband, legal agent, or even son. Married women could not exercise control over their own children without the permission of their husbands. Moreover, women had little or no access to education and were barred from most professions. (Britannica) (https://www.britannica.com/topic/feminism)

مغربی تاریخ کے اکثر ادوار میں خواتین کو گھر میں محدود کر دیا گیا تھا، جب کہ عوامی زندگی مردوں کے لیے مخصوص تھی۔ قرون وسطیٰ کے یورپ میں خواتین کو جائیداد رکھنے، تعلیم حاصل کرنے یا عوامی زندگی (سیاست) میں حصہ لینے کا حق نہیں تھا۔ 19 ویں صدی کے آخر میں فرانس میں اب بھی عورتیں مجبور تھیں کہ باہر نکلتے ہوئے اپنے سروں کو ڈھانپیں اور جرمنی کے بہت سے علاقوں میں شوہر کو اب بھی اپنی بیوی کو بیچنے کا حق حاصل تھا۔ (اس جملہ میں ہمارے نظریہ کے اعتبار ایک بات صحیح ہے اور ایک بات غلط ہے، سر ڈھانکنا بالکل صحیح ہے، بیوی کو فروخت کر دینا بالکل غلط ہے۔ لیکن اگر آپ مغربی نقطہ نظر دیکھیں گے تو دونوں

باتیں برابر ہیں یعنی دونوں ہی غلط ہیں)۔ یہاں تک کہ 20ویں صدی کے آغاز میں بھی، یورپ اور امریکہ کے بہت سے علاقوں میں عورتوں کے یہ حق نہیں تھا کہ وہ سیاسی اامیدواروں کو ووٹ دے سکیں۔ (امریکہ کے کچھ صوبوں نے وفاقی حکومت سے پہلے ہی اپنے اپنے علاقوں میں عورتوں کو ووٹ دینے کا حق دیدیا تھا لیکن وفاقی حکومت نے نہیں دیا تھا)۔ عورتوں کو یہ حق نہیں تھا کہ وہ کوئی تجارت کر سکیں بغیر کسی مرد ترجمان کے، وہ مرد ترجمان چاہے باپ ہو، بھائی ہو، شوہر ہو، قانونی وکیل یا بیٹا ہی ہو۔ شادی شدہ عورتوں کو اپنے شوہروں کی اجازت کے بغیر اپنے بچوں پر کنٹرول کا کوئی حق نہیں تھا۔ مزید یہ کہ عورتوں کو تعلیم کا یا تو بالکل حق نہیں تھا یا تھوڑا بہت تھا اور زیادہ تر پیشے اور ملازمتیں ایسی تھیں جن میں عورتیں نہیں جا سکتی تھیں۔

Suffrage:ووٹ دینے کا حق

یہ دراصل فیمنزم کی شروعات کا پس منظر ہے کہ مغربی معاشرے میں عورتوں پر اتنا زیادہ ظلم ہو رہا تھا۔ بعض چیزیں اس میں اسلامی نقطہ نظر سے بھی غلط ہیں، کسی عورت کو بیچنے کی اسلام بھی قطعاً اجازت نہیں دیتا اور نہ ہی اسلام یہ اجازت دیتا ہے کہ بچے کیا کھائیں اور کیا پہنیں، کیا پڑھیں لکھیں، اس میں صرف اور صرف شوہر کا ہی فیصلہ چلے اور عورت کا کوئی حق نہ ہو، ایسا نہیں ہے۔ اسی طرح اسلام عورتوں کو تعلیم سے بھی نہیں روکتا، عورتوں کو بالجبر تعلیم سے محروم کر دیا جائے، اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ بہر حال اسلامی نقطہ نظر سے بھی اس میں بہت سی چیزیں درست نہیں ہیں۔ لیکن مغربی نقطہ نظر سے بہت سی وہ چیزیں بھی غلط ہیں جو اسلامی نقطہ نظر سے درست ہیں۔ چنانچہ جب صورت حال یہ تھی اور ہزار سال تک عورت کو ظلم کی چکی میں پیسا گیا تو آخر کار اس کا رد عمل سامنے آیا اور فیمنزم کی تحریک شروع ہوئی اور عورتوں کے حقوق کی بات کی گئی۔

جب ایک عام شخص سے یہ اقتباس پڑھے گا تو میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وہ یہی کہے گا کہ اگر اس وجہ سے فیمنزم کا آغاز ہوا تو پھر درست ہی ہوا۔ ہاں جو شخص اسلامی تعلیمات سے آگاہی رکھتا ہے، وہ کہے گا کہ اس میں سے بعض باتیں اسلامی نقطہ نظر سے درست ہیں اور بعض باتیں غلط ہیں۔ لیکن چونکہ مغربی معاشرے میں اسلام نہیں تھا اس لیے اگر وہاں پر فیمنزم کی تحریک شروع ہوئی تو درست ہی ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے پڑھے لکھے، روایت پسند مسلمانوں کو بلکہ بہت سے مغرب میں بسنے والے علماء کو آپ دیکھیں گے کہ وہ فیمنزم کی تائید کر رہے ہوتے ہیں۔ بہر حال یہ مغربی نقطہ نظر تھا کہ فیمنزم کا آغاز کیوں ہوا۔

اس کے حق میں اور اس کے خلاف کیا دلائل ہیں اس کا ذکر اگلے دروس میں آئے گا۔ چونکہ فیمنزم کی تاریخ اور اس کے اسباب وعوامل کا جاننا نہایت ہی ضروری ہے۔ اس لیے آج کے درس میں تعارفی گفتگو ہی ہے۔

INTRODUCTION

فیمنزم کا تعارف

فیمنزم کے تعارف کو ہم چند نکات کی صورت میں بیان کرتے ہیں تا کہ بات مختصر اور جامع رہے۔

1. Feminism is one of the main ideologies of Liberalism.

(۱) ”فیمنزم لبرلزم کا ایک اہم اور بنیادی نظریہ ہے۔“لبرلزم کے بارے میں تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے۔

2. Liberalism aims to maximize individual liberty and equality.

(۲) ”لبرلزم کا مقصد فرد کی آزادی اور مساوات کو زیادہ سے زیادہ بڑھاوا دینا ہے۔“

اگر آپ لبرلزم کو اپنے خاندان میں نافذ کریں گے تو اسی کو فیمنزم کہا جاتا ہے۔ جب آپ یہ کہتے ہیں کہ خاندان کے ہر ایک فرد کی آزادی اور مساوات کو زیادہ سے زیادہ بڑھانا چاہئے تو اسی کو دراصل فیمنزم کہا جاتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ جب آپ لبرلزم کو سیاست میں نافذ کریں گے تو اسی کو سیکولرزم کہا جاتا ہے۔ جب آپ لبرلزم کو جنسی امور میں نافذ کریں گے تو اسی کو ہم جنس پرستی (**Homosexuality**) کہا جاتا ہے۔ یہ اگرچہ الگ الگ نام ہیں لیکن آخر کار ان کا مقصد بس یہی ہے کہ فرد کی خواہش کو نظام کی اور معاشرے کی خواہش پر ترجیح دی جائے، کیونکہ ان کے نزدیک فرد ہی اہم ہے۔ قرآن کریم نے اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَ قَلْبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةًؕ-فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِؕ-اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ(الجاثية:23) پھر کیا تم نے اسے بھی دیکھا جس نے اپنا خدا اپنی نفسانی خواہش کو بنا لیا ہے، اور علم کے باوجود اللہ نے اسے گمراہی میں ڈال دیا، اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی، اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا۔ اب اللہ کے بعد کون ہے جو اسے راستے پر لائے؟ کیا پھر بھی تم لوگ سبق نہیں لیتے؟“تو ان لوگوں کے نزدیک فرد کی خواہش اہم ہے۔ معاشرہ کیا کہتا ہے، نظام کیا کہتا ہے اور اس سے بڑھ کر خدا کیا کہتا ہے، یہ ساری باتیں ان کے نزدیک بعد کی چیزیں ہیں۔ یہ تمام چیزیں فرد کی خواہش کے تابع ہونی چاہئیں، کیونکہ فرد کی خواہش ہی گویا معبود ہے۔

3. Feminism is the result when you apply Liberalism to marriage and family.

(۳) "جب آپ خاندان کی سطح پر لبرلزم کو نافذ کر دیں گے تو جو نتیجہ سامنے آتا ہے، دراصل اسے ہی فیمنزم کہا جاتا ہے۔"

آپ کسی بھی فیمنسٹ سے پوچھیں کہ آخر تم لوگ چاہتے کیا ہو؟ تو وہ یہی کہے گا یا کہے گی کہ ہم مرد کے برابر آنا چاہتے ہیں، مرد کو سارے حقوق حاصل ہیں، ہمیں نہیں ہیں۔ بیوی اگر فیمنسٹ ہے تو وہ یہی کہے گی کہ ہم دونوں میاں بیوی برابر پارٹنر ہیں، میرے اور شوہر کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، جو حقوق اس کو حاصل ہیں وہی حقوق مجھے بھی ہونے چاہئیں، اگر اس کو اتھارٹی (Authority) حاصل ہے تو مجھے بھی اتھارٹی حاصل ہونی چاہیے۔ یہ فیمنزم ہے۔ اسی کو فرد کی خواہش اور آزادی کہا جاتا ہے۔

یہاں پر ایک سوال ہوتا ہے کہ یہ نظریہ آخر کیوں اس حد تک مقبول ہوا؟ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ جب عورتوں نے یہ تحریک شروع کی کہ مرد ہمیں حقوق نہیں دے رہے ہیں تو مردوں نے مخالفت کی ہوگی، کیونکہ جب آپ کسی سے حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں تو ایسا نہیں ہے کہ جس نے آپ کے حقوق مار رکھے ہیں وہ فوراً ہی آپ کا حق ادا کر دے گا۔ بلکہ مخالفت ہوتی ہے اور جس نے حقوق سلب کیے ہیں وہ آپ کو حقوق نہیں دینا چاہتا۔ تو آخر یہ تحریک اتنی زیادہ کامیاب کیسے ہوئی؟ یقیناً مردوں نے بھی اس تحریک میں شرکت کی ہوگی، کیونکہ اگر یہ تحریک محض عورتوں کے کاندھوں پر چلتی تو شاید اتنی کامیابی نہ ملتی۔ یہی وجہ ہے کہ آج جس طرح عورتیں فیمنسٹ ہیں، مرد بھی فیمنسٹ ہیں۔ ہر لبرل فیمسنٹ ہے اور ہر فیمسنٹ لبرل ہے۔ لبرلزم کامیاب ہو گیا تو سمجھ میں آتا ہے اس لیے کہ ہر فرد آزاد ہونا چاہتا ہے، لیکن فیمنزم کیوں اتنا کامیاب ہو گیا؟ اس کی وجہ نمبر 4 کے ذیل میں ہے۔

4. Feminism has been wildly successful because it exploits the natural instinct to protect and provide for women and children.

(۴) مَرد کے اندر ایک فطری صفت ہوتی ہے کہ وہ اپنے خاندان کو اور بیوی بچوں کو تحفظ فراہم کرتا ہے اور وہ زیادہ سے زیادہ بہتر زندگی ان کو دینا چاہتا ہے۔ یہ ایک فطری صفت انسان کے اندر موجود ہے۔ ایک ایسا شخص جو بہت زیادہ محنت و مشقت کرتا ہے اگر آپ اس سے پوچھیں کہ تم اتنی زیادہ محنت کیوں کرتے ہو؟ تو وہ یہی کہے گا کہ میں اپنی بیوی بچوں کے لئے اتنی محنت مشقت کرتا ہوں۔ میں پورے دن باہر رہتا ہوں، سورج کی تپش جھیلتا ہوں، پسینے میں شرابور ہوتا ہوں، محنت مزدوری کرتا ہوں، تاکہ میں اپنے بیوی بچوں کا پیٹ پال سکوں۔ یہ صفت فطرتاً ہر مرد کے اندر ہوتی ہے۔ اگر یہ صفت مرد کے اندر نہ ہو تو بہت سے گھرانوں میں بیوی اور بچے بھوکے مر جائیں۔ فیمنزم کے اندر اس فطری صفت کا استحصال کیا گیا اور یہ کہا گیا کہ چونکہ آپ اپنے بیوی بچوں کو تحفظ فراہم

کرنا چاہتے ہیں تو یہ تحفظ اس طریقہ سے آئے گا کہ آپ اپنی بیوی کو مساوی حقوق دیں۔ آپ اپنی بیوی کی ہر خواہش کو اسی طریقہ سے پورا کریں جس طرح آپ اپنی خواہشات کو پوری کرتے ہیں۔ بظاہر یہ بہت اچھی بات ہے، کون مرد ایسا نہیں چاہے گا۔ لیکن اس کے لئے آپ کو اپنے کچھ حقوق سے دستبردار ہونا پڑے گا چونکہ جب آپ اس کو برابری کا درجہ دیں گے تو آپ اپنی اتھارٹی کو ختم کردیں گے۔ جس طرح آپ کو ملازمت کا حق ہے، اسے بھی ملازمت کا حق ہے۔ جس طرح آپ بہتر ملازمت چاہتے ہیں اور اس کے لئے بہتر سے بہتر پڑھائی کرتے ہیں، اسی طرح ایک عورت کو بھی یہ حق ہونا چاہئے کہ وہ اپنا کریئر بنائے اور زیادہ سے زیادہ پڑھے تاکہ بہتر سے بہتر ملازمت مل سکے۔ اس طرح ایک فطری صفت کا استحصال کیا گیا۔ اور جب کسی فطری امر کا استحصال کرلیا جائے تو بہت سی مرتبہ وہ تحریک کامیاب ہو جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ پوری دنیا میں فیمنزم پھیلا اور پوری دنیا میں اس کو پذیرائی ملی۔ مغرب میں تو یہ نظریہ پھیلا ہی مشرقی ممالک میں بھی پذیرائی ملی۔ اور مشرقی ممالک میں کچھ صورت حال ایسی ہے خصوصاً کچھ مسلم ممالک میں کہ آج بھی قبائلی نظام نافذ ہے یا اس کے کچھ نا کچھ اثرات ہیں۔ آپ سعودی عرب میں دیکھ لیں، یمن میں دیکھ لیں، افغانستان میں دیکھ لیں، پاکستان اور انڈیا کے کچھ علاقوں میں اس کی مثال دیکھی جاسکتی ہے کہ یہاں کچھ قدیم قبائلی نظام کے اثرات ابھی بھی باقی ہیں۔ وہاں عورت کو وہ حقوق بھی حاصل نہیں ہیں جو اسلام نے دیئے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب انھیں یہ بتایا گیا کہ مغرب کی عورتیں تو بہت آزاد ہیں اور تمہیں یہاں بالکل غلام اور باندی سمجھ لیا گیا ہے، تو پھر ان عورتوں کے اندر مخالفت پیدا ہوتی ہے اور وہ بھی یہ چاہتی ہیں کہ ہم بھی مغربی عورتوں کی طرح مردوں کے شانہ بشانہ اور ان کے دوش بدوش چلیں۔ ملالہ یوسف زئی اسی فیمنزم کی پیداوار ہے اور اسی معاشرتی یا گھریلو استحصال کی پیدوار ہے، اور پھر مغرب نے اس کو کھڑا کر دیا اور اس کو اتنے اونچے مقام تک لے گئے کہ اس کو نوبل پرائز دلا دیا۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ نوبل پرائز کی حقدار تھی بلکہ پاکستانی معاشرے میں فیمنزم کو بڑھاوا دینا تھا۔ یہ بتانا تھا کہ دیکھو یہ تمہارے یہاں کے ایک چھوٹے سے علاقہ سے آئی ہوئی لڑکی ہے جو آج اتنے اونچاے مقام تک پہنچ گئی ہے کہ جو سب سے زیادہ **prestigious** (اعلی حیثیت والا) ایوارڈ ہے وہ اس لڑکی کو دیا گیا۔ یہ اعزاز اور اکرام تعلیمی اور سماجی سرگرمیوں کی وجہ سے ملا ہے۔ اب کیا ہوا؟ اس علاقے اور پورے پاکستانی معاشرے کی لڑکیاں خواب دیکھنے لگیں کہ اگر ملالہ یوسف زئی ایسا کرسکتی ہے تو ہم بھی کر سکتے ہیں۔ میں نے خود امریکہ میں نیویورک، شکاگو، واشنگٹن ڈی سی میں جگہ جگہ پر اس کے لئے بڑے بڑے بینرز دیکھیں ہیں۔ ایسا تو نہیں ہے کہ وہ خود اپنے پیسے استعمال کر رہی ہے، تو پھر اس طرح کی خواتین کے پیچھے کون سی تنظیمیں ہیں؟ یہ وہی فیمنسٹ مومنٹس ہیں جو پوری دنیا کو فیمنائز (**Feminize**) کرنا چاہتی ہیں۔ بہر حال اس فطری صفت کا دراصل استحصال کیا گیا۔

5. We must look at Feminism holistically, History, Biology, Psychology, Family, Social Structure, Politics, Technology.

(۵) اب اگر ہمیں اس کے مفاسد کو پوری طرح سے سمجھنا ہے تو پھر اسے مختلف زاویوں سے دیکھنا ضروری ہے۔ ہمیں اس کی تاریخ کو دیکھنا ضروری ہے۔ ہمیں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ بیالوجی کیا کہتی ہے، کیا فیمنزم بیالوجی کے معیار پر پورا اتر سکتا ہے یا نہیں۔ علم نفسیات اس بارے میں کیا کہتا ہے، کیا اس کی بنیاد پر فیمنزم کو سپورٹ کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ خاندانی اعتبار سے، معاشرتی ساخت کے اعتبار سے، سیاسی اعتبار سے اور تکنیکی اعتبار سے، ان تمام زاویوں سے ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ فیمنزم کو سپورٹ کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ فیمنزم کو مسترد کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔

6. Major source of doubt for Muslims.

(۶) فیمنزم چونکہ ایک فطری صفت کے استحصال کے نتیجے میں پوری دنیا کے اندر پھیلا ہے، اسی لیے مسلمانوں میں یہ ایک شک کی بنیادی وجہ بھی ہے۔ چنانچہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب ہماری لائیو اسٹریمنگ ہوتی ہے تو بہت سی مرتبہ سوال کرنے والا یہ سوال کرتا ہے کہ اسلام میں تو عورتوں کو کوئی حق ہی نہیں دیا گیا ہے، وراثت میں بھی برابری کا حق نہیں دیا گیا اور عورتوں کو پردہ کا حکم دیا گیا لیکن مردوں کو نہیں دیا گیا۔ مردوں کو کہا گیا ہے کہ باہر نکلو، عورتوں کو گھر میں قید کر دیا گیا۔ اس طرح کے سوالات ہمیشہ کئے جاتے ہیں اور لبرل مسلمان تو یہ سوالات دن رات کرتا رہتا ہے اور بہت سے تو اسی وجہ سے اسلام سے نکل جاتے ہیں۔ تو بہت سے مسلمانوں کے لیے یہ شک کی بنیادی وجہ ہے۔

7. Most religions have conceded to Feminism's moral imperatives.

(۷) اور پھر ہوتا یہ ہے کہ کچھ مسلمان فیمنزم کو اسلام کے مطابق دکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن یہ بات بھی طے ہے کہ اسلام وہ واحد مذہب ہے جو ان تمام نظریات کے سامنے سدِّ سکندری بن کر کھڑا ہوا ہے۔ اور دنیا کو اسلام سے مسئلہ ہی یہ ہے۔ دنیا کو اس وقت عیسائیت سے مسئلہ نہیں ہے، دنیا کو اس وقت یہودیت سے مسئلہ نہیں ہے، ہندوازم سے بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ کیونکہ ان تمام مذاہب نے اور ان مذاہب کے ماننے والوں نے ان جدید نظریات کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے ہیں اور خود کو ان کے سپرد کر دیا ہے۔ عیسائیت کی تعلیمات کے مطابق عورت چرچ میں آئے تو وہ خاموش رہے، اس کی آواز نہ نکلے، یہ حکم تھا۔ آج آپ کسی بھی

چرچ میں اتوار کے دن چلے جائیں، اتوار کی صبح ان کے یہاں چرچ میں عبادت ہوتی ہے، آپ کو عورتیں نہ صرف یہ کہ آواز بلند کرتی نظر آئیں گی بلکہ گانا گاتی ہوئی ملیں گی۔ بائبل کی عائلی اور خاندانی تعلیمات تقریباً اسلام سے ملتی جلتی ہیں، عیسائیت میں بھی مرد کو عورت پر اتھارٹی ہے۔ لیکن اب اس اتھارٹی کا ذکر آپ عیسائی معاشرے میں کہیں نہیں دیکھیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تعلیمات ابھی بھی ان کی مذہبی کتابوں میں موجود ہوں لیکن زمینی سطح پر اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔

جب یہ صورت حال ہے تو ظاہر ہے کہ دنیا کو تو اسلام کے خلاف آنا ہی تھا۔ ہندوازم کے ماننے والے خود یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے مذہب کی اصلاح (Reform) کر لی ہے۔ اب ان سے کوئی سوال کرے کہ کس بنیاد پر آپ نے اپنے مذہب کی اصلاح کی ہے؟ کیونکہ Reform کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی نہ کوئی نمونہ آپ کے سامنے ہو گا، تب ہی آپ اپنے مذہب کو Reform کریں گے، وہ نمونہ کیا ہے؟ وہ نمونہ یہی لبرلزم، فیمنزم اور سیکولرزم وغیرہ ہے۔ جب عورتوں کا مسئلہ آتا ہے تو ایک عام ہندو بھی یہی کہتا ہے کہ ہمارے یہاں مرد و عورت کے درمیان مساوات ہے۔ اگر آپ اس کو ستی پرتھا (جس میں شوہر کی موت کے بعد جب اسے آگ میں جلایا جاتا تھا تو زندہ بیوی کو بھی اسی کے ساتھ آگے میں جلا دیا جاتا تھا) کا حوالہ دیں تو وہ کہے گا کہ وہ تو پہلے تھا ہم نے اس کو اب ختم کر دیا، ہم نے Reform کر دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ کوئی بھی مذہب ان جدید نظریات کے سامنے ٹک نہ سکا۔ مذہبی تعلیمات موجود رہیں یا نہ رہیں، لیکن ان مذاہب کے ماننے والوں کی اکثریت نے ان نظریات کو قبول کر لیا۔ جہاں تک عیسائیت کی بات ہے تو باقاعدہ عیسائیت کی جو سب بڑی اتھارٹی ہوتی ہے یعنی پوپ، اس نے اپنی خطبوں میں تقریروں میں ان نظریات کو اس طریقہ سے قبول کر لیا کہ گویا کہ یہ نظریات عیسائی مذہب کا حصہ ہوں۔ یہاں تک کہ صرف فیمنزم ہی نہیں بلکہ ہم جنس پرستی کو بھی قبول کر لیا گیا ہے۔ تو اکثر مذاہب نے فیمنزم کی اخلاقیات کے سامنے شکست تسلیم کر لی ہے اور یہ مان لیا ہے کہ فیمنزم ہی واحد اخلاقی معیار ہے۔

8. Many Muslims are feminists despite not labelling themselves as such.

(۸) بہت سے مسلمان جو خود کو فیمنسٹ نہیں کہتے لیکن در حقیقت وہ فیمنسٹ ہیں۔ بالکل ایسا ہی جیسے بہت سے مسلمان لبرل ہیں لیکن وہ خود کو لبرل نہیں کہتے۔ مثلاً جاوید احمد غامدی صاحب بھی مرد و عورت کی برابری کے قائل ہیں۔ حتیٰ کہ ہمارے علماء میں سے بھی ایسے بہت سے افراد مل جائیں گے جن کے سامنے جب مساوات کی بات آتی ہے تو وہ یہی کہتے ہیں کہ مرد اور عورت کے

درمیان مساوات ہے۔ یہی تو فیمنزم ہے کہ آپ مرد و عورت کے درمیان مساوات کے قائل ہو جائیں۔ بہت سے مسلمان اس وقت فیمنسٹ ہو چکے ہیں، چاہے وہ اپنے آپ کو فیمنسٹ نہ کہیں۔ ایسا بالکل بھی نہیں ہے کہ اسلامی تعلیمات میں کسی طرح کی کوئی اصلاح یا ترمیم ہو گئی ہو اور اس کی وجہ سے مسلمانوں میں سے کچھ لوگ فیمسنٹ ہو گئے۔ اور اکثریت مسلم علماء کی الحمدللہ ایسی ہے جو آج بھی ان نظریات کے خلاف ڈٹی ہوئی ہے۔ اسی لیے ساری دنیا کی توجہ اسلام اور مسلمانوں کی طرف ہے۔ اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس کا بہت بڑا کریڈٹ ان علماء کو جاتا ہے جو افغانستان میں ہیں یا مشرق وسطی میں ہیں۔ ابھی تک تو مشرق وسطی کے علماء ایسے ہی ہیں، لیکن جب حکومتوں کے مزاج بدلتے ہیں تو پھر سرکاری علماء کو سامنے لایا جاتا ہے اور وہ تمام باتیں کہلوائی جاتی ہیں جو کل تک حرام تھیں اور آج وہ مستحب بلکہ فرض کے درجے میں ہو گئی ہیں۔ تو خدا خیر کرے اس علاقے کی، بہر حال ابھی تک تو یہی ماحول ہے۔ پھر ہمارے مدارس کے طلباء و علماء کا اس میں ایک بہت بڑا کردار ہے، پوری دنیا کے اندر یہ پھیلے ہوئے ہیں۔ تو یہ ضروری ہے کہ ہم اس بات کو سمجھیں کہ بہت سے مسلمانوں نے اور کچھ علماء نے بھی خواہی نخواہی فیمنزم کے نظریہ کو تسلیم کیا ہے۔ چاہے اچھی نیت سے کیا ہو، چاہے یہ دیکھ کر کیا ہو کہ ہمارے معاشرے میں عورتوں کے حقوق ادا نہیں کیے جاتے، لیکن بہر حال قبول کیا ہے۔

9. Feminism aims to destroy marriage and family. It does this the same way Liberalism destroys every other institution of traditional society: by maximizing liberty and equality. Example: Wife who maximizes her liberty.

(۹) یہ یاد رکھنا چاہئے کہ آپ فیمنزم کو چاہے کسی بھی نیت سے قبول کریں، چاہے کتنی ہی اچھی نیت سے قبول کریں، آپ کے اندر کتنا ہی خلوص کیوں نہ ہو، لیکن فیمنزم کا مقصد نہیں بدلے گا۔ اور وہ مقصد یہ ہے کہ فیملی کے نظام کو تباہ و برباد کر دیا جائے۔ بالکل ایسے ہی جیسے لبرلزم تمام روایت پسند معاشروں کو تباہ کرتا ہے۔ اسی طرح فیمنزم نکاح کو اور خاندان کے نظام کو تباہ کر دیتا ہے۔ اور وہ اس طریقہ سے تباہ کرتا ہے کہ فیمنزم عورت کی خاص طور پر شادی شدہ عورت کی آزادی اور اس کے مساوی ہونے کے تصور کو بڑھاوا دیتا ہے۔ جب آپ نے عورت کی آزادی کو بڑھا دیا یا مساوات کو بڑھا دیا اور عورت کو یہ بتایا گیا کہ اصل تو تم ہی ہو، اور تمہیں اپنے اوپر توجہ دینی چاہئے، تمہیں اپنے کریئر کے اوپر توجہ دینی چاہیے، تمہیں اپنی خواہشات کو پورا کرنا چاہئے۔ تم کیوں کسی کی ماتحتی میں رہو؟ جب آپ عورت کو دن رات یہ سکھائیں گے تو پھر خاندان کا نظام تباہ و برباد ہونا ہی ہے۔ کیونکہ خاندان اپنی خواہشات پر عمل کرنے سے نہیں چلتا ہے، خاندان چلتا ہے قربانی سے۔ جیسا کہ لبرلزم کے درس میں یہ بات آئی تھی کہ سب سے زیادہ گولڈن

رول ہے The Law of sacrifice یعنی قربانی کا ضابطہ۔ اس قربانی کے ضابطے سے نہ صرف یہ ہے کہ خاندان کو بچایا جا سکتا ہے بلکہ معاشرے کو اور پورے نظام کو بچایا جا سکتا ہے۔ معاشرہ وہی کامیاب ہوتا ہے جس میں افراد ایک دوسرے کے لئے قربانی دیں۔ اسی طریقہ سے اگر زوجین ایک دوسرے کے لئے قربانی نہیں دیں گے اور ہر ایک اپنی اپنی خواہشات کے اوپر عمل کرے گا تو وہ نظام کیسے باقی رہ سکتا ہے؟ یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ ایک عورت سے کہیں کہ تم اپنی تمام تر خواہشات پر عمل کرو، تو کیا مرد یہ کام نہیں کرے گا؟ مرد بھی اپنی تمام خواہشات پر عمل کرے گا۔ جس طریقے سے آپ عورت کو یہ پٹی پڑھا رہے ہیں کہ اپنے شوہر، بچوں یا خاندان کے لئے قربانی نہ دے، تو پھر مرد بھی اپنے بیوی بچوں کے لئے کوئی قربانی نہیں دے گا۔ جب ایک دوسرے کے لئے قربانی کا جذبہ ہی ختم ہو جائے گا تو پھر نکاح کیسے باقی رہ سکتا ہے؟ طلاق کی شرح (Ratio) بڑھ جائے گی۔

یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے ان معاشروں میں جہاں میاں بیوی دونوں ملازمت کر رہے ہیں وہاں طلاق کی شرح زیادہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مرد کے اندر فطری طور پر یہ کمی پائی جاتی ہے کہ وہ گھریلو ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام نہیں دے سکتا۔ باہر جا کر وہ پہاڑ ڈھولے گا۔ اگر آپ اس کو یہ ملازمت دیدیں کہ اپنے بیوی بچوں کو پالنے کے لیے تمہیں بڑی بڑی چٹانیں کاٹنی ہیں اور ان کو ریزہ ریزہ کرنا ہے، تو مرد اس کام کے لیے تیار ہے، وہ صبح اٹھے گا اور رات تک یہی کام کرتا رہے گا۔ لیکن اگر آپ اس کو یہ کہیں کہ تمہیں گھر میں رہ کر چھوٹے بچوں کی دیکھ ریکھ کرنی ہے، رسوئی میں رہ کر کھانا تیار کرنا ہے، وہ یہ کام نہیں کر پائے گا، کیونکہ یہ اس کی فطرت میں نہیں ہے۔ اب ہوتا یہ ہے کہ جن معاشروں میں میاں بیوی دونوں ملازمت پر جاتے ہیں، شام میں جب گھر لوٹتے ہیں، تو کھانا چاہیے۔ اب اگر آپ مساوات کو دیکھیں تو ہونا یہ چاہیے کہ دونوں مل کر کھانا تیار کریں، جس طریقے سے عورت کھانا بنا رہی ہے مرد بھی کھانا بنائے، یا ایک دن مرد کھانا بنائے ایک دن عورت بنائے، لیکن عام طور سے ہوتا یہ ہے کہ جو ملازمتیں زیادہ محنت کش ہوتی ہیں وہ مرد کے حصہ میں آتی ہیں کیونکہ جسمانی طور پر مرد زیادہ محنت کر سکتا ہے، زیادہ بوجھ اٹھا سکتا ہے اور جو نسبتاً آسان ملازمتیں ہوتی ہیں وہ عورت کے حصے میں آتی ہیں۔ اب جبکہ دونوں تھکے ہارے گھر واپس آئے ہیں اور ممکن ہے مرد نے زیادہ مشقت کی ہو لیکن مرد یہ توقع کرتا ہے کہ عورت کھانا بنائے۔ چونکہ مرد رسوئی میں جا کر کھانا بنائے یہ اس کی فطرت میں نہیں ہے۔ اگر وہ اپنے آپ کو مجبور کر کے جائے گا تو گویا کہ اس نے اپنی فطرت کے خلاف کام کرنا شروع کر دیا۔ اور اگر وہ اپنی بیوی کو مجبور کرے گا تو یہ مساوات کے خلاف ہے۔ عورت بھی یہی سوچتی ہے کہ میں دن بھر ملازمت بھی کروں اور پھر گھر واپس آ کر اپنے شوہر کے لیے کھانا بھی بناؤں، یہ تو دوگنا کام ہو گیا، یہ میں کیوں کروں؟ اسی طریقے سے لڑائیاں ہوتی ہیں اور رشتے ٹوٹ جاتے ہیں۔

چنانچہ فیمنزم دراصل فیملی کو تباہ کرنے کا بنیادی نظریہ ہے۔ یہاں تک کہ مساوات کے نام پر صورت حال یہ ہوتی ہے کہ مغربی ممالک میں جب میاں بیوی باہر کسی ہوٹل میں کھانے پر جاتے ہیں اور کھانے کے بعد بل آتا ہے تو وہ اسے بھی دونوں کے درمیان تقسیم کرتے ہیں، کیونکہ دونوں ملازمت کر رہے ہیں، دونوں کما رہے ہیں۔ الاّ یہ کہ شوہر اپنی بیوی کو یا بیوی شوہر کو کوئی پاٹی دے رہے ہوں تو بات الگ ہے۔ اگر ویسے ہی کھانے پر گئے ہیں تو بل تقسیم ہو گا۔ یہ تصور ہمارے یہاں ایک مسلم معاشرے میں ممکن ہی نہیں ہے۔ مسلمان مرد جب اپنے گھر والوں کو لے کر کہیں کھانے کے لیے جاتا ہے یا کہیں گھمانے کے لئے لے جاتا ہے تو اس کی اپنی ذمہ داری ہوتی ہے کہ مکمل خرچ وہ اٹھائے۔ یہ کتنا بڑا فرق ہے اور یہ فرق اس لئے آیا کہ آپ نے عورت کو یہ پٹی پڑھا دی کہ وہ مرد کے مساوی ہے۔ لہذا دونوں میں سے کسی کو بھی کسی کے لئے قربانی نہیں دینی۔ ان مغربی ممالک میں گھر اس طریقہ سے چلتا ہے کہ گیس کا بل، بجلی بل، پانی کا بل، انٹرنیٹ کا بل، فون کا بل ہے تو آدھے بل عورت دے گی آدھے بل مرد دے گا۔ مکان اگر قسط پر لیا گیا ہے اور بینک کو قسط ادا کرنی ہے تو آدھی قسط مرد کی طرف سے اور آدھی عورت کی طرف جائے گی۔ لیکن اس کے بعد مرد کے اوپر ظلم یہ ہوتا ہے کہ اگر طلاق ہو جائے تو مرد کی آدھی جائیداد عورت لے کر چلی جاتی ہے۔ عورت کی آدھی جائیداد مرد کو کبھی نہیں ملے گی۔ اور یہ تصور کیا جاتا ہے عورت نے چونکہ اتنے سالوں تک مرد کی خدمت کی ہے لہذا اس کو یہ صلہ ملنا چاہئے کہ مرد کی آدھی جائیداد عورت کو دے دی جائے۔ یہ ان ممالک کا قانون ہے۔

چنانچہ مرد اس فیمنزم کی وجہ سے چکی میں مستقل پس رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خاندان تباہ و برباد ہو چکے۔ خاندان اور فیملی کے اوپر سے یقین اٹھ گیا۔ پوری دنیا میں لیونگ ریلیشن شپ (**Living Relationship**) کا رجحان کیوں چل رہا ہے؟ اسی لئے تو چل رہا ہے کہ مرد و عورت ایک ساتھ تو رہنا چاہتے ہیں چونکہ یہ ایک فطری ضرورت ہے، لیکن شادی نہیں کریں گے۔ کیونکہ اگر شادی کر لی تو ایک دوسرے کے قانونی حقوق عائد ہو جائیں گے۔ اس لیے ساتھ رہ رہے ہیں، بچے ہو رہے ہیں لیکن شادی نہیں کریں گے۔ نیوزی لینڈ کی وزیر اعظم کو دیکھ لیں، اس نے آج تک شادی نہیں کی، اپنے بوئے فرینڈ کے ساتھ رہتی ہے بچے بھی ہو گئے ہیں۔ اس طرح کی بہت سی مثالیں مغربی معاشرے میں مل جاتی ہیں۔ رونالڈو کو ہی دیکھ لیں، ابھی حالیہ معاہدے کے مطابق سعودی عرب اس کو دو سو ملین ڈالر سالانہ دے گا، اس کے علاوہ بھی نہ جانے اس کے کہاں کہاں معاہدے ہوں گے، اب اگر وہ اپنی گرلفرینڈ سے شادی کر لے اور کل کو طلاق ہو جائے کیونکہ ان کے یہاں کوئی اخلاقی پیمانہ تو ہے نہیں، آج اِس کے ساتھ کل اُس کے ساتھ، ہو سکتا ہے کل کو بیوی خود طلاق لے لے، تو طلاق لیتے ہی آدھی دولت بیوی کی۔ اس لیے یہ لوگ نکاح نہیں کرتے۔ بہر حال فیمنزم نے عورت کو یہ پٹی پڑھائی کہ بحیثیت بیوی کے عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی آزادی، اپنے کریئر اور اپنی خواہشات کے اوپر توجہ

دے۔ جب یہ صورت حال ہو گی تو نکاح اور خاندانی نظام مکمل طور پر تباہ و برباد ہو جائے گا۔ وہ تمام گھرانے جہاں مرد عورت اس فیمنزم کے نتائج کا شکار ہیں چاہے وہ خود کو فیمنسٹ کہیں یا نہ کہیں، ان کے یہاں طلاق کی شرح بہت زیادہ ہے۔

10۔ سوال یہ ہے کہ فیمنزم یہ واردات کیسے انجام دیتا ہے؟

- **Feminism aims to destroy patriarchy**.

Patriarchy - a social system in which men hold primary power and predominate in roles of political leadership, moral authority, etc. Some patriarchal societies are also patrilineal, meaning that property and title are inherited by the male lineage.

ایک لفظ کو آپ اچھی طرح سمجھ لیں؛ پیٹریار کی (**Patriarchy**)۔ اس کا عام طور پر جو ترجمہ کیا جاتا ہے وہ غلط ہے، لیکن چونکہ وہ ترجمہ رائج ہے اس لیے ہم اسی کو لیتے ہیں، اس کے معنی ہیں "پِدر شاہی"۔ یعنی باپ کا راج، باپ کی چلے گی اور کسی کی نہیں چلے گی۔ کیونکہ وہی بادشاہ ہے اور بادشاہ جو کہہ دے وہی درست اور جس سے منع کر دے وہی غلط۔ ہمارے یہاں ایسا نظریہ نہیں ہے، باپ بھی اس بات کا پابند ہے کہ وہ جو کچھ بھی کہے شریعت کی روشنی میں کہے۔ یعنی شریعت نے جس چیز کو درست کہا وہ درست ہے اور جس چیز کو غلط کہہ دیا ہے وہ غلط ہے۔ ہم یہ حق شریعت کو دیتے ہیں۔ ہم یہ حق نہ ماں کو دیتے ہیں نہ باپ کو دیتے ہیں۔ ماں باپ کی اطاعت ضرور کرنی ہے لیکن اسی وقت تک جب کہ وہ شریعت کے دارے میں بات کہیں۔ کیونکہ "لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق" ہم کسی مخلوق کی اتباع اس وقت تک کریں گے جب تک کہ خالق کی معصیت نہ ہو رہی ہو۔ لیکن اگر خالق کی نافرمانی ہو رہی ہے تو مخلوق کی کوئی اتباع نہیں ہو گی۔ چاہے وہ ماں ہو یا باپ ہو۔ تو **Patriarchy** کا ترجمہ پدر شاہی کیا جاتا ہے۔ لیکن ہم نے چونکہ اس لفظ کی وضاحت کر دی ہے اس لیے اب اس لفظ کو استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اس کے مقابلے میں لفظ آتا ہے میٹریار کی (**Matriarchy**): اسے ہم مادر شاہی کہہ سکتے ہیں۔ یعنی عورت طے کرے گی کہ معاشرتی اور سیاسی سطح پر کیا ہونا ہے اور کیا نہیں ہونا ہے۔

ایک اور لفظ بھی سمجھ لیں؛ پیٹرینیل (**Patrilineal**): اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا نسب اور نام آپ کے والد سے چلتا ہے نہ کہ آپ کی والدہ سے۔ ہمارا نسب ہمارے باپ سے چلتا ہے، ماں سے نہیں چلتا۔ اس کے مقابلہ میں "میٹرینِلیل (**Matrilineal**) کا لفظ آتا ہے۔ یعنی نام اور نسب ماں سے چلے نہ کہ باپ سے۔ یہودیوں کے یہاں یہی نظام شروع

سے رائج ہے۔ آج بھی اگر کسی یہودی کو اسرائیل کی شہریت چاہیے تو اس کو یہ ثابت کرنا پڑتا ہے کہ اس کی ماں یہودیہ تھی۔ اگر صرف اس کا باپ یہودی ہے اور اس نے کسی غیر یہودی سے شادی کرلی جس کے نتیجہ میں یہ بچہ پیدا ہوا، تو اس شخص کو اسرائیلی شہریت نہیں دی جائے گی۔ اگر دونوں یہودی ہوں تب تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ اور اگر ماں یہودیہ ہے اور اس نے کہیں باہر شادی کی تو ماں کی بنیاد پر اس کو شہریت دی جائے گی۔ اور یہ بھی بتادوں کہ یہودیوں کے یہاں عورتوں کے لیے مذہب سے باہر شادی کرنا جائز نہیں ہے۔

فیمنزم کا مقصد پدر شاہی نظام کو ختم کرنا ہے۔ یعنی مرد سے یہ حق چھین لینا کہ وہ سیاسی اور معاشرتی سطح پر یہ طے کرے کہ کیا درست ہے اور کیا نہیں، کیا ہونا چاہیے اور کیا نہیں۔ اس مقصد سے فیمنزم کا آغاز کیا گیا۔

یہاں پر ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ اگر واقعی فیمنزم کا مقصد پدر شاہی کا خاتمہ ہے تو کیا اس سے پہلے تاریخ کے کسی دور میں پدر شاہی نافذ رہی ہے؟ اور تاریخ کے کن کن مرحلوں میں ایسا رہا ہے؟ ہم تاریخ میں کتنا پیچھے جائیں تو ہمیں پدر شاہی مل جائے گی؟ آخر وہ کون سا دور تھا جب لوگوں نے سوچا کہ مرد کو سماجی و سیاسی فیصلوں کا حق ہونا چاہئے، عورت کو یہ حق نہیں ہونا چاہیے۔ یا کچھ معاشرے ایسے بھی تھے جو مادر شاہی پر قائم تھے؟ تو ہم تاریخ میں پیچھے جاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کیا کوئی ایسی سوسائٹی ملتی ہے جو **Matriarchy**(مادر شاہی) پر چلتی ہو۔ ذیل کے اعداد و شمار ملاحظہ فرمائیں:

- **What percentage of societies are patriarchal**?
  - 100%No matriarchal societies**.**
  - Britannica on "Matriarchy": "The consensus among modern anthropologists and sociologists is that while many cultures bestow power preferentially on one sex or the other, matriarchal societies in this original, evolutionary sense have never existed**".**
  - Goldberg, Steven. The Inevitability of Patriarchy. Eller, Cynthia. The Myth of Matriarchal Prehistory: Why an Invented Past Won't Give Women a Future. Bamberger, Joan. The Myth of Matriarchy: Why Men Rule in Primitive Society**.**

تاریخ میں کتنے فیصد معاشرہ پیٹریارکل ہیں؟

- Anthropology (یہ لبرل آرٹس کی ایک شاخ ہے اور اس کے تحت تاریخ انسانی کے معاشروں کا مطالعہ کیا جاتا ہے) انتھروپولوجی سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ تاریخ کے تمام ادوار میں سو فیصد معاشروں میں پدر شاہی (Patriarchy) نظام رہا ہے۔ آپ چاہے تاریخ میں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں سال پیچھے بھی چلے جائیں، کسی ایک معاشرے کو بھی آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہاں پر پدر شاہی نہیں تھی بلکہ مادر شاہی تھی، عورتیں قیادت کر رہی تھیں مرد ان کے ماتحت تھے، کہیں بھی ایسا نہیں ملتا۔ یہ بات میں اپنی جانب سے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ یہ لوگ خود اپنی کتابوں میں اور مقالات میں لکھتے ہیں۔ بریٹانیکا کا حوالہ میں اکثر دیتا ہوں۔ بریٹانیکا میں اگر آپ "Matriarchy" لکھ کر سرچ کریں گے تو مندرجہ بالا عبارت مل جائے گی۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:
- ”جدید ماہرین بشریات اور سماجیات کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگرچہ بعض مرتبہ کچھ معاشروں میں کسی مرد یا کسی عورت کے پاس اقتدار رہا ہے، لیکن تاریخ کے کسی بھی مرحلے میں کوئی معاشرہ ایسا نہیں ملے گا جہاں مادر شاہی نظام رہا ہو، پدر شاہی نظام نہ رہا ہو۔“

یعنی ایسا ہو سکتا ہے کہ پدر شاہی نظام ہے لیکن کسی مجبوری کی وجہ سے عورت حاکم بن گئی۔ عہد نبوی ﷺ میں جب فارس کا بادشاہ مرا تو چونکہ اس کے خاندان میں کوئی مرد نہیں تھا جسے تخت پر بٹھایا جائے، تو اس خاندان کی ایک عورت کو حاکم بنایا گیا۔ یہ بھی مرد کے نہ ہونے کی وجہ سے ہوا، مرد ہوتا تو حاکم مرد ہی بنتا۔ جس کا واضح مطلب ہے کہ وہاں بھی پدر شاہی نظام تھا۔ آپ ﷺ نے کیوں فرمایا تھا: لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا أَمْرَهُمُ امْرَأَةً ” (بخاری شریف) یعنی وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی جو ایک عورت کو حاکم بنا دے۔“ اس کا یہی مطلب ہے کہ جب آپ اپنا نظام بدل دیں گے، پدر شاہی نظام سے مادر شاہی نظام کی طرف آ جائیں گے تو وہ معاشرہ تباہ ہو جائے گا۔ چونکہ تاریخ کے کسی بھی دور میں ایسا معاشرہ آج تک وجود میں نہیں آیا جہاں مادر شاہی ہو، پدر شاہی نہ ہو۔

آج لوگ اس حدیث کی بنیاد پر آپ ﷺ پر اعتراض کرتے ہیں۔ ارے! یہ تو نبی ﷺ نے تو عورتوں کی توہین کر دی کہ اگر عورت کو حاکم بنا دیا تو وہ ملک تو کامیاب نہیں ہو گا۔ اور پھر مثال بھی دیتے ہیں کہ دیکھو نیوزیلینڈ کامیاب ہے، فن لینڈ کامیاب ہے اور انگلینڈ کامیاب ہے وغیرہ۔ حالانکہ بات کسی ایک عورت کے حاکم ہونے کی نہیں ہو رہی ہے جو کسی مجبوری کے تحت حاکم بن گئی۔ الزبتھ انگلینڈ کی ملکہ اس لیے بنی کہ وہ اپنے باپ کی سب سے بڑی اولاد تھی اور اس دور میں بنی جب انگلینڈ کے اندر فیمنزم کو

رواج دیدیا گیا تھا۔ اسی طریقے سے آج اگر نیوزیلینڈ میں ایک خاتون وزیر اعظم ہے تو اس لیے کہ فیمنزم کو رواج دیدیا گیا ہے۔ اب لوگ یہ کہنے لگتے ہیں کہ پھر تو نیوزیلینڈ کو فیل ہو جانا چاہیے تھا، اور فن لینڈ کو فیل ہو جانا چاہیے تھا، انگلینڈ کو فیل ہو جانا چاہیے تھا۔ دراصل وہ لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ آج کے دور میں اگر ایک مرد یا عورت ان ممالک میں حاکم ہے تو وہ سیاہ و سفید کا مالک نہیں ہوتا ہے۔ آج کے دور میں حاکم سیاہ سفید کا مالک نہیں ہوتا، وہ اکیلا یہ طے نہیں کرتا کہ ملک میں کیا چیز قانون بنے گی اور کیا چیز قانون نہیں بنے گی۔ اس کے ساتھ پوری پارلیمنٹ ہوتی ہے پوری کیبینٹ ہوتی ہے۔ پارلیمنٹ قانون بناتی ہے، اس کے بعد حکومت محض اس قانون کو نافذ کرتی ہے۔ حکومت کا کام قانون نافذ کرنا ہوتا ہے، حکومت کا کام قانون بنانا نہیں ہوتا۔ پھر اس قانون کی نگرانی کرنا عدلیہ کا کام ہوتا ہے۔ یہ تمام ادارے ساتھ مل کر کام کرتے ہیں۔ بظاہر کسی بھی ملک میں چہرہ عورت کا ہو سکتا ہے۔ لہذا اگر کوئی ملک کامیاب ہے تو وہ اس لئے نہیں ہے کہ ایک عورت وہاں کی حاکم بن گئی یا ایک مرد حاکم بن گیا، بلکہ وہ کامیاب ہے دوسری بہت ساری پالیسیوں کے نتیجے میں۔ لیکن آپ ﷺ نے جو بات حدیث میں فرمائی ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ پورا نظام عورت کے ہاتھ میں دے دیا جائے، پدرشاہی کو ختم کرکے مادرشاہی نظام کو لایا جائے تو پھر وہ معاشرہ تباہ ہو جائے گا۔ بہرحال تاریخ میں آپ کتنے ہی پیچھے چلے جائیں آپ کو ہر دور میں صرف پدرشاہی نظام ہی ملے گا۔

کچھ فیمنسٹ کی طرف سے ایک زمانہ تک ایک جھوٹ پھیلایا گیا وہ یہ کہ جب ارتقاء ہوا اور انسان وجود میں آگئے تو انھیں زندہ رہنے کے لئے کھانے کی ضرورت تھی، اور اس کے لئے وہ صرف شکار کرتے تھے۔ اس شکاری معاشرے کو انگلش میں (Hunter and Gatherer) کہا جاتا ہے۔ یہی ان کا کام تھا، روزانہ نکلتے تھے شکار کرتے تھے اور اپنے لوگوں کے پاس کھانا لے آتے تھے۔ کیونکہ نظریہ ارتقاء کے مطابق جب یہ انسان نہیں بنے تھے، جانور تھے تب بھی یہ شکار ہی کرتے تھے (جیسے کہ آج بھی جانور یہی کرتے ہیں) اس لیے انسان بننے کے بعد بھی ان میں یہ چیز باقی رہی۔ یہ سب سے پہلا معاشرہ ہے۔ اس کے بعد ایگری کلچرل معاشرہ (Agricultural Society) کا وجود ہوتا ہے۔ یعنی انسان نے دھیرے دھیرے سیکھا کہ کھیتی کیسے کی جاتی ہے اور غلہ کی زراعت کیسے ہوتی ہے۔ پھر صدیوں تک یہی معاشرہ چلتا رہا۔ یہاں تک کہ اٹھارویں صدی میں صنعتی دور (Industrialization) کا آغاز ہوا۔ بڑی بڑی فیکٹریاں اور صنعتیں لگنے لگیں اور پھر وہ معاشرہ چل پڑا جو اب تک چل رہا ہے۔ بلکہ آج post industrialize معاشرہ ہے۔ تو کچھ فیمنسٹ نے یہ جھوٹ پھیلایا کہ Hunter and Gatherer (شکاری معاشرہ) میں مادرشاہی نظام تھا، پدرشاہی نظام نہیں تھا، اس کے بعد پھر آہستہ آہستہ معاشروں نے یہ طے کیا کہ ہمیں پدرشاہی نظام چاہئے، مادرشاہی نظام نہیں چاہئے۔ یہ کہہ کر دراصل فیمنسٹ اس بات کا یقین دلانا چاہتے ہیں کہ نفسیاتی اعتبار سے یا جسمانی اعتبار سے

یا جنیاتی اعتبار سے، کسی بھی اعتبار سے آپ فیمنزم کو مسترد نہیں کر سکتے، فیمنزم جسٹیفائڈ ہے، مرد اور عورت مساوی ہیں۔ اصل مسئلہ معاشرے میں ہے، اس کو یہ لوگ کہتے ہیں **Social Construct**۔ **Construction** کا مطلب ہے تعمیر۔ یعنی سوسائٹی نے اس نظریے کو تعمیر کیا کہ مرد کو آگے کرو عورت کو پیچھے کر دو۔ ہمیں دراصل اس سوسائٹی کو بدلنا ہے، اس لیے ہم فیمنزم کو لے کر آرہے ہیں۔

اگر آپ تھوڑی دیر کے لئے یہ مان لیں کہ بیالوجیکلی مرد آگے ہے اور عورت پیچھے ہے، تو ظاہر ہے کہ بیالوجی کو تو نہیں بدلا جاسکتا۔ ایک جسمانی ساخت کو کیسے بدلیں گے؟ اگر آپ یہ کہیں کہ نفسیاتی طور پر مرد حاکم ہے عورت پر، تو آپ نفسیات کو کیسے بدلیں گے، یہ تو ایک فطری چیز ہے۔ اس لیے فیمنسٹ نے یہ کہنا شروع کیا کہ دراصل معاشرے نے یہ کام کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ **Social Construct** (معاشرتی سمجھوتہ) کے نتیجے میں یہ بات آئی کہ پدرشاہی ہونی چاہے، مادرشاہی نہیں ہونی چاہئے۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر سوسائٹی نے ایسا کیا ہے تو کسی نہ کسی مرحلے میں تو کیا ہو گا۔ تو پھر بتائیں کہ تاریخ کے کس دور میں یہ تبدیلی آئی؟ وہ کون سی سوسائٹی تھی جس نے یہ طے کیا تھا کہ پدرشاہی نظام ہو گا، مادرشاہی نظام نہیں ہو گا؟ اس کے جواب میں فیمنسٹ یہ جھوٹ گھڑتے ہیں کہ یہ سوسائٹی دراصل **Agricultural Society** تھی، زراعتی معاشرہ تھا جس نے یہ طے کیا تھا کہ اب پدرشاہی نظام چلے گا، مادرشاہی نظام نہیں چلے گا۔ اس سے پہلے جو سوسائٹی تھی **Hunter and Gatherer** اس سوسائٹی میں مادرشاہی نظام تھا، پدرشاہی نظام نہیں تھا۔ یہ ان لوگوں نے جھوٹ گڑھا۔

لیکن بات یہ ہے کہ جھوٹ کے پیر نہیں ہوتے۔ خود اپنے ہی لوگ پھر اس جھوٹ کا پردہ فاش کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام ماہرین سماجیات (**Sociologists**) اور تمام ماہرین بشریات (**Anthropologists**) آج اس بات پر متفق ہیں کہ تاریخ کے کسی بھی دور میں یہاں تک کہ وہ معاشرہ جس کو ہم شکاری معاشرہ کہہ رہے ہیں، اس معاشرے میں بھی پدرشاہی نظام ہی تھا، مادرشاہی نظام نہیں تھا۔ جب اس معاشرے میں بھی پدرشاہی نظام ہی تھا تو آخر کس وقت معاشرہ نے مادرشاہی نظام کو ختم کیا اور پدرشاہی نظام کو قائم کیا؟ جب تاریخ کے کسی بھی دور میں ایسا نہیں ہوا تو ثابت ہوا کہ پدرشاہی نظام کی بنیاد بیالوجی اور سائیکلوجی ہے۔ یعنی پدرشاہی نظام کی بنیاد ہماری جسمانی ساخت ہے نہ کہ معاشرتی ساخت۔ اس کے دلائل آگے آئیں گے، ان شاء اللہ۔ اتنی بات تو ثابت ہوئی کہ تاریخ کے تمام ادوار میں تمام معاشرے ہمیشہ **Patrilineal** رہے ہیں، **Matrilineal** نہیں رہے۔

پدر شاہی نظام کا نتیجہ

- پدر شاہی نظام کا ایک لازمی نتیجہ تعدد ازواج (**Polygamy**) ہے۔ جہاں جہاں پدر شاہی نظام رہا ہے وہاں وہاں تعدد ازواج کا سلسلہ رہا ہے۔ ذیل میں ایک ویب سائٹ کے حوالہ سے اعداد و شمار ذکر کئے جاتے ہیں۔ اس ویب سائٹ پر آپ دیکھ سکتے ہیں انسانی تاریخ میں کتنے معاشرے ایسے ہیں جو تعدد ازواج پر یقین رکھتے ہیں اور کتنے نہیں رکھتے:

What percentage of societies are polygynous?

- 83.7% Polygynous
- 16.0% Monogamous
- 0.03% Polyandrous

Source: **Ethnographic Atlas**

تاریخ کے جملہ ادوار میں **83.7%** معاشرے تعدد ازواج کے قائل ہیں۔ **16.0%** وہ معاشرے ہیں جو تعدد ازواج پر یقین نہیں رکھتے۔ یعنی وہ اس بات کے قائل ہیں کہ ایک ہی پارٹنر ہونا چاہیے، مرد کی ایک ہی بیوی ہونی چاہئے اور عورت کا ایک شوہر ہونا چاہئے۔ یہ معاشرے ابھی حال ہی میں وجود میں آئے ہیں۔ تاریخ میں پیچھے چلے جائیں تو ایک پارٹنر والا نظریہ نہیں ملے گا، گذشتہ چار پانچ سو سالوں میں یہ نظریہ وجود میں آیا ہے۔ اور **0.03%** وہ معاشرے ہیں جو **Polyandry** میں یقین رکھتے ہیں۔ یعنی اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ایک عورت کے متعدد شوہر ہو سکتے ہیں۔

اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ **Patriarchy** (پدر شاہی) دراصل ایسا نظام رہا ہے جس کو انسانوں نے ہمیشہ قبول کیا ہے۔ اور جدید دور سے پہلے تو ہر زمان و مکان میں قبول کیا ہے، جدید دور میں بھی آکر دنیا کے اکثر حصوں میں **Patriarchy** نظام نافذ ہے۔ اور مغربی دنیا میں بھی **Matriarchy** (مادر شاہی) نظام کو لانے کی کوشش کی جارہی ہے لیکن کامیاب نہیں ہو پارہے ہیں۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا تھا کہ سیاست میں آج بھی کامیاب نہیں ہیں اور معاشی سطح پر آج بھی کامیاب نہیں ہیں، ہاں! صرف معاشرتی سطح پر کسی حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔

فیمنزم معاشرتی سطح پر کیسے کامیاب ہوا؟

- معاشرتی سطح پر فیمنزم کی کامیابی کی وجہ یہ ہے کہ جب سے صنعتی انقلاب آیا ہے تب سے اس پدر شاہی نظام کے خلاف بغاوت ہوئی ہے۔ Industrialization شروع ہوا ہے 1760 سے، یعنی فیکٹریاں لگنی شروع ہوئی اور جگہ جگہ انڈسٹریاں لگنی شروع ہوئیں۔ جب فیکٹریاں اور انڈسٹریاں لگیں تو ان مالکان کو زیادہ سے زیادہ مزدور چاہیے تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ دنیا کی آبادی کا آدھا حصہ گھر میں بیٹھا ہے اور جو بقیہ آدھی آبادی ہے ان میں سے کچھ کھیتوں میں ہیں اور کچھ دوسرے کاموں میں مشغول ہیں۔ جب افراد کم ہیں تو ہمیں تو ان کو تنخواہیں بھی زیادہ دینی پڑتی ہیں، اگر افراد زیادہ ہوں گے تو پھر تنخواہیں کم ہوں گی۔ جب ایک ہی ملازمت کے کرنے والے 100 لوگ مل جائیں گے تو لامحالہ تنخواہ نیچے چلی جائے گی۔ لیکن اگر ایک کام کو کرنے والے کم لوگ ہوں گے تو ظاہر ہے وہ زیادہ کا مطالبہ کریں گے۔ تو گھر میں بیٹھی آدھی آبادی کو گھر سے باہر نکالو۔ لہذا جیسے ہی صنعتی انقلاب شروع ہوا، فیمنزم نے زور پکڑا۔ اور جب اس فیمنزم نے زور پکڑا اور عورتوں کو یہ بتایا گیا کہ تم اپنی خواہشات پر توجہ دو، تم اپنی خواہشات کو خرید سکتی ہو، خریدنے کے لیے تمہیں پیسے کی ضرورت پڑے گی، پیسے کے لئے ملازمت چاہیے اور ملازمت کے لئے تمہیں وہ تعلیم چاہئے جو ایک مرد کو مل رہی ہے، لہذا تم اپنے گھروں سے نکلو۔ پھر عورتیں گھروں سے نکلیں اور اس طریقے سے فیمنزم کو معاشرتی سطح پر رواج دیا گیا۔

لیکن جب بات اس پر آتی ہے کہ ان بڑی بڑی کمپنیوں میں فیصلہ کن عہدوں پر عورتیں بیٹھی ہوئی ہیں یا نہیں؟ تو جواب یہی آتا ہے کہ نہیں بیٹھی ہوئی ہیں۔ جہاں پر سیاست کے بڑے بڑے فیصلے کیے جا رہے ہیں وہاں پر عورتیں 50-50 عہدوں پر موجود ہیں یا نہیں؟ تو جواب یہی آتا ہے کہ نہیں بیٹھی ہوئی ہیں۔ تو سیاسی سطح پر اور معاشی سطح پر آج بھی فیمنزم مکمل طور پر حاوی نہیں ہے۔ اسی لیے ہم نے کہا کہ پدر شاہی نظام آج بھی سو فیصد موجود ہے۔ ہاں! بس معاشرتی سطح پر ضرور فیمنزم ہے چونکہ عورتیں اب گھروں سے نکل چکی ہیں، فیملی نظام تباہ ہو چکا ہے۔ وہاں (مغربی معاشروں میں) کہا جا سکتا ہے کہ پدر شاہی نظام ختم ہو رہا ہے اور اس کی وجہ صرف اور صرف صنعتی انقلاب ہے۔ آج اگر Industrialization کو ختم کر دیا جائے، اچانک کوئی ایسی بات ہو جائے کہ تمام کمپنیاں اور فیکٹریاں ختم ہو جائیں اور دوبارہ ہم زراعتی معاشرے کی طرف لوٹ جائیں، پھر آپ دوبارہ دیکھیں گے کہ یہی مغربی معاشرہ پدر شاہی نظام کی طرف لوٹے گا۔ کیونکہ یہ انسان کی فطرت میں ہے۔

یہ فیمنزم کا ایک بنیادی سا تعارف ہے، ابھی اس تعارف میں بہت کچھ باقی ہے۔ اس سے ہمیں یہ اندازہ ہوا کہ فیمنزم اگر کامیاب ہو سکتی ہے تو پدر شاہی نظام پر حملہ کر کے کامیاب ہو گی۔ اور جیسے ہی پدر شاہی نظام ٹوٹے گا، خاندانی نظام تباہ و برباد ہو جائے گا۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ پدر شاہی نظام کیا ہے؟ اس کے حق میں کیا دلائل ہیں؟ اور اگر اس کے خلاف دلائل ہیں تو ان کا جواب کیا ہے؟ کیونکہ ساری بحث تو اسی پر ہے، جب تک ہم اس کے مکمل دلائل کا تجزیہ نہ کر لیں ہم اس موضوع کو نہیں سمیٹ سکتے۔ لیکن اس سے پہلے ہمیں فیمنزم کی تاریخ بھی پڑھنی ہے۔

اسلام اور فیمنزم میں تطبیق؟۔۔۔

البتہ فیمنزم کی تاریخ سے پہلے میں ایک بات یہ کہنا چاہوں گا کہ بہت سے مسلمان اور کچھ علماء یہ سمجھنے لگے ہیں کہ اسلام اور فیمنزم میں تطبیق کی جاسکتی ہے۔ اور اس کے لئے وہ ایک عجیب لفظ استعمال کرتے ہیں ، اسلامک فیمنزم (**Islamic Feminism**)۔ میں نے پہلے بھی یہ کہا ہے کہ جس طریقے سے ہم "اسلامی کفر" کی اصطلاح ایجاد نہیں کر سکتے، اسی طریقے سے اسلامی لبرلزم کوئی چیز نہیں ہے، بالکل اسی طرح اسلامک فیمنزم بھی کوئی چیز نہیں ہے۔ کیونکہ فیمنزم بنیادی طور پر اسلام کے خلاف ہے۔ میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ جیسے ہی کوئی شخص فیمنسٹ بنتا ہے، وہ کافر ہو جاتا ہے۔ بات صرف اتنی ہے اسلام اور فیمنزم کے درمیان تطبیق ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ پدر شاہی نظام قرآن و سنت میں جگہ جگہ موجود ہے۔ قرآن کہتا ہے:"اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ" (النساء-34) کہ مرد عورتوں پر قوّام ہیں۔ یہاں پر بات افضلیت کی نہیں ہے۔ عورتوں کو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ہم پیدائشی طور پر مفضول ہیں اور مرد افضل ہیں۔ اور نہ ہی مرد کو یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ عورت سے افضل ہے۔ بات افضلیت کی نہیں ہے، بات اتھارٹی کی ہے۔ اتھارٹی جس کو حاصل ہے، ضروری نہیں ہے کہ وہ افضل ہو۔ آپ اگر عقیدے کی کتابوں میں امامت کے مسائل پڑھیں، شرح عقائد کے آخر میں امامت کی بحث آتی ہے، اس میں علامہ نسفیؒ یہ لکھتے ہیں:"ولایُشتَرَطُ اَن یکونَ الإمامُ اَفضلَ أهلَ زمانِه" کہ ایسی کوئی شرط نہیں ہے کہ مسلمانوں کا امیر یا امام اپنے وقت کا افضل ترین انسان ہو۔ مفضول بھی امام بن سکتا ہے۔ اب جب وہ امیر المومنین بن گیا تو اس کے پاس اتھارٹی اور اقتدار ہے اور وہ اتھارٹی ان لوگوں پر بھی ہے جو اس سے افضل ہیں۔ حجاج بن یوسف کے پاس اتھارٹی تھی جبکہ جن کے پاس اتھارٹی نہیں تھی ان میں صحابہ بھی تھے، تابعین بھی تھے۔ بتایئے افضل کون تھا؟ افضل صحابہ و تابعین تھے۔ بنو امیہ کے بہت سے خلفاء کے پاس جب اتھارٹی آئی تو اس وقت بڑے بڑے صحابہ

موجود تھے۔ عبد اللہ ابن العمرو ابن العاص، عبد اللہ ابن عمر، انس بن مالک رضی اللہ عنہم موجود تھے، افضل وہ تھے، لیکن اتھارٹی دوسروں کے پاس تھی۔ لہذا اتھارٹی اور اقتدار کا ہونا اس بات کو یقینی نہیں بناتا کہ جس کے پاس اقتدار ہے وہ افضل ہے۔

بہر حال قرآن و سنت میں جگہ جگہ پدر شاہی نظام موجود ہے۔ مادر شاہی نظام موجود نہیں ہے۔ اسلامی نظامِ حکومت کو دیکھ لیں، اس میں یہ شرط ہے کہ حاکم صرف مرد ہی ہو سکتا ہے، عورت نہیں ہو سکتی۔ خلافت مرد کے لیے ہے عورت کے لیے نہیں ہے۔ اسی طریقے سے مسجد کی امامت کا حق بھی مرد کو ہے، عورت کو نہیں ہے۔ یہاں تک کہ مسجد میں اگر عورت آئے گی تو مرد کے برابر میں کھڑی نہیں ہوگی، پیچھے کھڑی ہوگی۔ تو یہ Patriarchy آپ کو مسجد میں ملے گی، خاندان میں ملے گی، سیاست میں ملے گی، ہر جگہ ملے گی۔ اور یہ قرآن و سنت کے اوپر مبنی ہے۔ جب یہ صورت حال ہے تو پھر آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اسلام اور فیمنزم میں تطبیق ہو سکتی ہے۔ اور خصوصا وہ فیمنزم کہ جس کی بنیاد یہ ہے کہ Patriarchy پر حملہ کرنا ہے اور Matriarchy کو لانا ہے۔ اگر Matriarchy کو لانا چاہتے ہیں اور آپ یہ کہتے ہیں کہ اسلام اور فیمنزم میں تطبیق دی جاسکتی ہے پھر آپ یہ بھی کہئے کہ عورت مسجد میں امام بھی بن سکتی ہے، پھر آپ یہ بھی کہئے کہ عورت خلیفہ بن سکتی ہے، پھر آپ یہ بھی کہئیے کہ عورت نبیہ اور رسولہ بن سکتی ہے۔ آپ ان تمام چیزوں کو بدلیئے۔ آپ کہئے کہ "اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ" (النساء-34) غلط ہے۔

جب آپ یہ بات کہتے ہیں تو فیمنزم کے حامی مسلم اسکالرز پلٹ کر کہتے ہیں: اصل میں فیمنزم کی مختلف اقسام ہیں، ایک ہے افریقی فیمنزم، ایک ہے ڈی کلونیل فیمنزم اور ایک ہے اسلامک فیمنزم۔ اسلامک فیمنزم یہ ہے کہ مسلمانوں نے چونکہ عورتوں کو حقوق نہیں دے رکھے ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ عورتوں کو حقوق دیئے جائیں۔ تو یاد رکھیں کہ جو حقوق اسلام نے عورتوں کو دیئے ہیں وہ ان کو دیئے جانے چاہئیں۔ آپ اس پر فیمنزم کا لیبل کیوں لگاتے ہیں؟ آپ بس یہ کہیں کہ اسلام نے جو حقوق عورت کو دیئے ہیں وہ تمام حقوق عورتوں کو ملنے چاہئیں۔ ہم یہ نہیں کہہ رہے ہیں کہ تمام معاشرے عورتوں کے حقوق ادا کرتے آئے ہیں اور عورت کی حق تلفی کبھی نہیں ہوئی ہے۔ یقینا ہمارے معاشرے میں عورتوں پر ظلم ہوتے ہیں، ان کی حق تلفی ہوتی ہے، مرد عورت پر ظلم کرتا ہے اور غلط کرتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس ظلم کا جواب دینے کے لیے اور عورت کو اس کے حقوق دلانے کے لئے آپ فیمنزم کا نظریہ مسلمان عورتوں کے اوپر مسلط کر دیں۔ جس طریقے سے اسلامک fascism (فسطائیت، آمریت) صحیح نہیں ہے، اسی طریقے سے اسلامک فیمنزم بھی درست نہیں ہے۔ اور جو اسلامک فیمنزم کا لفظ استعمال کرتا ہے وہ غلط کرتا ہے، وہ قرآنی

نصوص کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ یہ فیمنزم کا بنیادی تعارف ہے۔ اگلے درس میں فیمنزم کی تاریخ پر گفتگو ہو گی۔ اس کے بعد فیمنزم کی چار لہریں ہیں، ان پر گفتگو کریں گے، ان شاء اللہ۔

The Incoherence of Atheists

تہافت الملاحدۃ

نواں موضوع:

فیمنزم (Feminism)

درس نمبر: 02

تاریخ: 21 جنوری 2023

فاضل محاضر: ڈاکٹر مفتی یاسر ندیم الواجدی صاحب

ضبط و ترتیب: راشد امین القاسمی

تصحیح و نظرثانی: محمد احمد نوروالا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الۡاَنۡبِیَاءِ وَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ وَعَلٰی آلِہٖ وَ صَحۡبِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ۔ اَمَّا بَعۡدُ!

پچھلی کلاس میں فیمینزم (Feminism) کے تعلق سے بات شروع ہوئی تھی۔ اور فیمینزم کی تاریخ پر آدھی گفتگو ہوئی تھی، بقیہ آدھی گفتگو آج ہوگی۔ فیمینزم کی تاریخ کا سمجھنا اس کی تردید کرنے کے لئے بہت ضروری ہے۔ کوئی بھی نظریہ ہو، اگر آپ اس کی تاریخ سے واقف نہیں ہیں کہ وہ کیسے اور کیوں شروع ہوا، اس کے کیا مقاصد ہیں، اور کیا الگ الگ ادوار ہیں، تو اس نظریہ کو آپ اچھے طریقے سے سمجھ نہیں سکتے۔

فیمنزم کی تاریخ بہت وسیع ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لبرلزم کی طرح ایک ایسا نظریہ ہے کہ جس کی کوئی لکھی ہوئی کتاب نہیں ہے، نہ کوئی پڑھے ہوئے اصول ہیں۔ جس کے من میں جو آیا اس نے کہہ دیا۔ الگ الگ علاقوں میں خواتین اپنے حقوق کے نام پر کھڑی ہوئیں اور انہوں نے اپنے آپ کو فیمینسٹ بنا کر پیش کیا۔ تحریکِ نسواں (Feminist movements) انہوں نے الگ الگ علاقوں میں چلائی، تو ظاہر ہے کہ جب الگ علاقوں میں، الگ الگ دور میں اور الگ الگ تقاضوں کے ساتھ جب کوئی تحریک چلے گی تو ہر جگہ کا رنگ الگ ہوگا۔ اس لئے اس کی مکمل تاریخ کو سمجھنا تو ممکن نہیں ہے ہمارے کورس کی حد تک، لیکن جتنی بھی گہرائی تک ہم جاسکتے ہیں اس کو سمجھنے کے لئے ہم جائیں گے انشاءاللہ۔

جیسے میں نے پچھلی مرتبہ بھی بتایا تھا کہ فیمینزم کی بنیاد اس عقیدے کے اوپر ہے کہ انسانی تاریخ میں ہمیشہ عورت مظلوم رہی ہے۔ ایسا کوئی دور نہیں آیا جس میں عورت مظلوم نہ رہی ہو۔ آہستہ آہستہ اس نے آوازیں اٹھائی ہیں، اور تاریخ کے بہت سے ادوار میں جب اس نے آواز اٹھائی تو اس کی آواز کو دبا دیا گیا یا تاریخ نے اس کو ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا، اس لئے ہمیں اس کی کوئی تاریخ نہیں ملتی۔ لیکن جب ہم ماڈرن دور میں آتے ہیں تو چونکہ چھوٹے چھوٹے واقعات بھی تاریخ کی زینت بنے، اس لئے اب ہمیں پتا چلنے لگا کہ کہاں فیمینزم کی آواز اٹھی اور کس طریقہ سے اس کو دبایا گیا۔ یہاں تک کہ 1848 میں سنیکا فالس کنوینشن (Seneca Falls Convention) ہوا جس کا تذکرہ آگے آئے گا انشاءاللہ۔ سینیکا فالس امریکہ میں نیویارک کے قریب ایک شہر ہے، وہاں عورتیں جمع ہوئیں اور انہوں نے اپنا پہلا کنوینشن کیا۔ اس میں انہوں نے پرزور آواز اٹھائی کہ انہیں امریکہ کی سیاست میں ووٹ کا حق ملنا چاہئے۔ تو گویا کہ ووٹنگ رائٹس (Right to vote) سے اصل فیمیزم شروع ہوئی ہے۔ آپ فیمینزم کی جو بھی تاریخ پڑھیں گے تو مؤرخ آپ کو یہی بتائے گا کہ فیمینزم کا آغاز دراصل 1848 میں سنیکا فالس کنوینشن سے ہوا ہے۔ اور اس کی بنیاد یہ

تھی کہ عورتوں کو ووٹنگ کا حق مل جائے۔ اور اس کو یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ پہلی لہر تھی، پھر اس کے بعد دوسری لہر شروع ہوئی پھر تیسری لہر چلی اور آج کل چوتھی لہر چل رہی ہے۔ میں بتاؤں گا کہ کون سی لہر کب سے شروع ہوئی، لیکن یہ کہنا کہ پہلی لہر 1848 سے چلی اور فیمینزم کا آغاز ووٹنگ رائٹس کے مطالبے پر ہوا ہے، یہ غلط ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فیمنسٹ کچھ چیزوں کو چھپانا چاہتے ہیں۔ وہ کیا چیز ہے؟ وہ ایک ایسی سیاہ تاریخ ہے کہ جس سے اگر یہ اپنا پیچھا چھڑانا بھی چاہیں تو بہت مشکل ہے۔ ہاں یہ اس کو چھپا سکتے ہیں، لیکن پیچھا چھڑا نہیں سکتے۔ اس لئے ہم فیمینزم کے آغاز کو پہلی لہر 1848 سے نہیں پڑھیں گے بلکہ اس سے پہلے سے پڑھیں گے۔ اس کو ہم زیرو لہر کہیں گے جو کہ 1848 سے پہلے کے فیمینزم کا مکمل دور ہے۔

Actual History: ZERO WAVE

Main Figures: JS Mill (1873), Marie de Gournay (1645), Jeremy Bentham (1832), François de la Barre (1723), Olympe de Gouges (1793), Mary Wollstonecraft (1797)

- Main Ideas: Schooling of women in the West, Barbaric treatment of women in non-European lands, Liberal themes of freedom and liberation from servitude.
- Europe is civilized partly because of how it treats its women: education, no polygamy.
- What distinguishes civilized society from barbaric societies of the Natives, the Africans, aboriginals, and the Mohammedans is our treatment of women. –Jeremy Bentham

زیرو لہر کی مرکزی شخصیات:

- **John Stuart Mill** سب سے پہلے جان اسٹوئرٹ مل جس کا مختصر تعارف لبرلزم کے آغاز میں گزر چکا ہے۔ یہ 1873 میں مرا ہے۔
- پھر میری ڈی گارنے (**Marie de Gournay**) یہ فرانسیسی ہے اور 1645 میں مری ہے۔

- جیری بینتھم (Jeremy Bentham) 1832 میں مرا ہے، یہ بھی لبرلزم کے بڑے داعیوں میں سے ہے اور فیمینزم میں بھی اس کا بڑا کردار ہے۔
- فرانسس ڈی لابرے (François de la Barre) یہ 1723 میں مرا ہے، یہ بھی فرانسیسی ہے۔
- آلمپے ڈی گاگس (Olympe de Gouges) جو 1793 میں مرا ہے۔
- میری والسٹن کرافٹ (Mary Wollstonecraft) یہ 1797 میں مری ہے۔

آپ غور کریں کہ یہ افراد جو 1645 سے لیکر 1797 کے درمیان میں رہے ہیں اور یہ وہی عرصہ ہے جس میں یورپ نے استعماریت (Colonization) اور سامراجیت (Imperilism) کا آغاز کیا، دنیا کو غلام بنانے کا آغاز کیا۔ یہ وہ دور ہے جب 1760 میں انڈسٹرلایزیشن (Industrialization) کا آغاز ہوا۔ اس دور میں یورپ کے پاس پرنٹنگ پریس آگئی تھی جس کے نتیجہ میں تعلیم بڑھی اور لوگ کھیتوں سے نکل کر انڈسٹریز یعنی فیکٹریوں کی طرف رخ کرنے لگے۔ جب انڈسٹرلایزیشن کا آغاز ہوا تو زیادہ سے زیادہ مین پاور (Manpower) چاہئے تھی، زیادہ سے زیادہ افراد چاہئے تھے، تو ان تمام چیزوں کو سامنے رکھتے ہوئے فیمنزم کا آغاز دراصل 1848 سے بہت پہلے ہو چکا تھا، پہلی لہر سے بہت پہلے ہو چکا تھا۔

لیکن سوال یہ ہے کہ آج کے فیمینسٹس (Feminists) اپنا پیچھا ان لوگوں سے کیوں چھڑانا چاہتے ہیں جن کے نام اوپر گزرے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سارے کے سارے بہت خطرناک حد تک ریسسٹ (Racists) یعنی نسل پرست تھے۔ یہ لوگ سفید فام نسل کے اعلی ہونے کے قائل تھے۔ اور یہ سمجھتے تھے کہ دنیا میں سفید فاموں کے علاوہ جتنے بھی افراد بستے ہیں، چاہے وہ سیاہ فام ہوں یا ایشیائی ہوں یا ہندوستانی ہوں، جتنے بھی لوگ ہیں سارے کے سارے نچلے درجہ کے ہیں اور ہم اعلی ترین ذات اور اعلی ترین نسل ہیں۔ لہذا یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ساری دنیا کو Civilized (مہذب) بنائیں۔ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم عورت کو آزاد کریں اور عورت کو تعلیم دیں۔ چونکہ ان معاشروں نے، ان روایت پسندوں نے عورت کے اوپر تاریخ کے تمام ادوار میں ظلم کیا ہے۔ لہذا اعلی ترین نسل ہونے کی حیثیت سے ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اپنی اقدار اور روایات کو ان تک پہنچائیں۔ تو چونکہ ان لوگوں کے یہ افکار تھے تو آج کے دور میں جب کہ نسل پرستی کو لبرل دنیا میں بہت برا سمجھا جاتا ہے تو اس لئے یہ لوگ چاہتے ہیں کہ کسی طریقہ سے ان ناموں سے اپنا پیچھا چھڑا لیں۔

پہلا آئڈیا: اس زیرو لہر میں فیمنزم کا مرکزی آئڈیا یہ تھا کہ چونکہ ہم عورتوں کی تعلیم کے حق میں ہیں، ہم نے عورتوں کے لئے اسکول شروع کر دیئے ہیں اور اب ہمارے یہاں عورتیں ترقی کر رہی ہیں، ہمارے یہاں عورتیں انسان بن رہی ہیں، تو ہم یہ چاہتے ہیں کہ ساری دنیا کی عورتیں انسان بنیں۔ ہم اپنے اسکول کی تعلیم ان عورتوں کو دینا چاہتے ہیں جو مشرق میں بستی ہیں۔ ان لوگوں کا پہلا آئڈیا یہ تھا۔ اس سے بھی یہ پتا چلتا ہے کہ یہ اپنی برتری کے قائل تھے۔

دوسرا آئڈیا: یہ کہتے تھے کہ غیر یورپی علاقوں میں عورتوں کے ساتھ بربریت برتی جاتی ہے اور ان کے ساتھ ظلم رواں رکھا جاتا ہے۔ اگر ان کو کوئی قوم آزادی دلا سکتی ہے تو وہ یورپی قوم ہے۔ لہذا یہ ہماری ذمہ داری اور ہمارا حق ہے کہ ہم ان علاقوں کے اندر جائیں اور ان کے علاقوں پر قبضہ کریں تاکہ عورت آزاد ہو۔

تیسرا آئڈیا: یہ لوگ کہتے تھے کہ عورت جو اپنی فیملی اور مرد کے تابع ہے ہم اس کو اس تابعداری سے آزاد کرنا چاہتے ہیں تاکہ عورت گھر سے باہر نکلے۔ یہ عورت کو گھر سے باہر کیوں نکالنا چاہ رہے تھے؟ اس لئے کہ فیمینزم کا مقصد اس زمانے میں یہ تھا کہ انڈسٹریز کو دو کے بجائے چار ہاتھ ملیں۔ اگر کہیں کھیتی باڑی ہو رہی ہے تو کھیت میں بھی دو کے بجائے چار ہاتھ لگیں۔ تاکہ زیادہ سے زیادہ سرمایہ اکٹھا ہو۔ تو ان تمام تحریکوں کے پیچھے دراصل سرمایہ ایک بنیادی طور پر کردار ادا کر رہا تھا۔

اوپر کی عبارت میں پہلے دو آئڈیاز جو ہیں، یہ جیرمی بینتھم وغیرہ کا نظریہ ہے جو کہ بہت ہی متشدد قسم کے نسل پرست تھے ۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ یورپ آج اس لئے مہذب ہے کہ یہ اپنی عورتوں کو احترام اور عزت کے ساتھ ٹریٹ کرتا ہے۔ ہمارے یہاں ان کو تعلیم کا حق دیا گیا ہے اور ہمارے یہاں تعدد ازواج نہیں ہے۔ یعنی جہاں پر بھی تعدد ازواج ہے وہاں عورت کے اوپر ظلم کیا جا رہا ہے، وہ معاشرہ سیویلائزڈ نہیں ہے۔ لہذا ہم ان تمام معشروں کو اپنے ماتحت کر کے تعدد ازواج کو ختم کریں گے۔ یہی یورپ نے کیا۔ آج واقعی پوری دنیا میں انہوں نے وہ کام کیا جس کا خواب تقریباً تین سو چار سو سال پہلے ان لوگوں نے دیکھا تھا۔ اس کے بعد جو اگلا اقتباس ہے اس سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ ان لوگوں کی ذہنیت کیا تھی اور یہ لوگ کتنے زیادہ نسل پرست تھے اور کیوں آج کے فیمنسٹ ان سے اپنا پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں۔

اوپر کی عبارت میں تیسرا اقتباس یہ ہے: ایک ترقی یافتہ معاشرے کو ایک ظالم سوسائٹی سے کیا چیز ممتاز کرتی ہے؟ اور ظالم سوسائٹی کن کی؟ Natives (مقامی) لوگوں کی! یعنی امریکہ میں گوروں کے آنے سے پہلے جو اقوام یہاں آباد تھیں ان کو Native Amaricans کہا جاتا ہے۔ ان Natives کے یہاں بھی روایت پسندی تھی، تو ان کے معاشرے کو انہوں نے ظالم کہا۔ افریقی

معاشرے کو انہوں نے ظالم کہا، ایبر جنلز(Aboriginals) یعنی آسٹریلیا اور کینیڈا کے اصل باشندے، جو گوروں سے پہلے آباد تھے، ان کو ظالم کہا۔ اور محمدنز(Mohammadans) یعنی مسلمانوں کو ظالم کہا ہے۔ تو یہ کہتے ہیں کہ ایک ترقی یافتہ معاشرے کو نیٹو، افریقی، ایبر جنلز اور مسلمانوں کے ظالم معاشرے سے کیا چیز ممتاز کرتی ہے؟ دراصل وہ عورتوں کے ساتھ ہمارا معاملہ ہے۔ ہم عورتوں کے ساتھ برابری کا معاملہ کرتے ہیں اس لئے ہم ترقی یافتہ ہیں اور یہ لوگ ترقی میں پیچھے رہ گئے۔ (یہ جرمی بینتھم کا کہنا ہے) لہٰذا ہم ان کو ترقی کے دھارے میں لانے کے لئے ان کے ملکوں میں جائیں گے اور ان کے اوپر قبضہ کریں گے۔ یہ زیرو لہر میں ہوا۔

یہی وجہ ہے کہ فیمنزم اور کالونیلزم(Colonialism) یعنی استعمار دونوں ایک ساتھ چلے ہیں۔ اس کی دلیل درج ذیل اقتباس ہے:

COLONIALISM

Colonialism has always been very much intertwined with gender as a central, if not the central justification. Colonialism necessarily defends women's rights and rescue women**.**

یعنی استعمار (دنیا کے اوپر قبضہ کرنے) کے بہت سارے مقاصد تھے لیکن ان میں ایک اہم مقصد یہ تھا کہ مرد اور عورت کے درمیان مساوات قائم کرنی ہے۔ تاکہ دنیا کی آدھی آبادی گھروں میں نہ بیٹھے بلکہ باہر نکلے۔ استعمار عورتوں کے حقوق کا دفاع کرنے اور عورتوں کو ظلم اور استبداد سے بچانے کے لئے ضروری تھا۔

آپ اندازہ لگایئے کہ آج کی تاریخ میں اگر آپ کسی لبرل سے، بڑے سے بڑے فیمینسٹ سے یہ سوال کریں کہ کیا تم کلونیلزم (استعماریت) کو درست سمجھتے ہو؟ کیا تم درست سمجھتے ہو کہ یورپ اور امریکہ نے آج سے 200 سال پہلے دنیا کے مختلف علاقوں کو غلام بنا لیا تھا اور ان کے اوپر ظلم کیا تھا، کیا تم ان سب کو درست سمجھتے ہو؟ وہ فوراً بولے گا ہرگز نہیں! میں ان چیزوں کی مذمت کرتا ہوں۔ تو استعماریت کو آج کہیں بھی جسٹیفائی نہیں کیا جاتا، فیمینزم کو جسٹیفائی کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ لوگ بھول جاتے ہیں کہ استعماریت کی بنیاد فیمینزم ہے۔ اگر فیمینزم نہ ہوتا تو استعمار نہ ہوتا۔ فیمینزم تھا اس لئے استعمار ہوا، یعنی استعمار کے اہم مقاصد میں سے ایک مقصد فیمنزم تھا۔ لیکن آپ کالونیلزم کی تو مذمت کر رہے ہیں اور فیمینزم کی مزمت نہیں کر رہے، یہ کیسا ڈبل اسٹینڈرڈ(Double Standard) ہے؟ یہ چیز یعنی کالونیلزم آپ کو زیرو لہر میں ملے گی، اس لئے یہ لوگ زیرو لہر کا ذکر نہیں کرتے اور پہلی لہر کا آغاز 1848 سے کرتے ہیں۔

زیرِ و لہر سے آگے بڑھتے ہیں اور اب ان لوگوں کی بیان کردہ تاریخ، جو یہ خود بیان کرتے ہیں وہ دیکھتے ہیں:

First Wave: The Seneca Falls Convention:- 1848-1949

Second Wave: 1949-1980

Third Wave: 1980-2000

Fourth Wave: 2000-Present

یہ لوگ فیمینزم کی تاریخ کا آغاز 1848 سے کرتے ہیں۔ یہ آپ کے سامنے چند تاریخیں ہیں اور یہ بہت اہم تاریخیں ہیں۔ اس میں اختلاف بھی ہو سکتا ہے۔ اور اختلاف ہونا ظاہر سی بات ہے کیونکہ جیسے میں نے بتایا کہ فیمینزم کوئی مذہب تو ہے نہیں، جس کی جو مرضی آئے وہ لکھ رہا ہے۔ اس لیے بہت سے لوگ تاریخوں میں الٹ پھیر کر دیتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے دوسری لہر کا آغاز یہاں سے نہیں فلاں سن سے ہوا م کوئی کہ دیتا ہے تیسری لہر کا آغاز یہاں سے نہیں فلاں تاریخ سے ہوا۔ اوپر ذکر کردہ تاریخیں بہت سارے قابل اعتماد مصنفین نے لکھی ہیں۔

تو فیمینزم کی پہلی لہر کا آغاز ہوا ہے دی سینیکا فالس کنوینشن (**Seneca Falls Convention**) سے جو 1848 میں ہوا۔ اور یہ لہر 1848 سے 1949 تک چلی ہے، یعنی تقریباً ایک سو ایک سال تک یہ لہر چلی ہے۔ اس پورے عرصے میں کیا اس کی خصوصیات رہیں، اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ بہر حال سینیکا فالس ایک شہر کا نام ہے جہاں پر ایک کنوینشن ہوا تھا وہیں سے اس کا آغاز ہوا۔

دوسری لہر ہے 1949 سے لے کر 1980 تک، یہ کوئی بہت لمبا دور نہیں ہے۔ تیسری لہر کا آغاز ہے 1980 سے لے کر 2000 تک۔ اور چوتھی لہر کا آغاز ہے سن 2000 سے لے کر آج کی تاریخ تک، یعنی ابھی بھی ہم چوتھی لہر میں چل رہے ہیں۔ اور کچھ لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ بہت جلد پانچویں لہر شروع ہونے والی ہے، اللہُ اعلم۔ بہر حال ابھی چوتھی لہر چل رہی ہے جو 2000 سے شروع ہوئی ہے اور کچھ لوگوں کے نزدیک یہ 2012 سے شروع ہوئی۔ پانچویں لہر کا آغاز ابھی بہت ہی متنازعہ چیز ہے کہ شروع ہوئی یا نہیں۔

بہر حال، ذیل میں پہلی لہر ملاحظہ فرمائیں:

FIRST WAVE

<u>Main Figures</u>: Susan B. Anthony (1906), Elizabeth Cady Stanton (1902), Margaret Sanger (1966), Rebecca Ann Latimer Felton (1930), Frances Willard (1898)

<u>Main Ideas:</u> Voting, Equality before the law, Property Rights, College Access, Radically reforming religion, Eugenics.

پہلی لہر کی مرکزی شخصیات:

پہلی لہر کی جو اہم شخصیات ہیں ان کے نام میں نے یہاں ان کی تاریخ وفات کے ساتھ لکھے ہیں، تا کہ آپ کو اندازہ ہو جائے کس دور میں یہ خواتین رہی ہیں، یہ سب کی سب خواتین ہیں۔ ان خواتین کا نام جاننا کیوں ضروری ہے؟ یہ آپ کو ابھی پتا چل جائے گا۔

- ان میں سب سے اہم نام ہے سوزین بی اینتھونی(**Susan B. Anthony**)یہ 1906 میں مری ہے۔
- دوسری عورت ہے ، ایلیزابیتھ کیڈی اسٹینٹن (**Elizabeth Cady Stanton**) جو دوسری اہم ترین شخصیت ہے فیمنزم کی پہلی لہر میں۔ اس کا انتقال ہوا ہے 1902 میں۔
- تیسری خاتون بھی بہت اہم ہیں جس کی تحریک نے آج معاشرے کو بالکل تباہ و برباد کر دیا، وہ ہے مارگریٹ سینگر(**Margaret Sanger**)جو 1966 میں مری ہے۔
- اس کے بعد ریبیکا آن لیٹیمر فیلٹن(**Rebecca Ann Latimer Felton**)جو 1930 میں مری ہے۔
- فرانسس ولارڈ (**Frances Willard**) **1898** میں مری ہے۔ اس سے آپ کو اندازہ ہو گا کہ کس دور میں یہ خواتین رہی ہیں۔

اب دیکھتے ہیں کہ پہلی لہر کیوں شروع ہوئی؟ ان کا کیا مقصد تھا؟ اور کیا بنیادی افکار ہیں؟

پہلی لہر کے مقاصد:

پہلا مقصد(Voting):اس میں سب سے بنیادی فکر ہے ووٹ کا حق۔

عورتوں کو امریکہ میں ووٹ ڈالنے کا حق 1848 تک نہیں تھا اور اُس دور میں سیاہ فام لوگوں کو بھی ووٹ ڈالنے کا حق نہیں تھا۔ سیاہ فام لوگوں نے اور کچھ گوروں نے غلامی ختم کرنے کی تحریک چلا رکھی تھی۔ اور یہ تحریک 1881 میں بہت شدت اختیار کر گئی۔ 1881 میں امریکہ میں سیول وار(Civil War) ہوئی، جب ابراہم لنکن امریکہ کا صدر تھا۔ یہ جنگ اسی غلامی کے مسئلے کو لے کر ہوئی تھی اور مسئلہ غلامی میں آپ کو تفصیل سے بتا چکا ہوں۔ تو جنوبی امریکہ کے صوبوں نے غلامی کو ختم(Abolish) کر دیا ان لوگوں کو اباِلشنِسٹ (Abolitionists) کہا جاتا ہے۔ اور جو شمال کے صوبے تھے انہوں نے ایسا نہیں کیا، انہوں نے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا اور پھر آپس میں خانہ جنگی ہوئی۔ چند سالوں کی خانہ جنگی کے بعد اس بات پر اتحاد اور اتفاق ہو گیا کہ تمام غلاموں کو آزاد کر دیا جائے اور ان کو امریکی شہری مان لیا جائے۔ جب ان کو امریکی شہری مانا گیا تو ان کے مردوں کو خود بخود ووٹ ڈالنے کا حق مل گیا۔ یہ جو خواتین 1848 سے اپنے ووٹنگ کے حق کی مانگ کر رہی تھیں، ان لوگوں میں ایک عجیب طرح کا ہیجان برپا ہوا کہ کالوں کو جو کل تک ہمارے غلام تھے ان کو حکومت نے ووٹ ڈالنے کا حق دے دیا لیکن خواتین کو ووٹ کا حق نہیں دیا۔ تو ان میں شدت آ گئی اور تحریک اتنی شدت سے چلی کہ 1921 میں آ کر امریکی حکومت کو باقاعدہ اپنے دستور میں ترمیم کرنی پڑی۔ اس ترمیم کی رو سے عورتوں کو ووٹنگ کا حق ملا۔ یہ آج سے تقریباً کوئی 102 سال پہلے کی بات ہے۔ تو ان کا بنیادی مقصد ووٹنگ تھا۔

دوسرا مقصد(Equality before the law): قانون کی نظر میں برابری۔

جو قانون مرد کے لئے ہو گا وہی قانون عورت کے لئے بھی ہو گا، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہو گا۔ جس طریقہ سے قانون ایک مرد کو ٹریٹ کرتی ہے اسی طرح سے ایک عورت کو بھی ٹریٹ کرنا چاہیئے۔ یہ میں واضح بتا دوں کہ اسلام میں قانون تو سب کے لئے ہے، لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر قانون سب کے لئے ہو۔ اگر کوئی کام ایک مرد کے لئے جرم ہے، وہی کام اگر عورت کرے تو اس کو بھی جرم ہی مانا جائے گا۔ لیکن سزا میں فرق ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ارتداد کی سزا کو دیکھ لیں۔ اسلامی ریاست میں مرد کے لئے ارتداد کی سزا موت ہے اور عورت کی سزا موت نہیں ہے بلکہ حبس دائمی ہے یا یہ کہ وہ اسلام قبول کر لے۔ تو جیل اور موت

کے درمیان زمین آسمان کا فرق ہے۔ تو یہ Equality before the law اسلامی قانون میں نہیں ہے۔ اس کے علاوہ بہت ساری چیزیں ایسی ہو سکتی ہیں جن میں اسلامی قانون میں عورتوں اور مردوں کے درمیان مساوات نہیں ہے۔ اسلامی قانون مردوں اور عورتوں کو الگ طریقے سے ٹریٹ کرتا ہے۔ مثلاً مرد کو یہ اختیار ہے کہ وہ اکیلا سفر کر لے، لیکن عورت کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اکیلی سفر کرے۔ اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی محرم ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح ایک مرد کو یہ اختیار ہے کہ وہ اکیلے تجارت کر لے، لیکن اگر عورت تجارت کرنا چاہے تو ضروری تو نہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ اس کا کوئی مرد وکیل یا کفیل ہو۔ تو اسلامی قانون جو عورتوں اور مردوں کے درمیان تفریق کر رہا ہے وہ عورتوں کے تحفظ اور معاشرے میں ان کے منفرد مقام کو بنیاد بنا کر کر رہا ہے۔ بہر حال ان خواتین نے یہ دعوی کیا کہ قانون کے سامنے ہماری ہر طرح کی برابری ہونی چاہئے مردوں کے ساتھ۔

تیسرا مقصد (Property Rights): ملکیت کا حق۔

عورتوں کو مغربی کی دنیا نے خصوصاً امریکہ نے حقِ ملکیت نہیں دیا تھا۔ وہ کسی زمین یا مکان کی مالک نہیں بن سکتی تھیں۔ لیکن آپ دیکھیں کہ اسلام نے عورتوں کو حق ملکیت دیا ہے اور آج نہیں چودہ سو سال پہلے دیا ہے۔ امریکہ اور یورپ میں یہ تحریکیں چلی ہیں سوڈیڑھ سو سال پہلے اور اسلام عورت کو حق ملکیت دے رہا ہے آج سے چودہ سو سال پہلے۔ ہو سکتا ہے اس سے پہلے بھی جاہلی دور میں عورت کو حق ملکیت حاصل ہو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اسلام آنے سے پہلے سے تجارت کر رہی تھیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بہت ساری چیزیں ان کی ملکیت میں تھیں، تب ہی تو تجارت کر رہی تھیں۔ تو یہ ممکن ہے کہ دور جاہلیت میں بھی عورت کو حق ملکیت کسی درجہ تک حاصل ہوا ہو۔ لیکن اسلام نے اس کو صاف اور شفاف کر دیا، واضح کر دیا کہ وراثت سے یہ ملے گا اور نفقہ سے یہ ملے گا، چاہے تو کوئی زمین خرید سکتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن مغرب کے اندر خواتین اپنے حق ملکیت کے لئے لڑ رہی تھیں۔

چوتھا مقصد (College Access): کالج تک رسائی۔

یعنی عورتوں کو اسکول تک کی تعلیم تو دلائی جاتی تھی لیکن کالج اور یونورسٹی کی تعلیم نہیں دلائی جاتی تھی۔ تو ان کا یہ مطالبہ تھا کہ امریکی اور یورپی کالج اور یونیورسٹیز میں لڑکیوں کا بھی داخلہ ہو۔ آپ دیکھیں کہ مسلمان خواتین ان سے کہیں پہلے مورا کو میں یونیورسٹی بنا رہی تھیں، جب کہ امریکہ و یورپ میں خواتین کالج میں داخلہ کی تحریک چلا رہی تھیں۔ تو یہ کالج یونیورسٹی کی تعلیم بھی پہلی لہر کا ایک بنیادی مقصد رہا۔

پانچواں مقصد(Radically reforming religion):مذہب کی اصلاح۔

یہ اہم ترین چیز ہے۔ مذہب کی اصلاح کا جذبہ عورتوں کے اندر اس قدر تھا کہ اس لسٹ مین جو دوسری خاتون ہے الیز ابیتھ کیڈی اسٹینٹن، اس خاتون نے عورتوں کی بائبل لکھنی شروع کی تھی۔ ان خواتین کا نظریہ یہ تھا کہ موجودہ بائبل مردوں کی ہے اور اس میں پدرشاہی کو فروغ دیا گیا ہے۔ یہ تو مردوں کے لئے ہے۔ اس بائبل کا خدا مردوں کو پسند کرتا ہے۔ لہذا ہمیں عورتوں کی الگ بائبل چاہئے۔ ہمیں ایسا خدا چاہئے جو عورت نواز ہو، جو عورت کو پسند کرے۔ اس طرح کا Reform یہ خواتین لانا چاہتی تھیں۔

چھٹا اور آخری مقصد(Eugenics): تحسینِ نسل

یہ چیز بہت ہی خطرناک ہے۔ اس کے لئے جو لفظ میں نے لکھا ہے یہ ایک اصطلاح ہے، یوجینیسس(Eugenics)۔ اس کا اردو ترجمہ ہے تحسینِ نسل۔ یعنی جو اعلی نسل ہے اس کو باقی رہنے کا حق ہے اور ادنی نسلوں کو ختم ہو جانا چاہئے۔ ویسے بھی ادنی نسل جو غیر تعلیم یافتہ اور غیر ترقی یافتہ ہے، ان کی تعداد بہت تیزی کے ساتھ بڑھتی ہے اور پھر یہ لوگ وسائل کے اوپر قبضہ کر لیتے ہیں۔ تو کوئی ایسا طریقہ ہونا چاہئے کہ صرف اعلیٰ نسل کی تعداد بڑھے اور وہ باقی رہیں، وسائل ان کے پاس رہیں اور جو ادنیٰ نسل ہیں جیسے سیاہ فام، ایشیائی، ہندوستانی، مڈل ایسٹ کے لوگ، یہ کم رہیں۔ یہ بات فیمینزم کی بنیادوں میں شامل ہے۔ اس کے مقاصد میں یہ شامل ہے اور اس مقصد کو انہوں نے کیسے حاصل کیا، یہ میں ابھی آپ کو بتاؤں گا۔

ابھی میں نے ذکر کیا کہ ایلزابیتھ کیڈی اسٹینٹن عورتوں کی بائبل لکھنا چاہ رہی تھی اور وہ یہ دعویٰ کرتی تھی کہ بائبل کا خدا مرد نواز ہے، ایسا نہیں ہے کہ یہ بات صرف آج سے 150 سال پہلے ہو رہی تھی، بلکہ آج جس دور میں ہم رہ رہے ہیں اس میں بھی مذاہب کو لے کر یہ نظریہ پایا جاتا ہے۔ دوسروں کی کیا بات کریں؟ خود مسلمانوں میں بھی ہے، اور میں نہیں سمجھتا کہ اس طرح کی بات کر کے کوئی مسلمان مسلمان رہ سکتا ہے۔ آپ نے شاید سنا ہو گا کہ امریکہ میں ہاؤس آف ریپریزنٹیٹو (House of Representative) میں ایک کانگریسی خاتون ہے۔ اس عورت کا نام رشیدہ طالب ہے۔ رشیدہ طالب امریکی صوبے مشیگن سے نمائندگی کرتی ہے۔ یہ خاتون ٹرمپ کے دور میں بڑی مشہور ہوئی، ٹرمپ کے خلاف یہ خاتون بہت زیادہ جو شیلے بیان دیتی تھیں، اس کے ساتھ ایک اور خاتون تھی الہان عمر، دونوں ٹرمپ کے خلاف بیانات دیتی تھیں۔ تو جتنے بھی ٹرمپ مخالفین تھے وہ ان کی طرف آ گئے تھے، اس طرح انہوں نے اس ووٹ بینک کی سیاست کے ذریعہ لوگوں کا استحصال کیا اور یہ پارلیمینٹ تک پہنچیں۔ اگر آپ سوچ رہے ہیں کہ یہ مسلمان ہے تو مسلمانوں کے حق میں بولتی ہو گی، تو اس خام خیالی سے نکلیے۔ دور بیٹھے لوگ اسی طرح کے خیالات

رکھتے ہیں۔ رشیدہ طالب کا ایک بہت مشہور بیانیہ ہے، اس کا کہنا یہ تھا کہ My Allah is 'She:' یعنی میرا خدا مؤنث ہے۔ میں خدا کے لیے مؤنث کا صیغہ بولوں گی۔ اور یہ فیمینسٹوں کی طرف سے ایک بہت عام اعتراض ہے مسلمانوں کے اوپر کہ جب آپ قرآن کا ترجمہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے لئے جو ضمیر (Pronoun) استعمال ہوتی ہے وہ 'He' ہوتی ہے، 'She' کیوں نہیں ہوتی؟ اور یہ اعتراض صرف فیمنسٹ نہیں کرتے بلکہ آج کے زمانے میں لبرلزم سے متاثر افراد چاہے وہ مسلمانوں میں ہوں یا ہندوؤں میں ہوں یا کسی اور قوم میں ہوں، مسلمانوں کے اوپر یہ ایک بہت بڑا اعتراض ہوتا ہے۔ آپ ہندوؤں میں دیکھیں وہ کہتے ہیں ہمارے یہاں تو عورت کو دیوی مانا جاتا ہے۔ ہم تو عورتوں کی عبادت کرتے ہیں، ہم تو بھارت کو بھی بھارت ماتا کہتے ہیں، بھارت پِتا نہیں بولتے۔ لیکن ان کے یہاں (مسلمانوں کے یہاں) جو قرآن میں ضمیریں ہیں اللہ کے لئے وہ ساری He ہیں۔ یعنی مذکر کی ضمیریں ہیں مونث کی نہیں ہیں۔ یہ چیز چلی کہاں سے ہے؟ یہ چلی ہے پہلی لہر سے۔ Radically reforming religion۔

اب آپ آگے آنے والے اقتباسات پڑھیں، یہ اقتباسات بڑے ہی خطرناک ہیں۔ ان سے آپ کو پتا چلے گا کہ یہ پہلی لہر کی خواتین کتنی زیادہ نسل پرست تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج کے فیمینسٹ ان کے اوپر تنقید کرتے ہیں اور ان سے بھی اپنا دامن چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔ چھپانے کی بھی کوشش کرتے ہیں لیکن آج کے دور میں چھپانا بہت مشکل ہے۔

Racism (نسل پرستی)

Seneca Falls Convention 1848:

"He has withheld from her rights which are given to the most ignorant and degraded men-both natives and foreigners".

"Resolved, that the equality of human rights results necessarily from the fact of the identity of the race in capabilities and responsibilities".

سینیکا فالس کنوینشن ہوا ہے 1848 میں۔ اس میں بہت ساری تجاویز پاس ہوئیں۔ اگر آپ انٹرنیٹ پر سینیکا فالس کنوینشن ڈھونڈھیں تو فوراً اس کی تاریخ آجائے گی۔ اور اس کی حمایت میں ان خواتین کی قربانی پر ایک سے ایک مضامین آپ کو ملیں گے۔ لیکن مجال ہے کہ کوئی مضمون نگار اس کی تجاویز آپ کے سامنے پیش کر دے۔ تجاویز آپ کو ڈھونڈنی پڑیں گی اور وہ آپ کو ملے گی یونیورسٹیز کی انسائکلوپیڈیا میں۔ وہ عام جگہوں پر نہیں ملیں گی۔ عام مضمون نگار کبھی بھی ان تجاویز کا ذکر نہیں کریں گے۔

کیوں کہ ان کو پتا ہے کہ ان تجاویز کو ذکر کرنے کا مطلب ہے فیمینزم کی بنیادوں کو اکھاڑ پھینکنا۔ سنیکا فالس کنوینشن نے جو تجاویز خود شائع کی ہیں، ان میں سے ایک تجویز اور ایک عبارت یہ ہے جو اوپر ذکر کی گئی ہے:

ترجمہ: "مرد نے عورتوں کو ان حقوق سے بھی محروم رکھا ہے جو حقوق نہایت جاہل اور پست قسم کے مردوں یعنی مقامی اور باہر سے آئے ہوئے کالوں کو دیئے جاتے ہیں۔"

اس اقتباس سے دراصل سینیکا فالس کنوینشن کی تجاویز کا آغاز ہے۔ اور یہ تجاویز آفیشلی شائع ہوئی ہیں۔ اس میں کالوں کو جو وہاں کے اصل باشندے ہیں ان کو "حقیر ترین لوگ" کہا جارہا ہے۔ تو یہ جو تعلی ہے کہ ہم لوگ اعلی نسل سے تعلق رکھتے ہیں اور کالے اور مقامی ادنی نسل سے تعلق رکھتے ہیں، یہ نسل پرستی آپ کو اس Declaration (تجاویز) میں بالکل واضح طور سے مل سکتی ہے۔ یعنی فیمینزم کے آغاز میں کس قدر Racism (نسل پرستی) تھی۔

اب آپ Resolution (قرارداد) ملاحظہ فرمائیں۔ یہ ریزولیوشن آپ بڑی مشکل سے ڈھونڈھ پائیں گے۔ الّا یہ کہ آپ یہی عبارت لکھ کر ڈال دیں تو شاید کچھ ریزولیوشنز آجائیں۔ آج کے دور میں جب کہ انٹرنیٹ پر ہر چیز مل جاتی ہے اور یہ واقعہ کوئی بہت پرانا نہیں ہے، 1848 کا ہے، ایسا نہیں ہے کہ دو ہزار سال پرانا ہو۔ اور اس کی تجاویز حکومت کے پاس ہیں لائبریریوں میں ہیں انسائیکلوپیڈیا میں ہیں، تو انٹرنیٹ پر آسانی سے کیوں نہیں ہیں؟ یہ سوال تو بنتا ہے کہ آخر کیا چیز چھپائی جارہی ہے؟

اس کنوینشن میں یہ قرارداد پاس ہوئی: خواتین کو مساوی حقوق اس لیے ملنے چاہئیں کہ خواتین بھی مردوں کی طرح سفید فام نسل سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کی شناخت بھی وہی ہے جو سفید فام مَردوں کی ہے اور ان کی صلاحیتیں بھی وہی ہیں سفید فام مردوں کی ہیں اور ان کی ذمہ داریاں بھی وہ ہی ہیں جو سفید فام مردوں کی ہیں۔ لہٰذا خواتین کو مساوی حقوق ملنے چاہییں۔

اس سے ثابت ہوا کہ یہ حقوق صرف سفید فاموں کو ملنے چاہییں۔ کالوں کو یا مقامیوں کو یا کسی اور کو نہیں ملنے چاہییں۔ اب آگے ہم ان خواتین کے چند اقتباسات دیکھتے ہیں جو پہلی لہر میں پیش پیش تھیں، جن کے نام ماقبل میں گزر بھی چکے ہیں۔

Elizabeth Cady Stanton (1902)

اب میں آپ کے سامنے ایک اقتباس ذکر کر رہا ہوں، اس کا حوالہ بھی ذیل میں مذکور ہے۔ ماقبل میں ایک خاتون کا ذکر آیا تھا ایلیزابیتھ کیڈی اسٹینٹن، جو عورتوں کی بائبل لکھنا چاہ رہی تھی لیکن لکھ نہیں پائی۔ اس کا اقتباس دیکھ لیں:

Elizabeth Cady Stanton says: "What will we and our daughters suffer if these degraded black men are allowed to have the rights that would make them even worse than our Saxon fathers?", when she is opposing granting the vote to black men before white women, for the latter are more highly civilized**.**

https://slate.com/human-interest/2011/07/elizabeth-cady-stanton

ترجمہ: ہم اور ہماری بچیاں کس کرب سے گزریں گی اگر ان حقیر کالوں کو وہ حقوق مل جائیں کہ جن کی وجہ سے یہ ہمارے سیکسن آباءواجداد سے بھی بدتر بن جائیں گے۔(سیکسن **Saxon**، جرمنی سے تعلق رکھنے والے نہایت جنگلی لوگ تھے)وہ یہ مطالبہ کر رہی ہے کہ گوری عورتوں کو ووٹنگ کا حق کالے مردوں سے پہلے ملنا چاہئے (کالے مردوں کو ووٹنگ کا حق نہیں ملنا چاہیے) کیوں کہ سفید فام خاتون زیادہ مہذب ہے۔

اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو کہتے ہیں کہ ہم بڑے لبرل ہیں، ہم بہت با اخلاق ہے، ہم عورتوں کے اوپر ظلم نہیں کرتے وغیرہ وغیرہ۔ ٹھیک ہے ہم نے تھوڑی دیر کے لئے مان لیا کہ فیمینزم کی تحریک اس لئے شروع ہوئی کہ عورتوں کے اوپر ظلم ہو رہا تھا۔ لیکن عورتوں سے ظلم کے دفاع کا مطلب یہ ہے کہ آپ مردوں کے اوپر ظلم کریں یا یہ ہے کہ آپ ایک پوری نسل کالوں کے اوپر ظلم کریں یا یہ کہ آپ ایشیائی نژاد لوگوں کے اوپر ظلم کریں؟ اس سے تو یہ ثابت ہوا کہ پھر آپ انسانی مساوات کے قائل نہیں ہیں۔ تو پہلی لہر کے اندر نسل پرستی بھری پڑی ہے۔

اب اس لہر کی دیگر خواتین کے خیالات بھی ملاحظہ فرمائیں۔ جیسے جیسے ہم آگے بڑھیں گے اس کی شدت بڑھتی رہے گی۔

Susan B. Anthony (1906)

Susan B Anthony: "The old anti-slavery school says women must stand back and wait until the Negroes shall be recognized. But we say; if you will not give the whole loaf of suffrage to the entire people, give it to the most intelligent first. If intelligence, justice, and morality are to have precedence in the government, let the question of the woman be brought up first and that of the Negro last**.**

https://womenshistory.si.edu/

سوزین بی اینتھونی پہلی خاتون ہے جو اس لہر میں 1906 میں مری ہے۔ یہ بتادوں کہ "نیگرو" کا لفظ مغربی دنیا میں کالوں کے لئے بطور گالی کے استعمال ہوتا ہے۔ ہم اگرچہ انڈیا پاکستان میں نیگرو کا لفظ ایسے ہی بول دیتے ہیں، لیکن مغربی دنیا میں یہ ایک گالی ہے۔ اگر آپ کسی کو نیگرو بول دیں تو وہ آپ کی جان کو آ جائے۔ اس لئے بعض اوقات اگر اس لفظ کو بولنا بھی پڑتا ہے تو این ورڈ (N-word) کہہ دیتے ہیں۔ تاکہ پورا لفظ نہ بولنا پڑے، اتنی زیادہ حساسیت اس لفظ کو لے کر ہے۔

یہ خاتون کہتی ہے: قدیم غلامی مخالف مکتب فکر یہ کہتا ہے کہ عورت کو اس وقت تک انتظار کرنا چاہئے جب تک نیگروز کو ان کا حق نہ مل جائے۔ (اس نے ایک اصطلاح استعمال کی ہے سفر یج (Suffrage)، جس کا مطلب ہے ووٹنگ کا حق) آگے وہ کہتی ہے: لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر آپ ووٹنگ کا حق تمام لوگوں کو نہیں دے سکتے تو کم سے کم جو زیادہ عقل مند لوگ ہیں ان کو تو دیں۔ (یعنی کالوں سے پہلے سفید فام عورتوں کو دیں) اگر ذہانت، انصاف اور اخلاقیات کو حکومت چلانے میں دوسروں کے لئے نظیر بنانا ہے تو عورتوں کی بات کالوں سے پہلے ہونی چاہئے۔ کیوں کہ جب عورتیں حکومت میں شامل ہوں گی تو پھر وہ ذہانت، اخلاقیات اور انصاف کا معیار طے کر دیں گی، کالے طے نہیں کر پائیں گے۔

یہ سوزین بی اینتھونی ہیں، پہلی لہر کی معمار! یہ کالوں کو کن الفاظ سے یاد کر رہی ہے۔ اور خواتین کو عقل مند اور تمام کالوں کو بے وقوف کہہ رہی ہے۔ اس اقتباس کا حوالہ بھی اوپر موجود ہے۔

Rebecca Ann Latimer Felton (1930)

اگلی خاتون ہے ریبیکا آن لیٹیمر فیلٹن، جو 1930 میں مری ہے۔ یہ وہ خاتون ہے جو ووٹنگ کے حق کے لئے سب سے آگے تحریک چلا رہی تھی۔ اس کا اقتباس اتنا خطرناک ہے کہ میں سمجھتا ہوں سب سے زیادہ خطرناک اسی کا اقتباس ہے۔ یہ کہتی ہے:

Rebecca Ann Latimer Felton, 1835-1930 (leading suffragette); "I do not want to see a Negro man walk to the polls and vote on who should handle my tax money, while I myself cannot vote at all...)When there is not enough religion in the pulpit to organize a crusade against sin; nor justice in the court house to promptly punish crime; nor manhood enough in the nation to put a sheltering arm about innocence and virtue (if it needs lynching to protect woman's dearest possession from the ravening human beasts--then I say lynch, a thousand times a week if necessary.". Also "if it will save one white woman I say lynch a thousand black men,"

https://www.senate.gov/artandhistory/senate-stories/rebecca-felton

ترجمہ: میں ہر گز یہ دیکھنا نہیں چاہتی کہ ایک نیگرو (سیاہ فام) پولنگ اسٹیشن پر جا کر ووٹ کرے اور اس شخص کا انتخاب کرے جو میرے ٹیکس میں دیئے ہوئے پیسوں کی دیکھ ریکھ کرے (یعنی پیسہ میرا ہے، ٹیکس میں دے رہی ہوں تو انتخاب کالا کیوں کرے گا۔ یہ میں برداشت نہیں کر سکتی) جب کہ مجھے ووٹنگ کا حق نہیں ہے۔۔۔ اگر بھوکے انسانی جانوروں سے ہمارے حقوق کا تحفظ کرنے کے لئے لنچنگ (Lynching) کرنی پڑے تو میں یہ کہتی ہوں کہ لنچ کرو۔ اگر ضرورت پڑے تو ایک ہفتے میں ہزار مرتبہ لنچ کرو۔ اور اگر اس سے ایک سفید فام خاتون کو بچایا جا سکتا ہو تو میں یہ کہتی ہوں کہ ایک ہزار کالوں کی لنچنگ ہونی چاہئے۔

یہ ہے ان کے فیمینزم کی بنیاد۔ اور یہ اقتباس کہیں اور نہیں بلکہ امریکی حکومت کی ویبسائٹ پر ہے۔ لینک اوپر موجود ہے، اگر آپ یہ اقتباس دیکھنا چاہیں تو بہت آسانی کے ساتھ مل جائے گا۔ مطلب ایک خاتون جو عورتوں کے حقوق کے لئے آگے آگے رہی، پہلی لہر میں جس کا نام نمایاں ہے، وہ کالوں کے لنچنگ کی حمایت کر رہی ہے۔ اور کہہ رہی ہے کہ ہر ہفتے ہزار کالوں کو مار دیا جائے۔ تاکہ سفید فام عورتوں کو ان کے حقوق مل جائیں۔ یہ کیسی انسانی مساوات ہے؟ یہ کیسے انسانی حقوق ہیں کہ جس میں دنیا کی آدھی سے زیادہ آبادی کو انسان نہ سمجھا جا رہا ہو؟ دراصل یہ وہ وجہ ہے کہ فیمینزم نے سوچا کہ اس کو پہلی لہر مان کر دوسری لہر سے تاریخ شروع کر دو تاکہ ہم ان لوگوں سے اپنا پیچھا چھڑا سکیں۔ لیکن اصل چیز تو بنیاد ہے، اگر آپ عمارت کی بنیاد ہٹا دیں تو عمارت ڈھ جائے گی۔ آج فیمینزم کے اوپر اگر بات ہو گی تو زیرو لہر یا پہلی لہر کے بغیر ہو نہیں سکتی۔

Margaret Sanger (1966)

اگلی خاتون ہے مارگیٹ سینگر۔ یہ وہ عورت ہے جس نے پلانڈ پیرنٹ ہڈ کلینک (Planned Parenthood Clinics) شروع کیے ہیں۔ آپ کو یاد ہو گا کہ جب غلام باندی کا مسئلہ آیا تھا تو اس میں رضامندی کے تعلق سے تفصیلی گفتگو ہوئی تھی کہ کنسینٹ (Consent) کسے کہتے ہیں۔ اور اس میں میں نے پلانڈ پیرینٹ ہڈ آرگنائزیشن کا حوالہ دیا تھا۔ اور وہاں میں نے کنسینٹ کی تعریف ذکر کی تھی کہ کنسینٹ یہ یہ چیزیں ہیں۔ تو وہ خاتون جس نے پلانڈ پیرینٹ ہڈ آرگنائزیشن اور کلینک شروع کئے ہیں کہ جہاں پر Abortion (اسقاط حمل) کرایا جاتا ہے اور مفت میں ابارشن ہوتا ہے، اس خاتون کا نام ہے مارگریٹ سینگر۔ لیکن آپ کو حیرت ہو گی کہ امریکہ میں آج بھی اگر آپ مختلف شہروں میں چلے جائیں تو پلانڈ پیرینٹ ہڈ کے جو کلینک ہیں کہ جہاں پر اسقاط حمل فری میں ہوتا ہے، یہ کلینک زیادہ آپ کو کالوں کے ایریا میں ملیں گے۔ اور ہمیشہ سے یہ کالوں کے علاقہ میں ہی زیادہ تھے یا مثلاً جہاں میکسنز زیادہ ہیں وہاں ملیں گے۔ گوروں کے علاقہ میں یہ کلینک آپ کو کم ملیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پلانڈ پیرینٹ ہڈ آرگنائزیشن

اور کلینک کاجب آغاز ہوا تھاوہ یوجینیسس کی بنیاد پر ہوا تھا۔ اور یوجینیسس کے بارے میں میں پہلے ہی بتاچکاہوں کہ کیا چیز ہے۔ یعنی جو اعلی نسل ہے وہ باقی رہے اور ادنی نسل کے لوگوں کو دھیرے دھیرے ختم کر دیاجائے۔ تو جب آپ پلانڈ پیرینٹ ہڈ کے کلینک جو اسقاط حمل فری میں کر رہے ہیں، وہ کالوں کے علاقوں میں زیادہ سے زیادہ قائم کریں گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ان عورتوں کو اپنی طرف کھینچ رہے ہیں تاکہ وہ اپنا اسقاط حمل کروائیں۔ اسقاط حمل کروائیں گی تو ان کی تعداد کم ہی رہے گی اور گوروں کے علاقوں میں یہ کلینک کم ہیں، الّا یہ کہ اگر کسی کو ضرورت ہے تو وہیں جائے گی۔ تو گوروں کو یہ پیغام دیا جارہاہے کہ وہ اپنی تعداد کو بڑھائیں۔ تو یہ یوجینیسس (تحسین نسل) فیمینزم کے مقاصد میں سے ایک مقصد ہے اور اس کی اہم ترین خاتون مار گریٹ سینگر ہے جو اس کی بانی ہیں۔ Women and the New Race اس کی کتاب ہے جو 1920 میں شائع ہوئی، اس میں وہ لکھتی ہے:

Margaret Sanger: "Birth control itself, often denounced as a violation of natural law, is nothing more or less than facilitation of the process of weeding out the unfit, of preventing the birth of defectives or of those who will become defectives… If we are to make racial progress, this development of womanhood must precede motherhood in every individual women"- Women and the New Race, 1920.

ترجمہ: برتھ کنٹرول کہ جس کو قانونِ فطرت کی خلاف ورزی کہہ کر کبھی کبھی مسترد کر دیا جاتا ہے، اس کی بس اتنی ہی حیثیت ہے کہ یہ (برتھ کنٹرول) دراصل ایک ایسے عمل میں مددگار ثابت ہو رہا ہے جس کے ذریعہ نااہل لوگوں کو معاشرے سے صاف کر دیا جائے، یا ایسے بچوں کو دنیا میں آنے سے روک دیا جائے جو عیب دار ہوں یا آگے چل کر عیب دار بن جائیں گے۔ (عیب دار سے مراد ہیں کالے) آگے وہ کہتی ہے کہ اگر ہمیں نسلی ترقی کرنی ہے (یعنی سفید فاموں کی) تو ہر عورت میں **Motherhood** (زچگی) سے پہلے **Womanhood** (عورت پنا) جگانے کی ضرورت ہے۔

یعنی اس کے ماں بننے سے پہلے اس کے اندر عورت کی پہچان ڈالنے کی ضرورت ہے۔ اس کو معلوم ہو کہ میں عورت ہوں اور ایک عورت ہونے کے ناطے میرے یہ یہ حقوق ہیں جو مرد کے مساوی ہیں۔ آخری لائن میں اس نے **Motherhood** پر حملہ کیا۔ کہ ایک لڑکی اگر ماں بن جاتی ہے اور اس کو اپنے حقوق کا علم نہ ہو اور وہ حقوق کے لئے نہ لڑے، مردوں کی مساوات نہ کرے تو پھر گویا کہ اس نے اپنی زندگی کو ضائع کر دیا۔ پہلی چیز **Womanhood** ہے، **Motherhood** بعد میں آتا ہے۔ اسلام میں عورت کا مقام ہی اس عورت کے ماں بننے سے ہے اور اِن لوگوں کے نزدیک اس کا ماں بننا ایک سیکینڈری چیز ہے، اصل عورت کا عورت بننا ہے۔ اور عورت اس وقت عورت بنے گی جب وہ مردوں کے شانہ بہ شانہ اور ان کے مساوی ہو جائے۔

آپ اندازہ لگائیں کہ اس خاتون نے جس نے برتھ کنٹرول کلینکس کی پوری دنیا میں تنظیمیں بنا دیں، پلانڈ پیرینٹ ہڈ کی تنظیم صرف امریکہ میں نہیں ہے، پوری دنیا میں ہے۔ اس ایک عورت نے اسقاط حمل کو پوری دنیا میں عام کر کے معاشروں کو جس دلدل میں پھینکا ہے اور امریکہ میں 1960 میں جو سیکس روالیوشن آیا تھا، جس کا ذکر پچھلے کورس میں آچکا ہے، دراصل اس عورت کی تحریروں اور اس کی تحریکوں نے اس ریولیوشن کو لانے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ چونکہ جب اس نے معاشروں کے اندر ابارشن کلینکس پھیلا دیئے تو عورتوں اور مردوں کو بے حیائی کرنے میں کوئی ممانعت نہیں رہی۔ وہ چاہے جس طریقہ سے کریں، ابارشن کی سہولت موجود ہے۔ اس کے بعد اسی خاتون کا اگلا اقتباس دیکھیں:

"Apply a stern and rigid policy of sterilization and segregation to that grade of population whose progeny is tainted, or whose inheritance is such that objectionable traits may be transmitted to offspring." – My Way to Peace, Jan 17, 1932. Margaret Sanger Papers, Library of Congress 130:198.

ترجمہ: (اسٹیریلائزیشن کو عربی میں کہتے ہیں تعقیم یعنی کسی کو بانجھ بنا دینا۔ یہ لفظ ابارشن کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے) ایک سخت اور شدت پسند پالیسی اسقاط حمل کے تعلق سے ان لوگوں میں (یعنی کالوں میں) نافذ کرنا ضروری ہے۔ (یہ کالے کون ہیں؟) جن کی نسل داغدار ہوتی ہے۔ اور ان کے اندر ایسی قابلِ اعتراض موروثی صفات ہوتی ہیں جو ان کی نسل کے اندر منتقل ہو جاتی ہیں اور اگلی نسل تک پہنچ جاتی ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ کسی نسل کی توہین اور تحقیر اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی کہ ہم ان لوگوں کو بانجھ اس لئے بنائیں کہ تاکہ صرف سفید فام لوگ دنیا میں رہیں۔ اور کالے لوگ چوں کہ موروثی اعتبار سے قابلِ اعتراض صفات کے حامل ہوتے ہیں جو ان کی نسلوں کے اندر بعد میں پہنچتی ہیں، ہم ان کے بچوں کو دنیا میں آنے ہی نہیں دیتے۔ یہ اقتباس ایک مضمون سے لیا گیا ہے جو مارگریٹ سینگر نے 17 جنوری 1932 نے ایک پیپر کی صورت میں لکھا تھا اور یہ لائبریری آف کانگریس میں موجود ہے۔ اس مضمون کا عنوان ہے **My Way To The Peace** یعنی امن کی طرف میرا راستہ۔

اب آپ نے اندازہ لگا لیا ہو گا کہ فیمینزم کی پہلی لہر میں کیا ہو رہا تھا اور کس طریقہ سے انسانیت کی تحقیر کی جا رہی تھی عورت کے اوپر ہونے والے ظلم کے عنوان سے۔ آج اگر آپ کو کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ ہمیں فیمینزم کی پہلی لہر سے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اسلام کو اس طرح کی فیمینزم سے کوئی مسئلہ نہیں ہے، تو میں آپ کو یہ یاد دلا دوں کہ اسلام وہ سب سے پہلا دین ہو گا جس کو

فیمینزم کی پہلی لہر سے سب سے زیادہ مسئلہ ہو گا۔ کیوں کہ یہ پہلی لہر نسل پرستی کے اوپر مبنی ہے، وہ الحاد کے اوپر مبنی ہے، وہ اسقاط حمل کے اوپر مبنی ہے، وہ یوجینیسس کے اوپر مبنی ہے، وہ تعلّی کے اوپر مبنی ہے۔ یہ صرف ووٹنگ کے حقوق پر بات نہیں کرتی ہے، اس میں بہت ساری چیزیں ہیں۔ تو ہم ایسی کسی بھی لہر کو، فیمینزم کی ایسی کسی بھی شکل کو ہم تسلیم نہیں کر سکتے جو اسلام کی بنیادی تعلیمات کے خلاف ہو۔ اسلام نسل پرست دین نہیں ہے۔ وہ کالوں کے لئے بھی ہے، گوروں کے لئے بھی ہے، مرد کے لئے بھی اور عورت کے لئے بھی۔ تو ہم ایسے کسی بھی نظریہ کو کیسے قبول کریں کہ جس کی بنیاد ہی ایسی نسل پرستی ہو جو ایک نسل کے مردوں کی لنچنگ کی تائید کرتی ہو۔ یہ فیمینزم کی پہلی لہر تھی۔

SECOND WAVE

Main Figures: Simon de Beauvoir (1986), Betty Friedan (2006), Germane Greer, Gloria Steinem, Shulamith Firestone(2012)

Main Ideas: Just like races are oppressed, so are women. Analogy with racism came into vague.The Oppression of women has overt aspect and other less obvious aspects. Like in language.Gender roles are just a matter of socialization and therefore can and should be changed to bring equality.Women are forced into submissive roles in order to fulfill men's sexual fantasies.Traditional institutions like marriage are inherently oppressive to women.Gender separation is tantamount to apartheid. Push for coeducation.The West has a responsibility to liberate women around the globe stuck under the yoke of patriarchy.The Equal Pay Act of 1963, Right to use birth control, Title IX, Roe v Wade(1973) .

دوسری لہر

میں نے آپ کو بتایا تھا کہ دوسری لہر 1949 سے شروع ہوئی تھی اور 1980 تک چلی تھی۔ اور اسی دوسری لہر میں 1960 میں امریکہ میں جنسی انقلاب (Sexual Revolution) شروع ہوا تھا، جس کے نتائج پر ہم نے تفصیل سے پچھلے کورس میں بات کی تھی۔

دوسری لہر کی مرکزی شخصیات:

- سائمن ڈی بیووئر(Simon de Beauvoir)،یہ فرانسیسی ہے جس کا انتقال 1986 میں ہے۔
- بیٹّی فریڈن(Betty Friedan)2006 میں مری ہے۔
- جرمین گریئر(Germane Greer)یہ ابھی زندہ ہے۔
- گلوریا اسٹائنیم(Gloria Steinem)یہ بھی زندہ ہے۔
- شولامتھ فائرسٹون(Shulamith Firestone)جو 2012 میں مری ہے۔

دوسری لہر کے بنیادی افکار:

پہلی فکر: دراصل اس دوسری لہر کا آغاز ہوا ہے دوسری جنگِ عظیم کے بعد۔ آپ کو معلوم ہے کہ دوسری جنگ عظیم میں سب سے بڑا جو ولن تھا اس کا نام ہے ہٹلر۔ پورا یورپ ایک طرف تھا اور ہٹلر ایک طرف۔ ہٹلر کی جنگ نسل پرستانہ تھی۔ وہ اس بات کا قائل تھا کہ جرمن نژاد چوں کہ اعلیٰ ترین نسل ہیں اس لئے انہیں حق ہے حکومت کرنے کا، جرمنی میں بھی اور جرمنی کے اطراف میں بھی۔ جرمنی میں ایک بڑی اقلیت یہودی تھے۔ تو یہودیوں کے بارے میں یہ کہا گیا کہ یہ ادنیٰ نسل ہے لہذا ان کو مارا جائے۔ بالکل وہ ہی طریقہ جو جو امریکہ میں پہلی لہر کی مرکزی شخصیات امریکہ میں کرنا چاہتی تھیں، وہی کام ہٹلر جرمنی میں کر رہا تھا۔ وہ یہودیوں کو مار رہا تھا۔ ایک نسل کے اوپر ظلم کیا جا رہا تھا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ 6 ملین لوگ یقیناً مرے ہوں گے، لیکن بہر حال ایک بہت بڑی تعداد کو ان کی نسل اور مذہب کی وجہ سے ظلم کا نشانہ بنایا گیا۔ اس چیز کو تسلیم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ہٹلر جب مرا اور دوسری جنگ عظیم ختم ہوئی اور یورپ کی بقیہ اقوام انگلینڈ، فرانس اور امریکہ وغیرہ کی جیت ہوئی، تو پوری دنیا میں ایک پیغام گیا۔ وہ پیغام یہ تھا کہ نسل پرستی ایک بری چیز ہے۔ اچھا! نسل پرستی اچانک بری چیز کیسے ہوگئی؟ تم تو کل تک نسل پرست تھے، تم نے ساری دنیا کو غلام بنایا ہوا تھا، تم نے کالوں کو غلام بنایا ہوا تھا، تمہاری عورتیں کالوں کی لنچنگ کی تائید کر رہی تھیں۔ اچانک نسل پرستی کی برائی تمہارے اندر کیسے جاگ گئی؟ یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ یہ برائی اس لئے جاگ گی کہ اس مرتبہ جس نسل کے اوپر ظلم ہوا تھا وہ کالوں کی نسل نہیں تھی، وہ ایشیائی نژاد لوگوں کی نسل نہیں تھی، نہ وہ مڈل ایسٹرن لوگوں کی نسل تھی، وہ

نسل تھی یہودیوں کی۔ تو یورپی دنیا کے لوگوں نے کہا یہ تو ہمارے اپنے ہیں۔ نسل پرستی کا جو طریقہ کار ہم نے دنیا کو دیا ہے یہ تو ہمارے اوپر ہی الٹا پڑ گیا۔ ہمارے اپنے لوگوں کو نسل پرستی کا شکار بنا دیا گیا لہذا نسل پرستی بری ہے۔ اب اچانک ان لوگوں کے اندر نسل پرستی کی برائی جاگی۔ اور ان لوگوں نے اس نظریے کو کہ سفید فام اعلی نسل ہے، اس کو ایک گالی قرار دیدیا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ آج کے دور میں بھی اگر آپ کو کوئی ریسسٹ (نسل پرست) مل جائے تو خود گورے اس کو بہت برا سمجھتے ہیں۔ اور ایسی خواتین کو آج کیرین بولا جاتا ہے امریکہ میں جو سفید فام کی بالادستی کی قائل ہوتی ہے۔ بہر حال اب یہ ایک گالی بن گئی ہے۔

اب جب یہ گالی بن گئی اور فیمینزم کو آگے بڑھنا ہے تو فیمینزم کے لیڈروں نے سوچا کہ اگر ہم نے پہلی لہر کو یہیں ختم نہیں کیا یا اُس دور کو پہلی لہر کا نام نہیں دیا تو ہم کبھی بھی اس تحریک کو کامیاب نہیں کر پائیں گے۔ لہذا ہم اپنی فیمینزم کی اس تحریک کو یہاں روک دیتے ہیں اور اس کو کہتے ہیں کہ یہ پہلی لہر ہے۔ اب ہمارے نئے دور کا آغاز ہو رہا ہے۔ نئی صبح ہے، نئی تحریک ہے، نئے مقاصد ہیں، ماضی میں ہم نے غلطیاں کی ہوں گی، ٹھیک ہے ہم سے غلطیاں ہو گئیں۔ لیکن اب ہم نئے جوش اور جذبہ سے میدان میں اترے ہیں۔ تو یہ وجہ تھی کہ دوسری لہر کا آغاز ہوا، ورنہ کوئی وجہ نہیں تھی۔ فیمینزم اسی طرح چلتا رہتا۔ کیا لبرلزم میں بھی اس طرح کی الگ الگ لہریں ہیں؟ کیا کیپیٹلزم میں بھی الگ الگ لہریں ہیں؟ نہیں ہیں! تو یہ فیمینزم میں ہی کیوں ہیں؟ اس کی وہ جہ یہ ہے۔

لہذا اب انہوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ جس طریقہ سے پوری ایک نسل پر ظلم کیا جا سکتا ہے اور کیا گیا ہے، کالوں کے اوپر ظلم ہوا، یہودیوں کے اوپر ظلم ہوا، اسی طرح عورتوں کے اوپر بھی ظلم کیا جاتا ہے۔ تو اب انہوں نے عورتوں کے اوپر ہونے والے ظلم کو نسل کے اوپر ہونے والے ظلم کے مساوی قرار دے دیا تاکہ وہ دنیا کی ہمدردی اپنے لئے بٹور سکیں۔ کیوں کہ اُس وقت دنیا کی ہمدردی یہودیوں کے ساتھ تھی۔ وہ ہمدردی کا ہی تو نتیجہ تھا کہ آج اسرائیل کا وجود دنیا کے نقشہ پر ہے۔ ہمدردی کا ہی نتیجہ تھا کہ اتنی بڑی تعداد میں یہود جرمنی سے آکر امریکہ اور برطانیہ میں آباد ہو گئے اور یہاں کی سیاست پر حاوی ہو گئے۔ تو اس ہمدردی کو بٹورنے کے لئے انہوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ جس طرح نسل مظلوم ہو سکتی ہیں ویسے ہی عورتیں بھی مظلوم ہیں۔ تو انہوں نے نسل کے اوپر ہونے والے ظلم کو اپنے اوپر ہونے والے ظلم کے ساتھ قیاس کیا۔ اور یہ قیاس یعنی نسل پرستی کے ساتھ قیاس کرنا ایک فیشن بن گیا۔ یعنی جس طرح نسل پرستی ایک بری چیز ہے ایسے ہی عورتوں کے اوپر ظلم کرنا بھی اتنا ہی برا ہے۔ یہ ان خواتین کا مقصد تھا۔ دونوں لہروں میں فرق کیا ہوا؟ پہلی لہر میں نسل پرستی، اور دوسری لہر میں نسل پرستی سے چھٹکارہ۔

دوسری فکر: اس کے بعد ان لوگوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ عورت پر جو ظلم ہوتا ہے اس کے کچھ تو مظاہر بہت واضح اور جلی ہیں اور کچھ مظاہر پوشیدہ اور خفی ہیں۔ یعنی بعض مرتبہ عورت کے اوپر ہونے والا ظلم بہت واضح انداز میں نظر آجاتا ہے۔ اور بعض مرتبہ نہایت پوشیدگی کے ساتھ ظلم ہوتا ہے، لیکن ظلم ہوتا ہے۔ اور اس کی مثال انہوں نے زبان کو سامنے رکھ کر دی۔ یعنی زبانوں کا استعمال مرد کو سامنے رکھ کر، پدر شاہی کو سامنے رکھ کر ہوا ہے، عورت کو سامنے رکھ کر نہیں ہوا۔ لہذا انہوں نے انگریزی میں یہ تحریک چلائی کہ انسانیت کے لئے مین کائنڈ (Mankind) کا جو لفظ استعمال ہوتا ہے اس کو ختم کیا جانا چاہئے۔ مین کائنڈ کا کیا مطلب؟ وومن کائنڈ (Womankind) کیوں نہیں؟ مین کائنڈ میں مین (Man) آرہا ہے۔ تو یہ لفظ نہیں استعمال ہونا چاہئے۔ آپ مین اینڈ ومن (Man and Women) کہئے۔ یہ جو لیڈیز اینڈ جینٹل مین (Ladies and Gentlemen) چلا ہے یعنی لیڈیز پہلے اور جینٹل مین بعد میں، یہ دراصل اسی زبان کے اندر کی گئی تبدیلیوں کا ایک مظہر ہے۔ تو اس طریقہ سے ان لوگوں نے زبانوں کے اندر تبدیلی کے لئے بھی تحریکیں چلائی۔

شاید میں نے کچھ عرصہ پہلے ذکر کیا تھا کہ کیلیفورنیا میں ایک نیوز پیپر ہے، اس میں ایک مضمون لکھا گیا، میں اس کا حوالہ ڈھونڈھنے کی کوشش کروں گا انشاءاللہ۔ اس میں ایک عرب ملحد نے ایک مظمون میں لکھا کہ عربی زبان بہت زیادہ نسل پرست زبان ہے۔ یہ عورتوں کے خلاف (Anti-feminist) زبان ہے۔ نہ صرف عورتوں کے خلاف ہے بلکہ ٹرانسجینڈر اور ایل جی بی ٹی کے بھی خلاف ہے۔ ایل جی بی ٹی کے خلاف اس طریقے سے ہے کہ ایل جی بی ٹی کے لیے عربی میں کوئی ضمیر (Pronoun) ہے ہی نہیں۔ اور عورتوں کے خلاف اس طریقے سے کہ جب ہم کوئی فعل ذکر کرتے ہیں جیسے؛ ضَرَبَ، یَضرِبُ؛ جن کے معنی آتے ہیں مارنا، تو یہ دونوں مذکر کے صیغے ہیں۔ ہم ضَرَبَتْ، تَضرِبُ کیوں نہیں کہتے؟ ضَرَبَ، یَضرِبُ ہی کیوں کہتے ہیں؟ لہذا زبان کو ری فارم (Reform) کرنا چاہئے۔ تو عربی زبان کے اندر بھی تبدیلیاں ہونا ضروری ہیں اور جو عربی زبان کے لئے کمیٹیاں عالَم عرب میں بنی ہوئی ہیں یہ ان کی ذمہ داری ہے۔ یہ اس مضمون کا خلاصہ تھا۔ تو بہر حال زبانوں کو نشانہ بنایا گیا کہ اس میں اصلاح ہونا ضروری ہے۔

تیسری فکر: تیسری اہم چیز یہ ہے جو آج تک چل رہی ہے کہ جو Gender Roles ہیں یعنی صنفی بنیادوں پر جو الگ الگ کردار ہیں؛ مرد کا کردار معاشرے میں الگ ہے اور عورت کا کردار الگ ہے، یہ Matter of Socialization ہے یعنی یہ ایک معاشرتی پابندی ہے۔ لہذا اگر ایک سوسائٹی نے جینڈر رول طے کیے ہیں تو وہی سوسائٹی اس جینڈر رول کو ختم بھی کر سکتی ہے۔ یعنی ایک مرد کے بارے میں یہ تصور کیا جاتا ہے کہ وہ باہر جا کر کام کرے گا، محنت کرے گا، روزی روٹی کمائے گا، اپنے گھر والوں کو

پالے گا، یہ ایک سوسائٹی نے معاشرے نے اس کا کردار طے کر دیا۔ اسی طرح معاشرے نے عورت کا کردار طے کر دیا کہ وہ گھر چلائے گی، بچوں کو پالے گی، بچوں کی تعلیم اور تربیت کے اوپر وقت دے گی۔ اس کو جینڈر رول بولتے ہیں۔ یہ جینڈر رول کس نے طے کیے ہیں؟ یہ سوشلائزیشن کا نتیجہ ہے یعنی Social Construct ہے، سوسائٹی نے بنایا ہے۔ یہ کوئی خدائی (Divine) یا بیالوجیکل (Biological) نہیں ہے۔ اس کے پیچھے کوئی سائنس نہیں ہے۔ بس سوسائٹی نے ایک زمانہ میں یہ سوچا اور طے کر دیا۔ تو اگر ایک سوسائٹی کسی زمانے میں الگ الگ صنفوں کے کردار طے کر سکتی ہے تو وہ اس کردار کو ختم بھی کر سکتی ہے۔ لہذا ہم آج یہ کہہ سکتے ہیں کہ مرد کا وہ کرادر نہیں ہے جو پہلے تھا، اب اس کا رول بدل جانا چاہئے اور عورت کا بھی وہ رول نہیں ہے جو پہلے تھا، اب بدل جانا چاہئے۔ اگر عورت باہر جا کر کام کر رہی ہے تو مرد گھر میں کام کرے۔ یہ جو جینڈر رولز کی تبدیلی ہے یہ ناگزیر ہے، یہ دراصل دوسری لہر نے مطالبہ کیا۔

پہلی لہر میں جینڈر رول کی کوئی بات نہیں تھی۔ پہلی لہر میں سوشل کنسٹرکٹ (Social Construct) کی کوئی بات نہیں تھی۔ پہلی لہر میں صرف یہ تھا کہ ہمارے پاس یہ یہ حقوق نہیں ہیں ہمیں یہ حقوق دیدیں۔ اب دوسری لہر میں بات آگے بڑھ رہی ہے کہ مساوات کے لئے یہ ضروری ہے کہ جینڈر رولز کو ختم کر دیا جائے۔

<u>چوتھی فکر:</u> اس کے بعد یہ پروپگینڈا کیا گیا کہ عورت کو معاشرے میں جو کردار دیئے گئے ہیں کہ وہ گھر بار کو دیکھے گی، بچوں کی تربیت کرے گی، یہ سارے Submissive رولز ہیں یعنی ان سے یہ بات جھلکتی ہے کہ عورت کو تابعدار بنادیا گیا ہے تاکہ مرد اپنی جنسی خواہشات کی تسکین کر سکے۔ تو گویا کہ عورت کو کھلونا بنادیا گیا، عورت کو مال بنادیا گیا۔ انسانی معاشرے نے عورت کو یہ حیثیت دی۔ اب ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس کی یہ حیثیت ختم ہو۔ لہذا ان لوگوں نے اس حیثیت کو ختم کرنے کے لئے نہ صرف یہ کہ تحریکیں چلائیں بلکہ نکاح جیسے ادارے کو بھی نشانہ بنایا۔ چنانچہ ایک خاتون ہیں Betty Friedan بیٹی فریڈن، اس کا نام اوپر دوسری لہر کے آغاز میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس نے ایک کتاب لکھی ہے دافیمنین مسٹیک (The Feminine Mystique)، اس کتاب کی تیس لاکھ کاپیاں بہت کم عرصہ میں امریکہ میں فروخت ہوئی ہیں اور اس نے یہ کتاب گھریلو خواتین کو ذہن میں رکھ کر لکھی ہے۔ اس کتاب میں اس نے یہ نظریہ پیش کیا ہے: Traditional instititions like marriage are inherentiy oppressive to women. یعنی روایتی ادارے یا نظام جیسے نکاح، یہ موروثی اعتبار سے عورتوں کے اوپر ظلم کرنے والے ہیں۔ یعنی ایک عورت نکاح کرے گی تو مظلوم بن جائے گی۔ لہذا یہ ضروری ہے کہ ایک عورت نکاح نہ کرے۔ جب وہ نکاح نہیں

کرے گی تو مرد کی تابع نہیں ہو گی، جب مرد کے تابع نہیں ہو گی تو اسے معاشرے کا طے کردہ کردار نبھانا نہیں پڑے گا بلکہ اپنی مرضی کا جو بھی کردار اس کو نبھانا ہے وہ نبھائے۔ تو پہلی لہر میں نکاح کے تعلق سے کوئی بات نہیں تھی لیکن دوسری لہر میں اس پر بات ہوئی اور اس کو برا سمجھا جانے لگا۔۔ یہ وہ زمانہ ہے جب امریکہ میں جنسی انقلاب ہو رہا تھا۔

<u>پانچویں فکر</u>:اس کے بعد یہ نظریہ دیا گیا:**.Gender separation is tantamount to apartheid** یعنی اسکولوں اور کالجز میں جو جنسی تفریق ہے، یعنی لڑکیاں ایک طرف بیٹھیں گی، لڑکے دوسری طرف یہ اپارتھائڈ(**Apartheid**) کے مساوی ہیں۔ اپارتھائڈ در اصل ساؤتھ افریقہ کی ایک اصطلاح ہے۔ اگر آپ ساؤتھ افریقہ کی آزادی کی تاریخ پڑھیں گے تو آپ کو یہ اصطلاح بہت زیادہ ملے گی۔ کیوں کہ سفید فام نسل کے لوگوں نے کالوں کے لئے الگ قانون بنایا تھا اور اپنے لئے الگ قانون بنایا تھا۔ تو یہ جو نسل کی بنیاد پر علحیدگی پسندی کا رویہ ہے اس کو اپارتھائڈ کہا جاتا ہے۔ تو یہ جو اسکولوں کالجوں میں جنسی تفریق ہے کہ لڑکوں کے اسکول الگ لڑکیوں کے الگ یا لڑکیاں الگ بیٹھی ہیں لڑکے الگ بیٹھے ہیں، یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے ساؤتھ افریقہ کا اپارتھائڈ کہ ایک نسل کے اوپر ظلم ہو رہا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ کس طریقے سے فیمینزم کو**Racism** کے مساوی کر دیا گیا۔ **Push to coeducation** یعنی دوسری لہر میں مخلوط تعلیم یعنی لڑکا لڑکی دونوں برابر سرابر بیٹھیں، اس تعلیم کی طرف نظام کو دھکیلا گیا۔

آپ کو یہ جان کر حیرت ہو گی کہ جینڈر سیپریشن کی جو تحریک فیمینزم دوسری لہر میں 1980 سے پہلے چلا رہا تھا، آج وہ ہمارے حلقوں میں چل رہی ہے۔ آج فیمینزم کی دوسری لہر ہمارے حلقوں میں چل رہی ہے۔ ہمارے وہ حلقے جن کو ہم روایت پسند کہتے ہیں، وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم مدرسہ سے پڑھ کر نکلے ہیں اور مدرسہ چلا رہے ہیں، ان کی تصویریں دیکھ کر آپ کو حیرت ہو گی کہ سامنے مرد اور عورت ساتھ ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں اور استاد صاحب سے پڑھ رہے ہیں۔ آپ کو میں ایک تصویر دکھا بھی سکتا ہوں، فیسبک پر وہ چند سال پہلے شیئر ہوا، تلاش کروں گا اگر مل گیا تو دکھا دوں گا۔ امریکہ میں بھی ایک مدرسہ ہے جہاں جلالین کا تکرار کرانے والی ایک لڑکی ہے، ساتھ میں دو تین لڑکیاں بیٹھی ہوئی ہیں ایک حلقہ بنا ہوا ہے اور اس میں لڑکے بھی شامل ہیں۔ اس مدرسے کے لڑکے لڑکیاں تکرار کر رہے ہیں اور ماشاء اللہ لڑکی تکرار کرا رہی ہے۔ اور اس کی تصویر انہوں نے فیس بک پر ڈالی کہ دیکھو ہمارے یہاں کس قدر مساوات ہے۔ مدرسے کے اندر ہم یہ مساوات لے کر آ گئے، مدرسے میں ہم نے **coeducation** کر دی۔ تو یہ چیز تو دوسری لہر کے اندر 1980 میں فیمینزم نے شروع کیا تھا جو آج ہمارے مدرسوں کے اندر آ گئی ہے۔

آپ دیکھیں گے کہ کچھ علماء ایسے ہیں جو تقریر کریں گے تو کہیں گے سامنے عورتیں کیوں نہیں ہیں؟ عورتوں کو بھی بیٹھاؤ۔ مسجد کے اند عورت مرد مخلوط ہوں گے۔ میں مصر میں پہلی مرتبہ گیا 2005 میں، جب میں جامعہ اظہر کی مسجد میں گیا تو عصر کے بعد وہاں کسی پروفیسر کا تفسیر کا درس ہو رہا تھا، تھوڑی دیر ہم اس میں بیٹھے۔ لیکن میرے لئے یہ چیز بہت ہی زیادہ باعث حیرت تھی کہ مسجد میں استاد صاحب بیٹھے ہیں اور سامنے مرد اور عورتیں بیٹھی ہیں اور بیچ میں کوئی آڑ نہیں ہے۔ لیکن جب نماز پڑھنے کا وقت آتا ہے تو نماز پڑھنے کے لیے وہ عورتوں کے مخصوص حصہ میں چلی جاتی ہیں۔ درس سننے کے لئے مردوں کے حصہ میں آتی ہیں اور سامنے بیٹھتی ہیں۔ تو یہ مخلوط تعلیم کی بات کو 1980 سے پہلے فیمینزم کی دوسری لہر میں اس کو پیش کیا جا رہا تھا جس کو آج ہمارے بہت سارے ادارے اور علماء بدقسمتی سے قبول کر چکے ہیں۔

چھٹی فکر:

The West has a responsibility to liberate women around the globe stuck under the yoke of patriarchy.

یہ وہی ذہنیت ہے جو پہلے سے گوروں کے اند چلی آ رہی تھی کہ: مغرب کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ساری دنیا کی عورتوں کو پیٹریارکی (Patriarchy) کے چنگل سے آزادی دلائے۔

بھئی ابھی آپ نے آزادی دلائی تھی اور اس آزادی کے چکر میں آپ نے پوری دنیا کو غلام بنالیا تھا۔ مزید کتنی آزادی آپ دلانا چاہتے ہیں؟ دوسری لہر میں دوبارہ عورتوں کی آزادی کی بات کی گئی اور کہا گیا کہ یہ مغرب کی ذمہ داری ہے۔ تو مغرب آج تک اپنی اس ذمہ داری کو بھولا نہیں ہے۔ اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے کبھی وہ عراق کے اوپر حملہ کرتا ہے، اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے افغانستان کے اوپر حملہ ہوتا ہے۔ اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے بہت سے ممالک کے اوپر پابندی لگائی جاتی ہے۔ ایران کے اوپر پابندی لگائی جاتی ہے، افغانستان کے پیسے مار لئے جاتے ہیں۔ یہ وہی تو ذمہ داری ہے جس کے سہارے مغرب آج تک جی رہا ہے، کہ عورتوں کی تعلیم کے اوپر آپ نے پابندی کیسے لگا دی؟ ہم آپ کے سارے پیسے روک رہے ہیں۔ ہم آپ کو رگگنائز (Recognize) نہیں کریں گے۔ یہ فیمینزم کی دوسری لہر کے بنیادی مقاصد میں سے ہے۔

یہ وہ دور ہے جب پوری دنیا بڑے عجیب انداز سے بدلی ہے، خصوصا یورپ۔ اس دور میں 1963 میں امریکہ میں ایکول پے ایکٹ (Equal pay Act) آیا۔ اس قانون کے ذریعہ یہ بتایا گیا کہ اب عورت اور مرد کی تنخواہ برابر ہو گی۔ لیکن حیرت بات ہے

کہ عورت اور مرد کی تنخواہ آج تک برابر نہیں ہو پائی اگرچہ قانون ہے۔ہاں !اگر حکومت کو یا عدالت کو پتا چل جائے کہ اس کمپنی نے عورت کی تنخواہ اس لئے کم کی ہے کہ وہ عورت ہے تو پھر ظاہر ہے کہ اس پر کیس ہو جاتا ہے کیوں کہ قانون کی خلاف ورزی ہے۔ لیکن بہر حال یہ قانون 1963 میں بنا۔یہ وہ دور ہے جب رائٹ ٹو یوز برتھ کنٹرول(**Right to use Birth Control**)یعنی اس دور میں مانع حمل چیزوں کے استعمال کرنے کا حق خواتین کو ملا،کیوں کہ جنسی انقلاب امریکہ میں 1960 میں آچکا تھا۔اور یہی دور ہے دوسری لہر کا۔

ایک اور قانون بنا ٹائٹل نائن۔ (**Title IX**)کا قانون 1972 میں بنا ہے۔اس قانون کی بنیاد پر کسی کو بھی صرف مرد یا عورت ہونے کی وجہ سے کسی تعلیمی اداروں میں امتیازی سلوک کا سامنہ نہیں کرنا پڑے گا۔ایسا نہیں ہو گا کہ کوئی عورت ہارورڈ جانا چاہ رہی ہے تو صرف عورت ہونے کی وجہ سے اس کو روک دیا جائے،اور مرد کو مرد ہونے کی حیثیت سے لے لیا جائے۔

ایک عجیب واقعہ ڈینئیل حقیقت جو نے مجھے سنایا۔شاید انہوں نے اپنی کسی ویڈیو میں اس کا ذکر بھی کیا ہے اور مجھے ذاتی طور پر بھی سنایا۔وہ ہارورڈ سے پڑھے ہوئے ہیں۔وہاں پر یہ تحریک چلی کہ ہارورڈ کے پروفیسرز کے اسٹاف میں مردوں کی تعداد تقریبا 70/80 فیصد ہے،اور عورتوں کی تعداد ظاہر ہے کہ اس مقابلہ میں بہت کم ہے۔تو یہ کیا بات ہے کہ دنیا کے ایک ٹاپ تعلیمی ادارے میں ہی فیمینزم نہ ہو،وہاں پر ہی عورتوں اور مردوں کے درمیان مساوات نہ ہو۔تو ان کے زمانے میں جو ہارورڈ یونیورسٹی کا پریزیڈنٹ تھا اس نے ایک بیان دیا کہ بیالوجیکلی اور سائیکالوجیکلی ایسا ہوتا ہے کہ بہت سے مضامین صرف مردوں کے لئے زیادہ (**suitable**)مناسب ہوتے ہیں خواتین کے لئے زیادہ **suitable** نہیں ہوتے،یعنی خواتین اس میں وہ مہارت حاصل نہیں کر پاتیں،مرد جلدی اس میں مہارت حاصل کر لیتے ہیں۔ظاہر ہے کہ جس نے جلدی مہارت حاصل کر لی اس کو موقع ملے گا۔اور یہ کسی خاص خاتون کی بات نہیں ہو رہی،عمومی بات ہو رہی ہے۔تو کچھ مضامین ہیں جیسے میتھ کا ڈپارٹمنٹ ہے یا فزکس کا ڈپارٹمنٹ ہے، خاص طور پر فزکس میں مردوں کی تعداد اسی لئے زیادہ ہے کہ عام طور سے فزکس میں مہارت مرد حاصل کرتے ہیں،عورتیں نہیں کر پاتیں۔ اور اس کے پیچھے بیالوجیکل اور سائیکالوجیکل بہت سی وجوہات ہیں۔ اس نے یہ بات کہنی تھی اور قیامت آگئی۔ پورے امریکی میڈیا نے آسمان سر پر اٹھالیا،فیمینسٹ نے اتنا شور مچایا کہ اس کو اپنی صدارت سے استعفیٰ دینا پڑا۔پھر مزید جگہیں نکالی گئیں اور عورتوں کو ہارورڈ یونیورسٹی میں فزکس کے ڈپارٹمنٹ میں لایا گیا تاکہ یہ کہا جاسکے کہ اب مردوں اور عورتوں کا تناسب تقریبا برابر سرابر ہے۔ظاہر ہے جو پہلے سے مرد کام کر رہے تھے ان کو تو نہیں نکالا جا سکتا تھا۔اب یہ جو عورتیں آئی ہیں وہ کس بنیاد

پر آئیں؟ اپنے استحقاق کی بنیاد پر آئیں یا فیمینزم کی تحریک کی بنیاد پر؟ تو یہ بڑے بڑے اداروں کو اسی طریقہ سے ٹارگیٹ کرتے ہیں۔ یہ ٹائٹل نائن کا نتیجہ تھا۔

1973 میں Roe v/s Wade امریکہ اور دنیا کی تاریخ کا ایک اہم ترین مقدمہ ہے۔ یہ آپ حضرات کے لیے بھی جاننا بہت ضروری ہے۔ وہ اس لیے کہ دراصل 1973 میں امریکہ کی سپریم کورٹ نے یہ فیصلہ دیا تھا کہ اسقاط حمل ایک عورت کا بنیادی حق ہے۔ اور کوئی بھی صوبائی حکومت کسی بھی عورت کو اسقاط حمل کرانے سے روک نہیں سکتی۔ اس فیصلہ کو کہا جاتا ہے۔۔۔۔۔۔

Roe v/s Wade {1973} ۔ یہ فیصلہ آنا تھا کہ اسقاط حمل کے کلینک جو کہیں کہیں کھلے ہوئے تھے اب جگہ جگہ کھل گئے۔ اور باقاعدہ حکومت نے ان کی فنڈنگ شروع کر دی۔ اور صرف امریکہ میں ہی نہیں پوری دنیا میں، یورپ میں، ایشیا کے کئی ممالک میں، تھائی لینڈ میں، ملیشیا میں، مسلم ممالک میں بھی ایسا ہوا اور برتھ کنٹرول کو، اسقاط حمل کو عام کر دیا گیا۔ پھر امریکہ کی تاریخ میں پچاس سال کے بعد ایک اور موڑ آیا۔ وہ موڑ آیا ہے ابھی چند مہینے پہلے اور Roe v/s Wade کا جو فیصلہ سپریم کورٹ نے دیا تھا، آج سے چند مہینے پہلے اس فیصلہ کو پلٹ دیا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ امریکہ کا سابق صدر ڈونالڈ ٹرمپ چونکہ کنزرویٹیو ہے اور جتنے بھی امریکہ میں کنزرویٹیو سیاست دان ہیں وہ اسقاط حمل کے خلاف ہیں۔ یہ سب عیسائیت کے عقیدے کے اوپر عمل کرتے ہیں۔ امریکہ میں سپریم کورٹ کے ججز کی تاعمر تقرری ہوتی ہے۔ ٹرمپ کے صدر بننے سے پہلے ججز کے پینل میں لبرل ججز کی تعداد زیادہ تھی اور کنزرویٹو کی تعداد کم تھی۔ ڈونلڈ ٹرمپ کی صدارت میں ایک جج مر گیا تو اس نے اپنی عہدے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کنزرویٹیو جج کو منتخب کیا۔ تو اس کے دورسے ایسا ہوا کہ کنزرویٹو ججز کی تعداد زیادہ ہوگئی اور لبرل ججز کی تعداد کم ہوگئی۔ یعنی پانچ جج اگر کنزرویٹیو ہیں تو چار لبرل ہیں۔ لبلرل لوگوں نے اس کی بہت مخالفت کی، بہت لے دے ہوئی، میڈیا کے اوپر وہ ساری چیزیں موجود ہیں۔ پھر ہوا یہ کہ چند مہینے پہلے سپریم کورٹ کے ججز کے اس بینچ نے جس میں اکثریت کنزرویٹیوز کی تھی، انہوں نے اپنے ہی 1973 کے فیصلے کو پلٹ دیا۔ اور یہ کہا کہ صوبائی حکومتیں اسقاط حمل کے خلاف قانون بنا سکتی ہیں۔ امریکہ میں تقسیم اس طریقے سے ہے کہ کچھ صوبوں کو ریڈ اسٹیٹ کہا جاتا ہے اور کچھ کو بلو اسٹیٹ کہا جاتا ہے۔ نیلا رنگ لبرلز کا ہے اور لال رنگ کنزرویٹیوز کا۔ کنزرویٹیو کا مطلب ہے روایت پسند۔

میں جملہ معترضہ کے طور پر آپ کو ایک اور چیز بتانا چاہتا ہوں۔ دو اصطلاحات یاد رکھیے گا جو کہ بہت ماڈرن اصطلاحات ہیں۔ اگر آپ سوشل میڈیا پر ہیں اور دنیا کے ساتھ اس conversation (بات چیت) میں حصہ لینا چاہتے ہیں جو اس وقت دنیا میں

چل رہی ہے تو یہ اصطلاحات آپ کے لئے جاننا ضروری ہے۔ ایک اصطلاح ہے ریڈ پِل (Red pill) اور دوسری اصطلاح ہے بلو پِل (Blue pill)۔ Red pill یعنی لال گولی اور Blue pill یعنی نیلی گولی۔ Red pill وہ گولی ہے جو لبرلزم اور فیمینزم کے خلاف ہے اور Blue pill وہ گولی ہے جو روایت پسندی کے خلاف ہے اور لبرلزم اور فیمینزم کے حق میں ہے۔ اِس وقت سوشل میڈیا پر نوجوان نسل میں ریڈ پل بمقابلہ بلو پل چل رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لال رنگ کنزرویٹیوز کا ہے اور نیلا رنگ لبرلز کا ہے۔

تو امریکہ میں جتنے صوبوں میں لال رنگ کی حکومت ہے یعنی جہاں کنزرویٹیوز کی حکومت ہے، پچاس صوبوں میں سے تقریباً آدھے صوبوں میں کنزرویٹو کی حکومت ہے۔ ان تمام حکومتوں نے اسقاط حمل کے خلاف دھڑا دھڑ قانون بنانے شروع کر دیئے۔ یہ امریکہ کے لئے تاریخی لمحہ ہے کہ پچاس سال کے بعد اسقاط حمل کے خلاف قانون بنایا گیا ہے۔ یہ سب کچھ دوسری لہر میں ہوتا رہا۔

پہلی اور دوسری لہر میں فرق

- پہلی اور دوسری لہر کا بنیادی فرق یہ ہے کہ پہلی لہر کی خواتین نسل پرست تھیں اور دوسری لہر کی خواتین نسل پرست نہیں تھیں۔ یا کم سے کم اس کا اظہار کر رہی تھیں کہ ہم نسل پرست نہیں ہیں۔
- پہلی لہر کی خواتین عورتوں کی تعلیم کے حق کا مطالبہ کر رہی تھیں اور دوسری لہر کی خواتین عورتوں کی مخلوط تعلیم کے حق کا مطالبہ کر رہی تھیں۔ اس ارتقاء کو دیکھیں کہ کس طرح سے پہلی لہر سے دوسری لہر میں بات گئی۔
- پہلی لہر کی خواتین نے جنسی تفریق کے سوشل کنسٹرکٹ ہونے پر کوئی بات نہیں کی۔ یعنی ان کے نزدیک یہ بات مسلم تھی کہ مرد و عورت کے درمیان بیالوجیکل فرق ہے۔ لیکن دوسری لہر کی خواتین نے کہا کہ یہ جینڈر رولز محض سوشلائزیشن کا نتیجہ ہے۔ اس کا سائنس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ کردار معاشرے نے بنائے ہیں اور معاشرہ ہی اس کو منہدم کرے گا۔ پہلی اور دوسری لہر کے درمیان یہ بنیادی فرق ہیں۔

آگے تیسری لہر کا بیان ہے جو آئندہ درس میں بیان ہو گا، ان شاء اللہ

The Incoherence of Atheists

تہافت الملاحدة

نواں موضوع:

فیمنزم (Feminism)

درس نمبر: 03

تاریخ: 28 جنوری 2023

فاضل محاضر: ڈاکٹر مفتی یاسر ندیم الواجدی صاحب

ضبط و ترتیب: راشد امین القاسمی

تصحیح و نظرثانی: محمد احمد نوروالا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الۡاَنۡبِیَاءِ وَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ وَعَلٰی آلِہٖ وَ صَحۡبِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ۔ اَمَّا بَعۡدُ!

3rd Wave

فیمنزم کی تیسری لہر

گزشتہ کلاس میں فیمنزم کی چار لہروں میں سے دو کے بارے میں تفصیلی طور پر بات ہو چکی ہے۔ آفیشلی تو چار لہریں ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی پانچ لہریں ہیں، ایک زیرو لہر بھی ہے جس کے بارے میں ہم گفتگو کر چکے ہیں۔ اب ہم تیسری لہر کی تفصیلات جانتے ہیں۔ تیسری لہر 1980-2000 تک رہی ہے۔ یہ 20 سال کی مدت ہے جس میں تیسری لہر رہی ہے۔ کچھ لوگوں کے نزدیک چوتھی لہر ابھی شروع نہیں ہوئی بلکہ ہم ابھی بھی تیسری لہر میں ہی جی رہے ہیں۔ لیکن فیمنسٹ کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ فیمنزم کی تیسری لہر ختم ہو چکی ہے اور اب یہ موجودہ دور (2000 کے بعد سے اب تک) چوتھی لہر کا ہے۔ ہاں اس بات میں ضرور اختلاف ہو سکتا ہے کہ کسی کے نزدیک چوتھی لہر کا آغاز سن 2000 سے ہوا ہے، کسی کے نزدیک سن 2008 سے ہے تو کسی کے نزدیک سن 2012 سے ہوا ہے۔ ہم نے یہاں پر 2000 کو ہی لیا ہے کہ چونکہ اس میں بہت سارے واقعات آجاتے ہیں۔

تیسری لہر کی اہم شخصیات:

بہر حال تیسری لہر 1980-2000 تک تقریباً 20 سال رہی ہے اور اس کی اہم شخصیات جنہوں نے فیمنزم کی تیسری لہر کی قیادت کی، ان کے نام یہاں پر ذکر کئے جاتے ہیں۔ ان میں سے کچھ مر چکے ہیں اور کچھ زندہ ہیں:

- Judith Butler۔ یہ خاتون ابھی زندہ ہے۔
- Bell Hooks۔ یہ 2021 میں مر چکی ہے۔
- Rebecca Walker۔ یہ ابھی زندہ ہے۔
- Elizabeth Wurtzel۔ یہ 2020 میں مر چکی ہے۔
- Andrea Dworkin۔ یہ 2005 میں مر چکی ہے۔

- Kimberlé Crenshaw۔ یہ ابھی زندہ ہے۔

یہ وہ خواتین ہیں جنہوں نے فیمنزم کی تیسری لہر کی قیادت کی ہے۔

تیسری لہر کے بنیادی افکار:

اس لہر میں کیا ہوا، اس کے کیا امتیازات ہیں اور اصل افکار کیا ہیں، ابھی اس کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے، تفصیلات اگلے صفحات میں آرہی ہیں۔

Main Ideas: White feminism is obsolete, Feminism has to be intersectional, Only women can speak about women's issues, Privilege, trauma, triggering, Sex positivity: reclaiming shame terms: slut, whore, tramp: The Vagina Monologues, LGBT cause is a feminist cause, militant abortionism, abolishing biological sex**.**

پہلی فکر:

تیسری لہر میں جو پہلا خیال جاگا اور جسے فیمنزم کے عقیدے کا جزء بنایا گیا وہ یہ تھا White feminism is obsolete۔ پہلی اور دوسری لہر میں فیمنزم کا مطلب تھا "سفید فام عورتوں کے حقوق کی بات کرنا"۔ اس کے لیے انگریزی کا لفظ استعمال کیا گیا "وائٹ فیمنزم (White feminism)"، چونکہ یہ نظریہ صرف سفید فام عورتوں کی حقوق کی کرتا تھا اور اس نظریہ کے تحت باقاعدہ نسل پرستی کو بڑھاوا دیا جاتا تھا، اس لیے یہ نام رکھا گیا۔ لیکن 1980 کی دہائی تک آتے آتے فیمنسٹ خواتین کا یہ ماننا تھا کہ اگر ہم صرف سفید فام عورتوں کے حقوق کی بات کریں گے تو ہم اس نظریہ کے ساتھ ناانصافی کریں گے اور یہ نظریہ خود اوندھے منہ گر پڑے گا۔ اگر ہمیں اس نظریہ کو مقبول بنانا ہے تو پھر نسل پرستی کو اس نظریہ سے نکالنا ہوگا۔ اس کے لیے ایک قدم آگے بڑھ کر ماضی میں جن فیمنسٹ خواتین نے نسل پرستی کو بڑھاوا دیا–جن کے اقتباسات گزشتہ درس میں ذکر کیے گئے–اس تیسری لہر کی خواتین نے گزشتہ خواتین پر تنقید بھی کرنا شروع کی۔ اور ان کو خود سے **de-associate** کردیا یعنی لاتعلقی ظاہر کی۔ 1980 میں آکر انہوں نے سابقہ خیالات کے بارے میں یہ کہہ دیا کہ ان کے خیالات ان کے ساتھ ہیں، ہم ان کے خیالات کے قائل نہیں ہیں۔ تو یہ عقیدہ بنادیا گیا کہ White feminism is obsolete **یعنی سفید فام نسائیت متروک ہے۔**

دوسری فکر:

<u>"فیمنزم انٹر سیکشنل ہونی چاہئے"</u> یعنی جس طرح سے ایک سفید فام عورت مظلوم ہو سکتی ہے، ایک سیاہ فام عورت بھی مظلوم ہو سکتی ہے۔ جس طرح یورپ و امریکہ میں رہنے والی ایک خاتون پر مردوں کی طرف سے ظلم کیا جا سکتا ہے، ایسے ہی ایشاء، افریقہ اور عرب ممالک میں رہنے والی خواتین کے اوپر بھی ظلم ہو سکتا ہے۔ بلکہ صرف عورت ہی پر ظلم نہیں بلکہ اقلیتوں کے اوپر بھی ظلم ہو سکتا ہے۔ لہذا فیمنزم نے اقلیتوں کے حقوق کے دفاع کو اپنی لڑائی بنایا۔ پھر ایک قدم اور آگے بڑھ کر انہوں نے یہ بھی کہا کہ جو ایل جی بی ٹی پر ظلم ہو رہا ہے کہ معاشرے میں ان کو وہ مقام نہیں مل رہا ہے جو ایک عام انسان کو ملتا ہے، یہ ان کے اوپر ظلم ہے، لہذا ان کے حقوق کی لڑائی بھی ہماری لڑائی ہے۔ تو انٹر سیکشنل کو انھوں نے اتنا زیادہ پھیلا دیا۔

ابھی چند سالوں پہلے کا واقعہ ہے جب ڈونالڈ ٹرمپ امیریکہ کا صدر بنا اور اس نے ایک صدارتی حکم نامہ پر دستخط کیا تھا جس کی رُو سے کچھ مسلم ممالک سے آنے والے افراد کا داخلہ ایک دم بند کر دیا گیا تھا۔ اس پوری لسٹ میں مسلم ممالک ہی تھے اور اس حکم نامہ کو "مسلم بین" کہا گیا۔ یعنی مسلمانوں پر پابندی لگ رہی ہے امریکہ میں۔ اُس زمانہ میں بھارت کے بھگت بھی بہت خوش ہوئے تھے۔ تو اُس زمانے میں بہت ساری ایسی تصویریں سوشل میڈیا پر وائرل ہوئی تھیں جس میں یہ دیکھا جا سکتا تھا کہ گوروں کی ایک بہت بڑی تعداد ایئرپورٹ پر جمع ہوتی تھی اور وہ مسلمانوں کے حق میں نعرے لگاتے تھے، پورے پورے دن وہاں رہتے تھے اور یہ لوگ مسلمانوں کے حقوق کی بات کرتے تھے۔ یہ دیکھ کر لوگوں کے دل بڑے پسیجے کہ یہ تو بڑی عظیم قوم ہے کہ جو دوسرے مذہب کے ماننے والوں کے حقوق میں اپنے صدر کے خلاف کھڑی ہو رہی ہے۔ یہاں یہ بات نہیں ہو رہی ہے ان کا یہ عمل درست تھا یا نہیں تھا، بلکہ بات یہ ہو رہی ہے کہ اس کے پیچھے نظریہ کیا تھا۔ آخر وہ کیا چیز تھی جو انہیں ایئرپورٹ تک لے کر آئی اور وہ ٹرمپ کے خلاف نعرہ بازی کرنے لگے؟ ٹرمپ سے پہلے جو بائڈن اور اوباما وغیرہ انہی مسلم ممالک کے اوپر بم برسا رہے تھے، اس وقت تو کوئی گورا مسلمانوں کے حق کے لئے گھر سے باہر نہیں نکلا تھا، کوئی ایئرپورٹ پر جمع نہیں ہوا، تب تو انہوں نے وائٹ ہاؤس کو نہیں گھیرا تھا، تب تو یہ سپریم کورٹ کے باہر احتجاج نہیں کرتے تھے، کانگریس کے باہر احتجاج نہیں کرتے تھے، تو آخر کیا وجہ تھی کہ اس موقع پر یہ احتجاج کر رہے ہیں؟ کیا مسلمانوں کی محبت اچانک جاگ گئی؟ ایسا نہیں! اصل وجہ یہ ہے کہ مسلمان امریکہ میں اقلیت کی حیثیت سے رہتے ہیں اور اقلیتوں کے حقوق کا دفاع فیمنزم کے بنیادی ایجنڈوں میں سے ایک ایجنڈا ہے۔ فیمنسٹ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم اقلیتوں کے حقوق کا دفاع نہیں کریں گے چاہے وہ ایل جی بی ٹی ہوں یا مذہبی اقلیت ہوں، تو پھر ہمارے حقوق کا دفاع کوئی نہیں

کرے گا۔ لہذا ہمیں ان کے ساتھ اتحاد کرنا چاہئے تا کہ کل وہ ہمارے حقوق کے لئے کھڑے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ امریکہ میں اور ان مغربی ممالک میں بہت سے مسلم اسکالرز کو دیکھیں گے کہ وہ ایل جی بی ٹی کے حق میں بول رہے ہیں۔ اور وہ کھلم کھلا یہ بولتے ہیں کہ ان ممالک میں مسلمانوں کے حقوق اسی صورت میں محفوظ رہ سکتے ہیں جب دوسری اقلیتوں کے حقوق محفوظ رہیں جیسے فیمنسٹ اور ایل جی بی ٹی وغیرہ۔ لہذا ہمیں ان کے ساتھ ہاتھ ملانا ہو گا تا کہ کل جب ہم اپنے حقوق کی بات کریں تو یہ ہمارے ساتھ آکر کھڑے ہوں گے۔ یہ بہت سے مسلم اسکالرز (علماء اس سے مستثنیٰ ہیں) کا نظریہ ہے۔ اگر آپ گوگل پر دیکھیں تو بہت ہی آسانی کے ساتھ ایسے لوگ مل جائیں گے مثلاً یاسر قاضی، عمر سلیمان اور اسی طرح سے ایک اور شخص ہے ڈاکٹر جوناتھن براؤن (پی ایچ ڈی اسکالر) انھوں نے اسلام قبول کیا ہے، ان سب کا نظریہ یہی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو امریکہ کی مسلم عوام میں بہت زیادہ مقبول ہیں اور ان کا یہ بالکل واضح نظریہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ان لوگوں کو دیکھیں گے خصوصاً عمر سلیمان کو کہ وہ ایسے مجمع میں رہتے ہیں کہ جہاں ایل جی بی ٹی کے لوگ بھی ہیں، جہاں دوسری اقلیتوں کے لوگ بھی ہیں۔ ان کا یہ مشن ہے اور وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم مسلم کاز کے لیے کام کر رہے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ فیمنزم کا آلہ کار بن چکے ہیں، وہ فیمنزم کو پرموٹ کر رہے ہیں۔

اس سلسلہ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ اگر مسلم اقلیتوں کا اتحاد کسی سے ہو سکتا ہے تو وہ صرف مذہبی اکثریت سے ہو سکتا ہے۔ کیونکہ قرآن کریم نے یہی اصول بیان کیا ہے: قُلْ يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ (آل عمران-64) (مسلمانو! یہود و نصاریٰ سے) کہہ دو کہ: اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آجاؤ جو ہم تم میں مشترک ہو، (اور وہ یہ) کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور اللہ کو چھوڑ کر ہم ایک دوسرے کو رب نہ بنائیں۔ پھر بھی اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دو: گواہ رہنا کہ ہم مسلمان ہیں۔"

یہاں اصول یہ دیا گیا ہے کہ جو مشترکہ باتیں ہیں مذہبی لوگوں کے درمیان ان میں آپس میں اتفاق ہو جانا چاہیے۔ لیکن اس وقت ہو یہ رہا ہے کہ ایک طرف مسلم اقلیت ہے کہ جن کی بنیاد اسلامی عقائد کے اوپر ہے اور دوسری طرف وہ غیر مسلم اقلیتیں ہیں جن کی بنیاد مذہب پر نہیں ہے بلکہ ان کی بنیاد بائیں بازو (Left Wing) کے شدت پسند رجحانات کے اوپر ہے، خواہ وہ ایل جی بی ٹی کے لوگ ہوں یا فیمسنٹ ہوں۔ ان کے نزدیک مذہب کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ لہذا ایک وہ طبقہ جس کے نزدیک مذہب سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے اور اس کی اخلاقیات مذہب پر منحصر ہے اور دوسرا وہ طبقہ جس کے نزدیک مذہب کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور جس کی اخلاقیات خانہ ساز (Homemade) ہے تو ان کے درمیان اتحاد کیونکر ممکن ہے؟ اور اگر اتحاد ہو بھی جائے تو فطری اتحاد تو

ہے نہیں، تو پھر یہ کتنے دن چل سکتا ہے؟ وہ اتحاد پائدار ہے جس کو قرآن کریم نے بیان کیا ہے۔ یہ ایک بہت بڑی غلطی ہے جو یہ لوگ ان مغربی ممالک میں کر رہے ہیں۔

تیسری فکر:

"صرف عورتوں کو ہی عورتوں کے مسائل پر بات کرنے کا حق ہے۔ چاہے وہ ان کی عزت و وقار سے متعلق ہو، چاہے وہ کسی بڑے حادثہ سے گزری ہوں، چاہے کوئی چیز ان کو اکساتی ہو۔" ان تمام مسائل پر صرف خواتین ہی بولیں گی، مرد کو ان مسائل پر بات کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ اب یہاں پر یہ دیکھیں کہ انھوں نے اپنے لئے یہ راستہ اختیار کیا کہ ہم تمام لوگوں کے حقوق کی لڑائی لڑیں گے؛ ہم مذہبی اقلیتوں کے حقوق کی بھی لڑائی لڑیں گے، ہم ایل جی بی ٹی کے حقوق کی لڑائی بھی لڑیں گے، لیکن خبردار! آپ ہمارے مسائل پر کوئی بات نہیں کریں گے، چونکہ ہم اپنے مسائل کو اچھے طریقے سے سمجھتے ہیں۔ کیونکہ انھیں معلوم تھا کہ اگر دوسرے ہمارے مسائل پر بولنے لگے تو ضروری ہے نہیں کہ ہر بولنے والا فیمسنٹ ہو تو یہ ہمارے مقصد کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ لہذا کیا چیز ہمیں خوش کرتی ہے، کیا چیز ہمیں غصہ دلاتی ہے، کیا چیز ہمیں ٹراما میں لے کر جاتی ہے؟ یہ ہم بتائیں گے، یہ آپ نہیں بتائیں گے۔ یہ تیسری لہر کا تیسرا بنیادی امتیاز ہے۔

چوتھی فکر: سیکس پازیٹیویٹی (Sex Positivity):

یہ اصطلاح جو ایک زمانہ سے چلی آ رہی ہے، آج بھی ہے اور اب اس میں کافی ترقی ہو چکی ہے۔ اس کا مطلب ہے reclaiming shame terms: slut, whore, tramp. یعنی وہ نازیبا الفاظ جو عورت کے لئے استعمال کئے جاتے تھے اور جس سے معاشرہ میں عورت کی ایک منفی تصویر سامنے آتی تھی اور ان الفاظ کو بہت برا سمجھا جاتا تھا، کوئی بھی عورت اپنے لیے وہ الفاظ برداشت نہیں کرتی تھی، ان الفاظ اور اصطلاحات کے بارے میں یہ کہا گیا کہ ان الفاظ میں گھبرانے کی یا شرمندہ ہونے کی کوئی بات نہیں ہے۔ بلکہ ان الفاظ کو فخر کے ساتھ استعمال کرو، یہ تمہاری شناخت ہیں۔ مثلاً سَلٹ (slut) جو ایک پیشہ ور طوائف (Prostitute) کے لئے استعمال ہوتا ہے، وور (whore) یہ زانیہ کے لئے استعمال ہوتا ہے، ٹریمپ (tramp) ایسی عورت کے لئے استعمال ہوتا ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو، جو مستقل سفر میں رہے اور جب کھانے پینے کی ضرورت ہو تو جسم فروشی کر کے اپنی ضروریات کو پوری کر لے۔ آج اِس کے ساتھ کل اُس کے ساتھ۔ یہ الفاظ دراصل نہایت ہی پست درجہ کی خواتین کو عار دلانے کے لئے انگریزی زبان میں استعمال ہوتے تھے اور کوئی بھی خاتون یہ تصور نہیں کر سکتی تھی کہ اس کے لئے اس طرح کے الفاظ استعمال کئے جائیں۔ کیا آپ کسی باحیا اور

باپردہ مسلم خاتون کے لئے اس طرح کے الفاظ استعمال کر سکتے ہیں؟ ہر گز نہیں! اگر آپ نے کیا تو اس کا پوراخاندان آپ کے پیچھے پڑجائے گا، کیونکہ حیااور غیرت باقی ہے۔تو اس تیسری لہر میں حیااور غیرت کا اس طور پر جنازہ نکالا گیا کہ عورتوں کو یہ کہا گیاان الفاظ کے اوپر فخر کریں، شرمندہ ہونے کی قطعاضرورت نہیں ہے۔

یہاں سے در اصل دوسری اور تیسری لہر کے درمیان فرق ہوتا ہے۔ دوسری لہر میں یہ بتایا گیا تھا کہ صنفی کردار (Gender Roles) دراصل معاشرہ کے پیدا کردہ ہیں، سوسائٹی نے یہ فرق پیدا کیے ہیں کہ مرد کا یہ کردار ہوگا اور عورت کا یہ کردار ہوگا،لہذا ہمیں اس تفریق کو ختم کرناضروری ہے۔تو دوسری لہر Social Construct کے خلاف تھی کہ اس فرق کو ختم کرنا ضروری ہے لیکن تیسری لہر نے آکر اسے بالکل الٹ دیا۔ تیسری لہر میں یہ کہا گیا کہ جو الفاظ عورتوں کو عار دلانے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں عورتوں کو چاہئے کہ وہ خود ہی ان الفاظ کا استعمال کریں اور ان کے استعمال میں بالکل بھی شرمندی کا اظہار نہ کریں۔ یعنی ایک طرف تو آپ سوشل کنسٹرکٹ کے خلاف جارہے ہیں جبکہ دوسری طرف آپ نے اس سوشل کنسٹرکٹ کو تسلیم کرلیا۔

نیویورک میں ایک ڈرامہ پیش کیا گیا، اس کا نام ہے The Vagina Monologues۔ اس ڈرامے میں یہ دکھایا گیا کہ ان الفاظ کو ایک عورت کس طرح بلا جھجک اپنے لیے استعمال کر سکتی ہے۔ ذیل میں اس ڈرامے کی کچھ تفصیل ذکر کی جارہی ہے جو ویکی پیڈیا سے لی گئی ہے:

The Vagina Monologues is an episodic play written in 1996 by Eve Ensler which developed and premiered at HERE Arts Center, Off-Off-Broadway in New York and was followed by an Off-Broadway run in at Westside Theatre. The play explores consensual and nonconsensual sexual experiences, body image, genital mutilation, direct and indirect encounters with reproduction, vaginal care, menstrual periods, prostitution, and several other topics through the eyes of women with various ages, races, sexualities, and other differences.

Charles Isherwood of The New York Times called the play "probably the most important piece of political theater of the last decade."

In 2018, The New York Times stated "No recent hour of theater has had a greater impact worldwide.

https://en.wikipedia.org/wiki/The_Vagina_Monologues

دی وجائینا مونولاگ (The Vagina Monologues) یہ ایک سلسلہ وار ڈرامہ تھا جسے 1996 میں ایو اینسلر (Eve Ensler) نے لکھا تھا جسے نیویارک کے براڈوے میں پیش کیا گیا۔ اور اس کے بعد ویسٹ سائڈ تھیئٹر میں بھی پیش کیا گیا۔ اس ڈرامے میں باہمی رضامندی یا بغیر رضامندی کے جو جنسی تجربہ ہوتا ہے اسے دکھایا گیا، اسی طریقہ سے جسم کی تصویریں، مرد و عورت کے ختنہ وغیرہ، براہ راست یا بلواسطہ بچہ کی ولادت میں شامل ہونا، خواتین کے اعضا کے تحفظ کے سلسلہ میں بیانات اور سرگرمیاں، ماہواری، پیشہ ور خواتین (طوائف) اور اس کے علاوہ کچھ موضوعات ہیں، ان تمام کو اس ڈرامہ میں پیش کیا گیا۔ اور اس ڈارمے میں عورتوں کے نقطہ نظر کو پیش کیا گیا اور یہ عورتیں مختلف عمروں اور الگ الگ نسلوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان تمام موضاعات پر صرف عورت نے ہی گفتگو کی، مرد نے نہیں کی۔ اور عورت بھی ایک نہیں، الگ الگ طبقات کی عورتوں نے اس ڈرامے میں شرکت کی اور اپنی اپنی رائے سامنے رکھی کہ کیسے یہ معاشرہ آگے بڑھنا چاہیے۔

یہ ڈرامہ دراصل فیمنزم کی تیسری لہر کا ایک نہایت ہی اہم کردار ہے اور نہایت اہم مرحلہ ہے۔ نیویارک ٹائمز کے ایک کالم نگار چارلس ایشر ووڈ نے اس ڈرامے کے بارے میں لکھا ہے کہ "شاید یہ گزشتہ دہائی کا سب سے اہم ایک سیاسی ڈرامہ ہے"۔ 2018 میں، نیویارک ٹائمز نے اس کے بارے میں دوبارہ لکھا کہ "ایک گھنٹہ میں کسی بھی ڈرامے یا فلم کا اتنا اثر دنیا میں نہیں ہوا جتنا اثر اس ڈرامہ کا ہوا ہے"۔ چونکہ اس ڈرامہ نے فیمنزم کو بالکل واضح انداز سے پیش کیا کہ عورتیں آخر چاہتی کیا ہیں۔

<u>پانچویں فکر:</u> <u>"ایل جی بی ٹی کی تحریک ہماری اپنی تحریک ہے۔"</u>

فیمنسٹوں نے کہا کہ ایل جی بی ٹی کی تحریک دراصل ہماری اپنی تحریک ہے۔ اس کی تفصیل اوپر گزر چکی۔

<u>چھٹی فکر:</u> Militant abortionism

اس دور میں ملیٹنٹ ابورشینزم کا آغاز ہوا۔ گزشتہ موضوع (لبرلزم) کے تحت یہ بات آئی تھی کہ آج سے پچاس سال پہلے امریکہ کی سپریم کورٹ نے اسقاط حمل (Abortion) کو جائز قرار دیا تھا لیکن اس کے بعد بعض علاقوں میں اور بعض عیسائی معاشروں میں اسقاط حمل کے خلاف تحریکیں چلتی رہیں، یہاں تک کہ اب جاکر وہ تحریکیں کامیاب ہوئیں اور دوبارہ اسقاط حمل کی آزادی کو ختم کر دیا گیا۔ لیکن ان تحریکوں نے بعض مرتبہ پر تشدد رنگ اختیار کر لیا اور جو فیمنسٹ اسقاط حمل کے حق میں تھے وہ بعض موقع پر اس قدر پُر تشدد ہو گئے کہ انھوں نے دکانوں اور مکانوں پر توڑ پھوڑ شروع کر دی۔ لیکن اسے میڈیا نے کس طرح پیش کیا ہے وہ بھی ملاحظہ فرمائیں:

پہلے دو اصطلاحات کو سمجھ لیں۔ جب آپ لبرلزم یا فیمنزم پر بات کر رہے ہوں تو پروچوئیس (Pro-Choice) اور پرولائف (Pro-Life)؛ان دونوں اصطلاحات کا جاننا ضروری ہے چونکہ یہ اصلاحات اب پوری دنیا میں پھیلادی گئی ہیں۔

پرولائف (Pro-Life): وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اگر رحم مادر میں بچہ آگیا تو اب اس کا اسقاط (Abortion) کرنا غیر قانونی ہونا چاہئے چونکہ وہ بچہ زندہ ہے اور اس کا اسقاط ایسا ہی جیسا کہ کسی پیدا شدہ بچہ کو مارنا۔ اگر یہ قتل ہے تو وہ بھی قتل ہے۔ ایسے لوگوں کو پرولائف کہا جاتا ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں ہم پرولائف ہیں، ہم زندگی کے حق میں ہیں۔

پروچوئس (Pro-Choice): پرولائف کے مقابلہ میں لبرلز یا فیمنسٹ ہیں، وہ خود کو پروچوئس بولتے ہیں، مطلب یہ کہ ایک عورت کہتی ہے کہ میرا جسم میری مرضی، اگر ایک بچہ میرے جسم میں پل رہاہے تو یہ میری مرضی ہے کہ میں اسے اس دنیا میں لے کر آؤں یا پھر اس کا اسقاط کر دوں۔

خبر کا عنوان یہ ہے کہ "پروچوئس ملٹنٹ پریگننسی کرائسس سنٹرز کو نشانہ بنارہے ہیں" یہ پریگننسی کرائسس سنٹرز کیا ہیں؟ ماقبل میں گزر چکا ہے پلان پیرن ہوڈ (Plan Parenthood)، یہ وہ کلینک ہوتے ہیں جہاں پر اسقاط حمل کرایا جاتا ہے۔ لیکن اگر

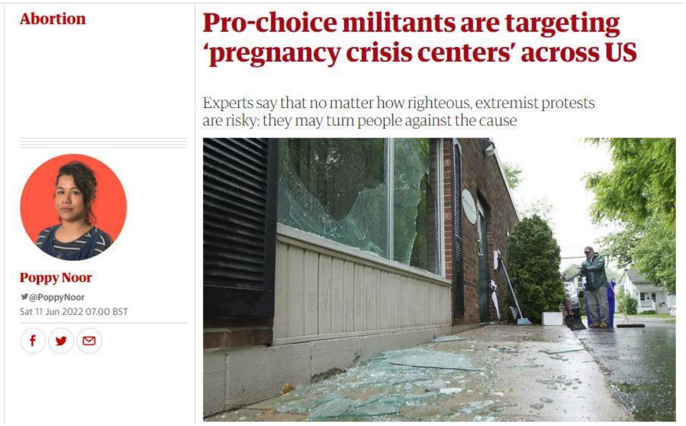

Abortion

Pro-choice militants are targeting 'pregnancy crisis centers' across US

Experts say that no matter how righteous, extremist protests are risky: they may turn people against the cause

Poppy Noor
@PoppyNoor
Sat 11 Jun 2022 07.00 BST

کسی عورت کو حمل کے تعلق سے کوئی مسئلہ ہے اور وہ اس حمل کو باقی رکھنا چاہتی ہے تو پھر اس کے لئے پریگننسی کرائسس سنٹرز (Pregnancy Crisis Centers) کھلے ہوئے ہیں۔ تو خبر یہ ہے کہ جو پروچوئس ملٹنٹ ہیں وہ پریگننسی کرائسس سنٹرز کو نشانہ بنارہے ہیں جیسا کہ آپ اس تصویر میں دیکھ سکتے ہیں۔
لیکن اصل بات سرخی کے نیچے لکھی ہوئی ہے، جو یہاں بتانی مقصود ہے وہ یہ ہے:

ماہرین کا کہنا یہ ہے کہ یہ نظریہ خواہ کتناہی اچھا کیوں نہ ہو لیکن یہ پُر تشدد احتجاجات بہت ہی خطرناک ہیں چونکہ یہ لوگوں کو اس مقصد کے خلاف کر سکتے ہیں۔

دیکھیے کتنا نرم اور محتاط الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، یہ ان کا دوہرا رویہ ہے۔ اگر یہی کام مسلمان کرتے، مثلاً توہین رسالت کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے وہ دو چار دکانوں کے شیشے توڑ دیتے تو کیا اخبار یہی لکھتا کہ "ماہرین کہتے کہ یہ کام اگرچہ کتنا ہی نیک کیوں نہ ہو لیکن

اس طرح کے پر تشدد احتجاجات لوگوں کو ان کے خلاف کر دیں گے "؟ کیا اس عمل کو نیک کہا جاتا؟ جبکہ یہاں پر تصویر دے کر کہا جارہا ہے کہ یہ کام تو بہت اچھا ہے لیکن اس طرح سے نہ کرو۔ آپ کا مقصد بہت مقدس ہے لیکن لوگوں کی املاک کو نقصان نہ پہنچاؤ۔ بہر حال اس طرح کے کام تیسری لہر سے شروع ہوئے۔ اسے "ملٹنٹ ابورشنزم" کہا جاتا ہے۔

ساتویں فکر: ابولِشنگ بیالوجیکل سیکسز(Abolishing Biological Sexes):

یعنی فطری جنس کا خاتمہ کرنا۔ دوسری لہر میں یہ کہا گیا تھا کہ مرد کا مرد ہونا اور اس کا کردار یا عورت کا عورت ہونا اور اس کا کردار یہ سب کچھ socialization کا نتیجہ ہے۔ یہ سب کردار Social Construct کا نتیجہ ہیں، سوسائٹی نے یہ چیز بنادی ہے۔ تو پھر یہ سوال ہوا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ محض سوسائٹی کا نتیجہ ہو، آخر مرد و عورت کے درمیان جسمانی ساخت میں بھی تو بڑا فرق ہے؟ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں یہ محض سوشل کنسٹرکٹ یا سوشلائزیشن کا نتیجہ ہے؟ اس لیے اب فیمنسٹ یہ کہتے ہیں کہ خواہ جسمانی طور پر آپ کے اعضاء کیسے ہی ہوں، اس کے باوجود آپ کا کردار یکساں ہونا چاہئے۔ یعنی جو کام مرد کرے وہی کام عورت کرے اور جو کام عورت کرے وہی کام مرد کرے۔ اب فورا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے؟ ایک عورت حاملہ ہو سکتی ہے اور مرد عورت کو حاملہ کر سکتا ہے، لیکن اس کا الٹا تو ممکن ہی نہیں ہے؟ تو آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ جو کام مرد کرے وہی کام عورت کرے اور عورت کے کام مرد کرے؟ تو ان لوگوں نے اس کا بھی حل ڈھونڈ لیا۔

ابھی چند مہینوں پہلے کی بات ہے، House Judiciary Committee کی اسقاط حمل کے ایک کیس پر سماعت تھی۔

ہاؤس جوڈیشیری کمیٹی (House Judiciary Committee) کسے کہتے ہیں؟ یہ ایک کمیٹی ہے جو امریکی پارلیمنٹ (کانگریس) کے تحت ایک ذیلی کمیٹی بنائی جاتی ہے۔ اس کمیٹی کے ممبران اکثر وہ لوگ ہوتے ہیں جن کا لیگل بیک گراؤنڈ ہوتا ہے اور امریکہ کی جو دو پارٹیاں ہیں: ڈیموکریٹ اور ریپبلکنز، دونوں کے مشترکہ ممبران اس کمیٹی میں ہوتے ہیں۔ اور اس طرح کے جو اہم مسائل ہوتے ہیں جن کا تعلق قومی مفاد اور پوری امریکی عوام سے ہوتا ہے تو اس طرح کے مسائل ہاؤس جوڈیشیری کمیٹی میں جاتے ہیں۔ اس کمیٹی کا کام یہ ہوتا ہے کہ یہ اپنی رپورٹ کانگریس کو دیتی ہے اور پھر کانگریس اسی کے مطابق اپنا فیصلہ کرتی ہے۔

بہر حال اسی کمیٹی میں "ابولیشنگ بیالوجیکل سیکسز" کے تعلق سے سماعت چل رہی تھی:

Abolishing Biological Sexes

House Judiciary committee's hearing on abortion**:**

Dan Bishop Questions Pro-Choice House Witnesses, 'Do You Believe That Men Can become pregnant and have abortion? Witness: Yes

https://www.youtube.com/watch?v=LudP6s IsOk

وہاں پر ایک پرو چوئس خاتون بطور گواہ موجود تھی، تو ایک ممبر ڈین بیشپ نے اس سے سوال کیا کہ کیا مرد حاملہ ہو سکتا ہے اور اگر وہ حاملہ ہو بھی جائے اور وہ اسقاط حمل کرانا چاہے تو کیا وہ کرا سکتا ہے ؟ آپ اس بارے میں کیا سوچتی ہیں؟اس عورت نے بڑے دھڑلے سے کہا: جی ہاں! بالکل ہو سکتا ہے۔ اوپر یوٹیوب کا ایک لنک دیا گیا ہے جس میں دیکھا جاسکتا ہے کہ فیمینسٹ عورتیں یہ کہہ رہی ہیں کہ اگر ایک عورت خود کو مرد کہہ رہی ہے تو وہ مرد ہے، اب اگر وہ فطری طور پر حاملہ ہو بھی جاتی ہے تو وہ عورت حاملہ نہیں ہوئی بلکہ وہ مرد حاملہ ہوا کیونکہ وہ خود کو مرد تسلیم کر چکی ہے۔ یہ ہے Abolishing Biological Sexes یعنی فطری جنس کا خاتمہ کرنا۔ تو اب مرد و عورت میں فرق کیا ہے؟ کوئی بیالوجیکل فرق نہیں ہے! کوئی بھی شخص اپنے آپ کو مرد کہہ لے اور جس کا جی چاہے اپنے آپ کو عورت کہہ لے۔

اس ویڈیو میں آپ دیکھیں کہ تمام گواہان اس بات پر مصر نظر آئیں گے کہ آپ کو ہم وہ کہیں گے جو آپ اپنے بارے میں کہلوانا چاہیں گے، اسی طرح آپ ہمیں وہی کہیں جو ہم اپنے بارے میں کہلوانا چاہتے ہیں۔ اسی ویڈیو میں ڈین بیشپ نے ایک اور سوال کیا ہے کہ عورت کسے کہتے ہیں؟ اس کی تعریف کیا ہے؟ وہ عورت کہنے لگی کہ میں ہی عورت ہوں، ڈین نے پوچھا کہ میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ میں عورت کی تعریف پوچھ رہا ہوں۔ تو وہ عورت کہنے لگی: آپ کے کہنے کا مطلب کیا ہے؟ یعنی وہ عورت کی تعریف نہیں کر رہی ہے بلکہ یہ کہنا چاہ رہی ہے کہ میں چونکہ خود کو عورت تسلیم کرتی ہوں لہذا آپ مجھے عورت ہی کہیں، یہی آزادی ہے اور میں آپ کو بھی یہی آزادی دیتی ہوں کہ آپ مجھے بتائیے کہ آپ کے لیے کیا استعمال کرنا ہے، مرد کا لفظ یا عورت کا لفظ؟ میں آپ کے لیے وہی استعمال کروں گی۔

چند سال پہلے کی بات ہے: بی بی سی اردو نے ایک خبر شائع کی اور خوب اس کی تشہیر کی کہ انگلینڈ میں ایک مرد حاملہ ہو گیا۔ یہ سن کر سارے لوگ حیران رہ گئے، میں خود بہت حیران تھا چونکہ اس وقت تک مجھے ان گورکھ دھندھوں کا پتہ نہیں تھا۔ پھر جب

میں نے اس خبر کو پڑھا تو اس کی حقیقت واضح ہوئی کہ یہ تو تخلیقی اعتبار سے عورت ہی ہے لیکن اس نے خود کو مرد قرار دیدیا پھر جنسی عمل کے نتیجہ میں یہ حاملہ ہو گئی تو لوگ اسے کہہ رہے ہیں کہ مرد حاملہ ہو گئی۔ یعنی معاشرتی اعتبار سے اس کو مرد کہا گیا لیکن تخلیقی اعتبار سے وہ عورت ہے۔ بہر حال اسے کہا جاتا ہے "ابولیشنگ بیالوجیکل سیکسز"۔ تیسری لہر میں تو یہ ساری حرکتیں چل رہی تھیں۔ اس کے بعد آئی چوتھی لہر۔

فیمنزم کی چوتھی لہر (4th Wave)

تیسری لہر ہی اتنی خطرناک تھی تو سوچیں کہ چوتھی لہر کیسی ہوگی۔ چوتھی لہر کے ویسے کوئی چنیدہ افراد نہیں ہیں جن کے بارے میں آپ یہ کہہ سکیں کہ یہ لوگ در اصل چوتھی لہر کی قیادت کر رہے ہیں۔ البتہ جب آپ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں چوتھی لہر کے بارے میں آپ پڑھیں گے تو اس میں یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ اس لہر کا آغاز سن 2012 میں ہوا ہے۔ جبکہ ہم یہ مانتے ہیں کہ اس سے پہلے ہوا ہے اور اس کے بھی شواہد ہیں۔ لیکن وہ 2012 کو کیوں کہتے ہیں؟ برٹانیکا کی دلیل 2012 کا واقعہ ہے جو دہلی میں پیش آیا تھا اور وہ ہے **نربھیا ریپ کیس**۔ ایک بس میں 7 لوگوں نے اس خاتون کا ریپ کیا تھا اور وہ بھی بہت ہی بری طرح سے، یہاں تک کہ اس لڑکی کو مارنے کی بھی کوشش کی تھی۔ یہ معاملہ میڈیا میں بہت زیادہ چھا گیا تھا۔ اس لڑکی کو علاج کے لئے سنگاپور بھیجا گیا لیکن وہ نہ بچ سکی اور اس کی وفات ہو گئی۔ پھر اس کے حق میں پورے انڈیا میں مظاہرے ہوئے اور ایسا لگا کہ ریپ کلچر اب انڈیا سے ختم ہو جائے گا اور یہ آوازیں اٹھنے لگیں کہ ایسے ریپسٹ کو سزائے موت دی جانی چاہئے اور شاید ان مجرمین کو سزائے موت دی بھی گئی۔ تو برٹانیکا کے مطابق چوتھی لہر کا آغاز یہاں سے ہوا ہے۔ چونکہ اس حادثہ نے پوری دنیا کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی تھی۔ ساری دنیا کا میڈیا اسے رپورٹ کر رہا تھا تو ساری دنیا کے فیمنسٹوں کی توجہ ادھر تھی۔ تو برٹانیکا کے مطابق یہاں سے چوتھی لہر کا آغاز ہوا ہے۔

بہر حال کہیں سے بھی آغاز ہوا ہو، ہم اس کے بنیادی افکار اور خصوصیات دیکھتے ہیں۔

چوتھی لہر کے بنیادی افکار:

Main Ideas: #MeToo, Women's March, More LGBT, More transgenderism and identity politics, speech as violence (pronouns), criminalization of anti-feminism, merging of the police state with radical feminism (CIA).

پہلا امتیاز: #MeToo

اس چوتھی لہر کا سب سے اہم ترین وصف ہے "ہیش ٹیگ (**#MeToo**)۔ جس کا مطلب ہے "میں بھی"۔ یہ ہیش ٹیگ ظاہر ہے کہ سوشل میڈیا کی دین ہے، تو چوتھی لہر میں ابال اس وقت آیا جب سوشل میڈیا بالکل عام ہو گیا، فیسبک، ٹویٹر، یوٹیوب وغیرہ۔ سن 2003 کے بعد سوشل میڈیا کی طرف لوگوں کی توجہ ہوئی ہے اور پھر 2008 کے آتے آتے یہ ٹرینڈ بہت بڑھ گیا اور آج تو آپ دیکھ ہی رہے ہیں سوشل میڈیا کا ٹرینڈ کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ بہر حال یہ **#MeToo** کی تحریک چوتھی لہر کا آغاز ہے بلکہ چوتھی لہر کا امتیاز ہے۔ اور وہ اس طریقہ سے کہ وہ خواتین جو یہ سمجھتی ہیں کہ مردوں نے ان کو نشانہ بنایا ہے، مردوں نے ان پر ظلم کیا ہے یعنی ان کی رضامندی کے بغیر انھیں چھوا گیا، یا ان کے ساتھ بدکلامی کی گئی جس سے ان کے جذبات مجروح ہوئے یا پھر اس سے آگے بڑھ کر ان کی آبروریزی ہوئی اور یہ خواتین کسی وجہ سے خاموش رہیں، لیکن اب سوشل میڈیا کی طاقت کی وجہ سے یہ خواتین باہر آئیں اور انھوں نے ہیش ٹیگ (**#MeToo**) لکھا کہ میں بھی۔ بہر حال بہت ساری خواتین جن کا تعلق الگ الگ میدان سے تھا وہ سوشل میڈیا پر آکر اپنے درد بیان کرنا شروع کر دیں۔ بعض مرتبہ ان تشدد کرنے والوں کا نام لیا گیا؛ ان کا تعلق چاہے سیاست سے ہو، فلم انڈسٹری سے ہو، بالی وڈ یا پھر ہالی ووڈ سے ہو اب چاہے اس کا کوئی ثبوت ہو یا نہ ہو۔ جیسے انڈیا میں ایم جے اکبر نشانہ بنایا گیا جنو میڈیا سے اور اس کے بعد سیاست سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے علاوہ بڑے بڑے نامور اداکار اور ڈائریکٹرز کو بھی نشانہ بنایا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت سے ایسے لوگ جنہوں نے ایسی کوئی حرکت کی ہی نہیں تھی ان کا بھی بائیکاٹ کیا گیا اور یہ فیمسنٹ گینگ سوشل میڈیا پر اس طریقہ سے ان کے عزت ووقار پر حملہ آور ہوا کہ ان کو اپنی ملازمتوں سے بھی ہاتھ دھونا پڑا، اپنے پیشہ سے ہاتھ دھونا پڑا اور وہ سڑکوں پر آگئے۔ کیونکہ سوشل میڈیا کا بائیکاٹ کوئی معمولی بائیکاٹ نہیں ہوتا، خصوصا جب اس میں عورتوں کی ہمدردی شامل حال ہو جائے پھر تو مردوں کو ہی ظالم سمجھا جاتا ہے، چاہے انھوں نے وہ کام کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

دوسرا امتیاز: عورتوں کا جلوس (Women's March):

انڈیا میں یہ جلوس دیکھنے کو کم ملتے ہیں لیکن جتنا شور اس کا پاکستان میں ہوتا ہے یا جتنا شور دیگر مسلم ممالک میں ہوتا ہے اتنا شور آپ کو کہیں اور نہیں ملے گا۔ عورتوں کے جلوس کا سب سے زیادہ شور پہلی مرتبہ اگر کہیں ہوا تھا تو وہ امریکہ میں ہوا تھا۔ اور یہ ہوا تھا ڈونلڈ ٹرمپ کے خلاف۔ جب ڈونالڈ ٹرمپ 2016 میں امریکہ کا صدر بنا تو ایک معمر خاتون نے فیسبک پر یہ لکھا کہ اس کے خلاف عورتوں کا مارچ ہونا چاہئے چونکہ ان کے بقول ڈونلڈ ٹرمپ عورتوں کی بے عزتی کیا کرتا تھا اور وہ اینٹی فیمنزم تھا۔ اس کی یہ اپیل اس قدر وائرل ہوئی کہ بہت ساری خواتین اس مارچ کو آرگنائز کرنے میں لگ گئیں اور 10 لاکھ کے قریب لوگوں نے اس مارچ میں شرکت کی۔ اس مارچ کے آرگنائزرز میں ایک اہم نام لنڈا اسرسور (**Linda Sarsour**) کا ہے۔ یہ ایک مسلم خاتون ایکٹِوسٹ ہیں، فلسطینی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں، لیکن نیویارک میں پلی بڑھی ہے۔ یہ بہت سے نام نہاد مسلم اسکالر کے شانہ بشانہ رہتی ہے۔ اسے آپ یاسر قاضی، عمر سلیمان وغیرہ کے ساتھ اکثر اسٹیج پر دیکھیں گے۔ وہ اپنے آپ کو مسلم فیمنسٹ کہتی ہے۔ عورتوں کا سب سے پہلا مارچ جب شروع ہوا جو امریکی تاریخ کا سب سے بڑا مارچ تھا اور واشنگ ٹن میں ہوا، اس کی کو فاؤنڈرز میں یہ خاتون بھی تھی۔ بعد میں پھر اس کی ڈوپلیکیٹ کاپیاں تیار کر کے مسلم ممالک بھیجی گئیں اور خصوصا پاکستان میں جو مارچ ہوتا ہے اس کو مغربی میڈیا اس طریقہ سے دکھاتا ہے جیسے کہ پاکستان کا سب سے بڑا مسئلہ یہ خاتون مارچ ہے۔ اس مارچ میں جو مختلف طرح کے پلے کارڈز آپ کو نظر آتے ہیں جس کا خلاصہ "میرا جسم میری مرضی" ہے یہ دراصل فیمنزم کی اسی چوتھی لہر کا نتیجہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں عورتوں کے اس مارچ میں ایل جی بی ٹی کے حق میں بھی لوگ بات کر رہے ہیں، مذہب کے خلاف لوگ بات کر رہے ہیں۔ تو بعض مرتبہ لوگ سوچتے ہیں کہ چلو ٹھیک ہے عورتوں کے حقوق کے بارے میں اگر آپ کو بات کرنی ہے تو کریں، اس میں ایل جی بی ٹی کہاں سے آگیا؟ اس میں مذہب کے خلاف مقدمہ کہاں سے آگیا؟ تو اس کی وجہ یہی ہے کہ فیمنزم نے اپنی تیسری لہر میں ایل جی بی ٹی کے ساتھ اتحاد کر لیا تھا تو یہ لوگ اتحاد کر کے یہ مارچ کرتے ہیں۔

تیسرا امتیاز: شناخت کی بنیاد پر سیاست (Identity Politics)

یعنی سیاست وہی قابل قبول ہے جس میں عوام کی شناخت کو سامنے رکھ کر پالیسی تیار کی جائے۔ مثلا اقلیتوں کے لئے یہ پالیسی ہے، فیمسنٹ کے لئے یہ پالیسی ہے، ایل جی بی ٹی کے لئے یہ پالیسی ہے اور سیاہ فام لوگوں کے لئے یہ پالیسی ہے۔ یہ

Identity Politics کی بنیاد چوتھی لہر میں پڑی ہے اور ملک کے چھوٹے چھوٹے گروہوں کے حقوق پر بات کی جانے لگی اور یہ تمام چھوٹے چھوٹے گروپ مل کر ایک اکائی بن گئے، ایک طاقت بن گئے اور ملکوں کی سیاست پر بھی اثر انداز ہونے لگے۔

چوتھا امتیاز: **Speech as Violence Pronouns**

یعنی اگر آپ کوئی ایسا جملہ یا ایسی بات کریں گے کہ جس سے سامنے والے کی شناخت کوئی دوسری نظر آتی ہو جو نہیں ہے تو اس کو تشدد کے زمرے میں رکھا جائے اور اس کو قانوناً جرم قرار دیا جائے۔ مثلاً ہر زبان میں ضمیریں(**Pronoun**) ہوتی ہیں۔ تو اگر ایک عورت خود کو مرد سمجھتی ہے تو اس کے لئے مردوالی ہی ضمیر استعمال ہونی چاہئے اگر آپ نے اسے عورت سمجھ کر عورت والی ضمیر استعمال کر لی تو اس کو جرم مانا جائے گا۔ بہت سارے ممالک میں یہ مطالبہ کیا جارہا ہے کہ اسے قانونی درجہ دے دیا جائے۔ چنانچہ بڑی بڑی ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ایچ آر (**HR**) اپنے یہاں کام کرنے والے ملازمین کو باقاعدہ ٹریننگ دیتے ہیں کہ انھیں ٹرانسجینڈر سے کس طرح بات کرنی ہے، اگر آپ اس بات کا خیال نہیں رکھیں گے تو آپ اپنی ملازمت سے ہاتھ بھی دھو سکتے ہیں۔ ابھی کچھ دنوں پہلے ایک صاحب آئے اور کہنے لگے کہ کمپنی میں ایک شخص کو جو بظاہر مرد لگ رہا تھا مگر وہ تھی عورت، میں نے اس کو **He** بول دیا، اس نے جاکر ایچ آر میں شکایت کر دی اور میرے پاس نوٹس آگیا کہ اگر آئندہ ایسا ہوا تو تمہاری ملازمت گئی۔ تو یہ جو کمپنیوں کی طرف سے سزادی جارہی ہے یہ دراصل اس پالیسی زبردستی پر عمل کروانے کے لیے ہے۔

پانچواں امتیاز: **Criminalization of anti-feminism**(فیمنزم کے خلاف ہونا قانوناً جرم ہے)

یعنی اگر آپ فیمنزم کے خلاف ہیں تو یہ قانون جرم ہے جس کے خلاف جیل ہو سکتی ہے۔ یہ تحریک چل رہی ہے۔ لہذا ہر آدمی کو فیمسنٹ ہونا پڑے گا۔ ظاہر ہے آپ کو یہ کہا جائے کہ اگر آپ کسی کو قتل کریں گے تو آپ کو بھی قصاصا مارا جائے گا تو کیوں کوئی قتل کرے گا۔ لیکن اگر آپ اس سزا کو ختم کر دیں تو پھر دیکھیے کتنے قتل ہوتے ہیں۔ اگر آپ فیمنزم کے خلاف رویے کو جرم قرار دے دیں تو ہر ایک آدمی کو خواہی نہ خواہی فیمنسٹ بننا پڑے گا۔

چھٹا امتیاز: **Merging of the police state with radical feminism (CIA)**

یہاں تک کہ مغربی ممالک کی خفیہ ایجنسیاں، پولیس اور آرمی ان کے اندر بھی فیمنزم ڈالا گیا۔ اور وہ اس طریقہ سے کہ ابھی کچھ دنوں پہلے سوشل میڈیا پر ایف بی آئی یا سی آئی اے کا ایک اشتہار چل رہا تھا، اور اس طرح چل رہا تھا کہ ایک آفیسر یہ کہہ

رہاہے کہ میں فیسمنٹ ہوں اور میں سی آئی اے کا حصہ ہوں، پھر دوسرا آفیسر کہہ رہاہے میں گے (Gay) ہوں اور میں سی آئی کا حصہ ہوں، تیسری کہہ رہی ہے کہ میں لیسبین (Lesbian) ہوں اور میں سی آئی کا حصہ ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امریکہ کی خفیہ ایجنسی سی آئی نے فیمنزم کو اور ایل جی بی ٹی کو اس طریقہ سے قبول کرلیاہے آپ کچھ بھی ہوں ہمارے یہاں آپ کو خوش آمدید کہاجائے گا۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ریاست کی ایجنسیوں نے باقاعدہ فیمنزم سے ہاتھ ملالیاہے۔

فیمنزم کی چار خصوصیات

4Characteristics of Fourth-Wave Feminism

1 **Intersectionality:** Third wavers emphasized the concept of intersectionality, and many fourth-wave feminists are working on expanding this. The fight for social justice and gender equality is more significant when women of color, and the layers of oppression women experience, are part of the conversation. Violence against women is more prevalent and extreme in combination with other modes of oppression, like class, race, and sexual identity.

2 **Internationalism:** The wave model of feminism has roots in the Western world; feminist movements globally were often less emphasized in public and academic discussions in the West. Fourth-wave feminism seeks to redress this, especially in its inclusion of voices from historically marginalized and oppressed groups struggling under the patriarchy**.**

3 **Solidarity:** Fourth-wave activists celebrate solidarity across different ages, races, creeds, and gender identities. As with the third wave, most fourth-wave feminists also consider capitalism, particularly its neoliberal strain, as a source and a magnifier of oppression**.**

4 **Decentralization:** The Internet allows for new avenues of organization and activism. The Internet makes it possible to publicly call out influential figures, offering opportunities for disempowered women to seek redress and find empowerment. The fourth wave of femirtism has brought to light cases of sexual violence inflicted by men in politics, business, entertainment, and new media**.**

پہلی خصوصیت(Intersectionality):

اس کا آغاز تو تیسری لہر میں ہی ہو گیا تھا لیکن چوتھی لہر میں اسے بہت زیادہ بڑھاوا دیا گیا اور کہا گیا کہ یہ مسئلہ صرف سفید فام عورتوں کا نہیں ہے بلکہ ہر مظلوم طبقے کا مسئلہ ہے۔ یہ انٹر سیکشنیلٹی ہے۔

دوسری خصوصیت (Internationalism):

مطلب یہ ہے کہ اس سے پہلے کا جو دور تھا، پہلی، دوسری اور تیسری لہر کا، اس کا تعلق مغربی دنیا سے تھا، فیسمنٹ تحریک نے یہ سوچا کہ ہم صرف مغربی دنیا میں کامیاب ہو رہے ہیں، عالمی سطح پر کامیاب نہیں ہو رہے ہیں۔ ہمیں ان خواتین تک بھی پہنچنا ہے جو افریقہ کے قبیلوں میں رہتی ہیں یا انڈیا، پاکستان، بنگلہ دیش وغیرہ ممالک کے گاؤں میں رہتی ہیں، ہمیں ان کے پاس جا کر یہ بتانا ہے کہ وہ کسی بھی طرح کا ظلم نہ برداشت کریں اور اپنے حقوق کے لئے کھڑی ہوں۔ یہ انٹر نیشنلزم ہے۔ اور اس چیز کو پرموٹ کرنے کے لئے فلمیں بنائی گئیں، گانے بنائے گئے، ڈرامے بنائے گئے، پھر میڈیا کے اوپر یہ ساری چیزیں چلیں۔

تیسری خصوصیت، یکجہتی(Solidarity):

اس کا مطلب یہ ہے کہ چاہے آپ کی عمر کچھ بھی ہو، آپ کسی بھی رنگ و نسل سے تعلق رکھتے ہوں، آپ کا عقیدہ کچھ بھی ہو، آپ کسی بھی جنس اور زبان سے تعلق رکھتے ہوں ، لیکن سب کے سب فیمنزم کے مقاصد کے لئے متحد ہیں۔ یہ ہے **Solidarity-**

چوتھی خصوصیت، عدم مرکوزیت(Decentralization):

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی کوئی مرکزی قیادت نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سوشل میڈیا کے اوپر لوگ اس کو چلا رہے ہیں۔ اب کوئی یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ فلاں فلاں خواتین وہ ہیں جنہوں نے چوتھی لہر کا آغاز کیا۔ یہی وجہ ہے کہ چوتھی لہر کے تعارف میں کہا گیا تھا کہ اس کے قائدین ہیں ہی نہیں ۔ جبکہ پہلی دوسری اور تیسری لہر کے قائدین موجود ہیں۔ اسی کو کہتے ہیں Decentralization، یعنی اس کی مرکزیت کو ختم کر دیا گیا۔

فیمنسٹ چاہتے کیا ہیں؟

یہاں تک تو فیمنزم کی چاروں لہروں کا تعارف ہو گیا، فیمنزم کا تاریخی پس منظر تقریباً مکمل ہو چکا۔ اب اصل مسئلہ شروع ہوتا ہے کہ آخر فیمنسٹ چاہتے کیا ہیں؟

PATRIARCHY(پدر شاہی نظام / مرد کی حاکمیت)

یہ اصطلاح پہلے بھی آچکی ہے۔ اسے آپ اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔ فیمنسٹ اسے ختم کرنا چاہتے ہیں۔

Patriarchal Thesis: Patriarchy is the oppression of women. Most of human societies throughout history were patriarchal which means women for most of history have been oppressed**.**

"The best-paid jobs are mainly held by men; the unpaid labour mainly falls to women. Globally, 82% of ministerial positions are held by men. Whole fields of expertise are predominantly male, such as physical sciences (and women garner less recognition for their contributions - they have received just 2.77% of the Nobel prizes for sciences)"**.**

پدر شاہی نظام کے ذیل میں فیمنزم کے ذریعہ یہ بتایا گیا کہ تاریخ کے تمام ادوار میں عورت پر ظلم ہوا ہے۔ پوری تاریخ میں زیادہ تر انسانی معاشرے پدرانہ تھے جس کا مطلب ہے کہ تاریخ کے بیشتر حصے میں عورتیں مظلوم رہی ہیں۔ فیمنزم وہ تحریک ہے جو عورتوں کو اس ظلم سے بچاسکتی ہے۔ کیونکہ فیمنزم لبرلزم کی شاخ ہے اور لبرلزم کی بنیاد مساوات کے اوپر ہے، لہٰذا جب مرد و عورت کے درمیان مساوات ہو جائے گی تو مرد عورت کے اوپر ظلم نہیں کر پائے گا۔ اس کو بولا جاتا ہے Patriarchal Thesis(پدرانہ مقالہ) جس کا ایک اقتباس بطور مثال یہاں پر پیش کیا گیا ہے۔

لوگ اس Patriarchal Thesis کو اس لئے قبول کر لیتے ہیں کہ فطری طور پر انسان انصاف پسند ہے۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتا کہ انصاف کی تعریف کیا ہے۔ اس کے ذہن میں جب یہ بات ڈال دی گئی کہ انصاف کی تعریف ہے مساوات کہ جہاں جہاں مساوات ہو گی وہاں وہاں انصاف ہو گا۔ اور پھر اس کو یہ بتایا گیا کہ مرد نے عورت کے اوپر ظلم کیا ہے لہٰذا عورت کو انصاف ملنا چاہئے، تو بہت سارے مرد بھی اس بہاؤ میں بہہ گئے اور انھوں نے کہا کہ ہاں بالکل مساوات ہونی چاہئے، چونکہ مرد نے عورت پر ظلم کیا ہے۔ اس طریقہ سے Patriarchal Thesis کو قبولیت مل گئی اور فیمنزم کا نظریہ عام سے عام تر ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ بہت

سے مسلم موٹیویشنل اسپیکرز آپ کو یہ کہتے ہوئے ملیں گے کہ اسلام نے عورت کو آزادی دی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک آزادی ایک اہم ترین قدر (Value) ہے۔ ہم اس بات کا انکار نہیں کرتے لیکن اسلام آزادی دینے کے لئے نہیں آیا ہے بلکہ اسلام تو حقوق دینے کے لئے آیا ہے۔ اگر آزادی آپ کا حق ہے تو آپ کو آزادی ملے گی، لیکن اگر آزادی آپ کا حق نہیں ہے تو آزادی نہیں ملے گی۔ اگر اسلام صرف آزادی دینے کے لئے آتا تو ایک جھٹکے میں تمام غلاموں کو آزاد کر دیا جاتا۔ لیکن آزادی ان غلاموں کا فوری حق نہیں تھا اس لئے فوری طور پر مکمل غلامی کو ختم نہیں کیا گیا۔ اسلام حقوق کی بات کرتا ہے، محض آزادی جیسے کھوکھلے نعرے کی بات نہیں کرتا۔ عورت کو آزادی دینے کا کیا مطلب ہے؟ عورت کو آزادی دینے کا مطلب یہ ہے کہ اب وہ مرد کی تابعداری سے آزاد ہے، وہ اپنے شوہر کی تابعداری سے آزاد ہے، وہ اپنے باپ کی تابعداری سے آزاد ہے، اگر اس کا بڑا بھائی سے تو اس کی تابعداری سے آزاد ہے۔ ایسی آزادی کا تو اسلام قائل نہیں ہے۔ مسلم خطباء دھڑلے سے یہ بولتے ہیں کہ اسلام آنے سے پہلے عورت غلام تھی۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اسلام آنے سے پہلے عورت کب غلام تھی؟ حضرت خدیجہؓ تو اسلام سے پہلے بھی تجارت کر رہی تھیں اور اسلام کے بعد بھی تجارت کر رہی تھیں۔ یہاں تک اس زمانہ میں عورت کو یہ بھی حق تھا کہ ایک عورت کئی شوہر رکھے۔ اگر آپ کو ایسی آزادی چاہئے تو یہ آزادی تو جاہلیت کے دور میں تھی، پھر اسلام کی کیا ضرورت ہے؟ ابوسفیان کا بیٹا زیاد ایسے ہی ایک نکاح کا نتیجہ تھا۔ صحیح مسلم میں روایت ہے۔ بعد میں حضرت معاویہؓ نے زیاد کے نسب کو اپنے والد سے لاحق کیا۔ جب زیاد نے یہ درخواست کی اور دس گواہ پیش کیے، بڑے بڑے صحابہ اس کے اوپر گواہ تھے، ابوسفیان نے اپنی زندگی میں اس کا اعتراف کیا تھا کہ زیاد میرا بیٹا ہے۔ چونکہ زیادہ کی ماں کے اور بھی نو شوہر تھے اور اس زمانہ کا رواج یہ تھا کہ عورت جس بھی شوہر کے بارے میں کہہ دیتی کہ یہ اس کا بیٹا ہے تو اسے قبول کرنا پڑتا، تو جب اس نے کہا کہ زیاد ابوسفیان کا بیٹا ہے اور لوگوں نے گواہی بھی دے دی تو پھر نسب ابوسفیان سے جوڑ دیا گیا۔ یہ آزادی نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا ایسی آزادی اسلام نے دی ہے؟ اگر اسلام آزادی دینے کے لیے آتا تو پھر ہر طرح کی آزادی ملنی چاہیے تھی، یہ والی آزادی بھی دو۔ اسلام تو حقوق دینے کے لئے آیا ہے کہ عورتوں کو فطری اعتبار سے اور نفسیاتی اعتبار سے یا کسی بھی اعتبار سے جو حقوق ملنے چاہئے وہ حقوق ان کو دیئے جائیں۔ اور جو حقوق مردوں کو ملنے چاہئے وہ مردوں کو دیئے جائیں اور اسی کو انصاف کہا جاتا ہے۔

مثلا ایک شخص مالدار ہے اس کی موت ہو گئی تو اس کا بیٹا حق دار ہے کہ باپ کی جائیداد اس کو ملے۔ اگر کوئی راہ چلتا آدمی کہنے لگے کہ یہ شخص پیدائشی طور پر مالدار تھوڑی تھا، اس نے کمپنی بنائی لوگوں نے پیسا انویسٹ کیا کمپنی آگے بڑھی تب جا کر یہ مالدار بنا، اس کی مالداری میں ہمارا بھی حصہ ہے لہذا مجھے بھی اس میں حصہ ملنا چاہئے۔ تو کیا اس کی یہ بات قابل قبول ہو گی؟ یہی کہا

جائے گا کہ حق اس کے بیٹے کا ہے، تمہارا نہیں ہے، لہٰذا مرحوم کی جائداد اس کے بیٹے کو ملے گی تمہیں نہیں ملے گی۔ صاحب حق کو حق دینا اسلام کا کام ہے۔ آزادی جیسی ڈھکوسلی چیزیں کہ جی اسلام آزادی دینے آیا ہے، یہ ایک فیسمنٹک نعرہ ہے۔ جو لوگ جانے انجانے میں اس طرح کی بات کرتے ہیں اور اسلام کے سر تھوپتے ہیں وہ لوگ دراصل فیمنزم کے نظریے سے کسی نہ کسی حد تک متاثر ہیں۔ چاہے وہ اس بات کا ادراک اور احساس کرتے ہوں یا نہ کرتے ہوں۔

ہاں ہم یہ ضرور کہتے ہیں کہ اسلام مخلوق کی غلامی سے نکال کر خالق کی غلامی میں لانے کے لئے آیا ہے۔ چونکہ یہ کسی کا بھی حق نہیں ہے کہ انسان کسی مخلوق کی غلامی کرے۔ حق یہ ہے کہ خالق کی غلامی کرے۔ یعنی اسلام بھی غلامی کی بات کرتا ہے لیکن وہ کسی مخلوق کی غلامی نہیں بلکہ خالق کی غلامی کی بات کرتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کو حضرت خضرؑ کے پاس جانے کو کہا گیا تو قرآن نے حضرت خضرؑ کا تعارف اس طور پر پیش کیا: فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا (الکہف-65) تو انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت دی اور اسے اپنا علم لدنی عطا کیا۔ "وہ شخص جو اب حضرت موسیٰؑ کے ساتھ چلے گا اور انہیں کچھ باتیں سکھائے گا، اس کا جو سب سے بڑا تعارف کرایا گیا تو عبدیت سے کرایا گیا، تو اسلام تو غلام بنانے کے لئے آیا ہے لیکن کسی مخلوق کا نہیں بلکہ خالق کا غلام بنانے آیا ہے۔ کیونکہ یہ اس کا حق ہے کہ وہ خالق کا غلام بنے اور یہ اس کے حق کی خلاف ورزی ہے کہ وہ کسی مخلوق کا غلام بنے۔

Patriarchal Thesis کیا ہے؟ اوپر کی انگریزی عبارت کا مفہوم:

"پدرانہ مقالہ: پدرانہ نظام خواتین پر ظلم ہے۔ انسانی تاریخ کے اکثر معاشرے پدرانہ تھے جس کا مطلب یہ ہے کہ انسانی تاریخ کے اکثر ادوار میں عورتیں مظلوم رہی ہیں۔"

جب آپ کسی شخص کو یہ کہتے ہوئے سنیں گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے Patriarchal Thesis کو جانے ان جانے میں قبول کر لیا ہے۔ جانتے ہوئے قبول کیا ہے تو وہ فیسمنٹ ہے اور اگر انجانے میں قبول کیا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ کچھ جانتا نہیں ہے۔ اگلے پیراگراف سے اندازہ ہو گا کہ یہ لوگ عورت کی مظلومیت کا رونا کس طرح روتے ہیں۔

"بہترین معاوضہ والی ملازمتیں بنیادی طور پر مردوں کے پاس ہیں؛ بلا معاوضہ مزدوری بنیادی طور پر خواتین کے حصے میں آتی ہے (سب سے بڑا کام ماں بننا ہے اور اس کے لئے اسے کچھ بھی معاوضہ نہیں ملتا ہے تو یہ اس کے ماں بننے پر بھی تنقید ہے۔ گویا کہ پیسا ہی ان کے نزدیک معیار ہے، پیسہ ملے گا تو ویلیو ہے پیسہ نہیں ملے گا تو ویلیو نہیں ہے۔)

عالمی سطح پر، 82 فیصد وزارتی عہدے مردوں کے پاس ہیں۔ اختصاص کے تمام شعبے بنیادی طور پر مرد کے پاس ہیں، جیسے کہ جسمانی علوم اور خواتین کو کم پہچان ملتی ہے۔ انہیں سائنس کے نوبل انعامات کا صرف 2.77٪ ملا ہے)۔"

یہ جو رونا ہے کہ ہمیں پیسہ نہیں مل رہا ہے، ہمیں انعام نہیں مل رہا ہے، ہمیں کچھ نہیں مل رہا ہے، ہمارے اوپر ظلم ہو رہا ہے، یہ Patriarchal Thesis کا ایک نمونہ ہے۔

سوال: کیا غیر مساوی نتائج کا مطلب ظلم ہے؟

اب سوال یہ ہے کہ یہ جو Patriarchal Thesis کہ مرد اور عورت برابر نہیں ہیں، پدرشاہی کا مطلب ہے کہ مرد حاکم ہے یا مرد کا اقتدار ہے سیاست میں بھی اور معاشرت میں بھی، اور یہ فرق مراتب غلط ہے، تو ہمارا یہ سوال ہے کہ کیا غیر مساوی نتائج کا مطلب ظلم ہے؟ یعنی ظلم ہوا ہے اس لیے غیر مساوی نتیجہ نکلا ہے؟ اس لیے عورتوں کو نوبل پرائز کم ملا ہے اور مردوں کو زیادہ ملا ہے؟ اس لیے مردوں کو کثیر المعاوضہ ملازمتیں ملتی ہیں اور عورتوں کو کم ملتی ہیں؟ کیا اس سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ عورتوں کے اوپر ظلم ہوا ہے؟ اس سوال کے دو جواب ہو سکتے ہیں:

پہلا جواب

ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ مرد و عورت کے درمیان عدم مساوات ہے۔ لیکن جیسا کہ لبرلزم کے سبق میں گزر چکا ہے کہ اگر عدم مساوات کسی معقول وجہ سے ہو تو یہ ظلم نہیں ہے۔ وہاں یہ مثال دی گئی تھی کہ ایک باپ اپنے دو بچوں میں سے ایک کو چاکلیٹ دیتا ہے اور دوسرے کو نہیں دیتا، جس کو نہیں دیتا کسی وجہ سے نہیں دیتا، یہ عدم مساوات مدلل ہے، اسے کوئی بھی ظلم نہیں کہتا۔ بالکل اسی طرح مرد و عورت کے درمیان عدم مساوات ظلم کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ یہ جسٹیفائڈ ہے۔ وہ اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ فزکس کے میدان میں عورتوں کی دلچسپی کم ہو، جس کی دلچسپی ہی کم ہو گی اس کو فزکس میں نوبل پرائز کیسے مل سکتے

ہیں۔ اسی طرح سے کالج یا یونیورسیٹی میں بطور پروفیسر بھی کم ہی مواقع ملیں گے چونکہ جس کی دلچسپی زیادہ ہو گی اسے زیادہ مواقع ملیں گے اور جس کی دلچسپی کم ہو گی اس کو مواقع بھی کم ملیں گے۔ لہذا یہ عدم مساوات توجسٹیفائڈ ہے۔

اس کے جواب میں فیمسنٹ یہ کہتے ہیں کہ مرد و عورت ہر چیز میں برابر ہیں، صلاحیتوں میں بھی برابر ہیں۔ جب صلاحیتوں میں برابر ہیں تو پھر دلچسپیوں میں بھی برابر ہونے چاہئیں۔ باوجود اس کے کہ ان کی دلچسپیاں مردوں کے مساوی ہیں لیکن ان کو وہ مواقع نہیں ملتے جو کہ مردوں کو ملتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مردوں پر انعامات اور مواقع کی بارش ہے، جبکہ عورتوں پر ایسا کچھ بھی نہیں۔

ہم اس کے جواب میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ گزشتہ چالیس پچاس سالوں سے یورپ و امریکہ میں مساوات کو قانونی طور پر تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔ عدم مساوات کے خلاف قانون بن چکے ہیں۔ نہ کمپنیوں میں اجازت ہے، نہ حکومتوں میں اجازت ہے، نہ عدالتوں میں اجازت ہے، نہ تنظیموں میں عدم مساوات کی اجازت ہے۔ ہر جگہ مساوات ہے۔ بڑی بڑی جمہوریتیں اس کے اوپر قائم ہیں، ملک کے دستور اس کے اوپر قائم ہیں۔ تو مساوات کو قانونی طور پر تحفظ حاصل ہے۔ جب آپ کے پاس صلاحیتیں بھی وہی ہیں اور آپ کی دلچسپیاں بھی وہی ہیں جو مردوں کی ہیں اور قانون نے بھی آپ کو تحفظ دیا ہوا ہے تو پھر آپ کو مواقع کیوں نہیں ملے؟ کوئی وجہ تو ہو گی؟ چونکہ اگر ظلم ہو رہا ہے تو فوری طور پر اس ظلم کو رپورٹ کیا جانا چاہئے تھا اور جیسے ہی بات عدالت تک پہنچے گی اس ظلم پر روک تھام لگ جائے گی چونکہ قانون تو آپ کے حق میں کام کر رہا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ عورتیں پیچھے ہیں اور مرد آگے ہیں؟

اس کے جواب میں فیمسنٹ یہ کہتے ہیں کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کی دلچسپیاں مختلف ہوں۔ مثلا مردوں کی دلچسپی فزکس اور سائنس میں زیادہ ہوں بالمقابل عورتوں کے، یہ ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کی ایک وجہ ہے اور ہمیں اس وجہ کو ختم کرنا ہے؛ وہ وجہ یہ ہے کہ بچوں کی پرورش ہی دراصل بچوں کی صلاحیتوں کو نکھارتی ہے۔ مثلا ایک لڑکے کے پاس بچپن ہی سے کھلونے کے طور پر گاڑیاں ہوں گی، بندوقیں ہوں گی جبکہ لڑکی کے پاس گڈے اور گڑیاں ہیں۔ یہ جو معاشرہ نے بچہ کی پرورش کی ہے اس سے مردوں اور عورتوں کی دلچسپیاں بڑے ہوتے ہوتے الگ الگ ہو جاتی ہیں۔ ہمیں وہ معاشرہ چاہئے جس میں بچوں کی پرورش کے حوالہ سے کوئی فرق نہ ہو۔ اگر آپ لڑکے کو بطور کھلونہ گاڑیاں اور بندوقیں دے رہے ہیں تو وہی کھلونے لڑکیوں کو بھی دیں یا اگر آپ لڑکیوں کو بطور کھلونہ گڈے گڑیاں دے رہے ہیں تو وہی کھلونے لڑکے کو بھی دیں۔ پھر دیکھیں کہ معاشرہ کس طریقے سے مساوی اصولوں پر استوار ہو گا۔ یہ فیمسنٹ کی طرف سے دیا جانے والا جواب ہے۔

اس کا جواب ہم یہ دے سکتے ہیں کہ آپ اتنا ہی پیچھے کیوں جاتے ہیں کہ جب یہ معاشرہ بچپن میں تھا، آپ یہ کیوں کہتے ہیں کہ چونکہ لڑکے اور لڑکیوں کی پرورش الگ الگ انداز سے ہوئی ہے اس لیے ان کی صلاحیتیں اور دلچسپیاں الگ الگ ہو گئیں؟ آپ یہاں رک کیوں جاتے ہیں اس سے پیچھے کیوں نہیں جاتے؟ اس سے تھوڑا پیچھے جائیں کہ جب یہ دونوں اپنی ماؤں کے پیٹ میں تھے تب ان دونوں کے ہارمونز میں کتنا فرق تھا؟ ایک کے ہارمونز الگ تھے دوسرے کے ہارمونز الگ تھے، آپ کوئی ایسی تکنیک ایجاد کریں جس میں دونوں کے ہارمونز ایک جیسے ہو جائیں۔ اس ہارمونل فرق کے اوپر کہ دونوں کے درمیان بیالوجیکل کیا فرق ہے، اس کے اوپر آگے تفصیل آئے گی۔

بہر حال اصل سوال کا پہلا جواب یہ ہے کہ عدم مساوات بری ہو یہ کوئی ضروری نہیں ہے۔ اگر عدم مساوات جسٹیفائڈ ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور ایسی عدم مساوات کو ساری دنیا تسلیم کرتی ہے۔ تو مرد و عورت کے درمیان عدم مساوات جسٹیفائڈ ہے چونکہ ان کی صلاحیتیں اور دلچسپیاں الگ الگ ہیں۔ اور جب صلاحیتیں اور دلچسپیاں الگ ہیں تو پھر عدم مساوات کا ہونا بالکل فطری ہے۔

دوسرا جواب

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر یہی بات ہے کہ "غیر مساوی نتیجہ کا مطلب ظلم ہے" یعنی ظلم ہوا ہے اس لئے غیر مساوی نتیجہ نکلا ہے، پھر تو مردوں کے اوپر بھی ظلم ہوا ہے۔ بلکہ مردوں پر صنفی بنیاد پر (Gender Base) جتنا ظلم ہوا ہے شاید وہ کسی پر بھی نہ ہوا ہو۔ وہ کس کس طرح سے ظلم ہوئے ہیں وہ بھی ملاحظہ فرمائیں:

(1) اعلیٰ تعلیم میں صنفی فرق

درج ذیل اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

Lower rate of graduation

"There's a serious gender gap in higher education. And according to new findings from Pew Research Center, this gap only continues to widen. Women increasingly outpace men in college graduation and enrollment rates. According to the National Student Clearinghouse Research Center, women accounted for nearly 60% of all college students by the end of the 2021-2022 academic year."

According to the Wall Street Journal, men are dropping out of school at extremely high rates and have accounted for 71% of the enrollment decline at colleges and universities over the last five years. The continuation of this trend could have lasting impacts on the future workforce, as educational attainment directly correlates to employment outcomes.

Of the more than 2 million bachelor's degrees conferred by U.S. postsecondary institutions during the 2019-2020 academic year, 58% were awarded to women.

Jessica Bryant

https://www.bestcolleges.com/news/analysis/2021/11/19/women-complete-college-more-than- men/

اعلیٰ تعلیم کی سطح پر دونوں صنفوں کے درمیان بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ اور پیو ریسرچ سینٹر کی تحقیقات کے مطابق، یہ فرق بڑھتا ہی جارہا ہے۔ خواتین تیزی سے مردوں کو پیچھے چھوڑ رہی ہیں کالج کی گریجویشن میں (یعنی تعلیم مکمل کرنے میں) اور داخلہ لینے میں۔ نیشنل اسٹوڈنٹ کلیئرنگ ہاؤس ریسرچ سینٹر کے مطابق، 2021-2022 تعلیمی سال کے اختتام تک امریکہ کے تمام کالج کے طالب علموں میں لڑکیوں کا حصہ تقریباً 60 فیصد تھا۔ یعنی مرد صرف 40 فیصد ہی اعلی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

پھر تو یہ جنسی بنیادوں پر ظلم ہو گیا۔ عورتیں زیادہ تعلیم حاصل کر رہی ہیں مرد کم تعلیم حصل کر رہے ہیں۔ عورتوں کے داخلے زیادہ ہو رہے مردوں کے کم ہو رہے ہیں۔ لہذا اگر عدم مساوی نتیجہ کا مطلب محض ظلم ہے تو یہ ظلم مرد کے اوپر بھی ہوا ہے۔

وال سٹریٹ جرنل (یہ امریکہ کا بہت مشہور اخبار ہے) کے مطابق، مردوں میں تعلیم ادھوری چھوڑ کر کالج سے نکل جانے کا تناسب بہت زیادہ ہے، پچھلے پانچ سالوں میں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں داخلہ لینے کے بعد 71 فیصد مرد کالج اور یونیورسیٹی چھوڑ کر چلے گئے، تعلیم مکمل نہیں کی۔ اگر یہ سلسلہ اسی طرح باقی رہا تو مستقبل میں افرادی قوت پر بہت زیادہ پڑ سکتا ہے، (یعنی ملازمتوں کے مرد نہیں ملیں گے) اس لیے کہ تعلیمی صلاحیت ملازمتوں سے جڑی ہوئی ہے۔ جب تعلیمی صلاحیت نہیں ہو گی تو مرد پیچھے رہ جائیں گے اور عورتیں آگے نکل جائیں گی۔ تو کیا اس صورت میں مرد کے اوپر ظلم نہیں ہو رہا؟

2019-2020 کے تعلیمی سال میں امریکی پوسٹ سیکنڈری اداروں کی طرف سے 2 ملین سے زیادہ بیچلر ڈگریاں جاری کی گئیں، ان میں سے 58٪ ڈگریاں خواتین کو دی گئیں، باقی 42 فیصد مردوں کو دی گئیں۔ تو اس صورت میں مساوات کہاں رہی؟ اگر عدم مساوات کا مطلب ظلم ہے تو پھر مرد کے اوپر بھی ظلم ہوا ہے۔

(2) مرد زیادہ خودکشی کرتے ہیں بالمقابل عورت کے:

More suicides:

- One male dies by suicide every 13.7 minutes in the U.S.
- One female dies by suicide every 53.5 minutes in the U.S.
- There are 3.9 male deaths by suicide for each female death by suicide.
- There are three female attempts for each male attempt.

  https://save.org/about-suicide/suicide-statistics/

- In 2020, men died by suicide 3.88x more than women.

  https://afsp.org/suicide-statistics/

- امریکہ میں ہر 13.7 منٹ میں ایک مرد خودکشی سے مرتا ہے۔ لیکن ہر 53.5 منٹ میں ایک خاتون خودکشی کر لیتی ہے۔ یہاں پر دیکھیں کہ مرد تو جلدی خودکشی کر رہے ہیں اور عورتیں تاخیر کر رہی ہیں، ایسا کیوں ہے؟ انہیں ہر جگہ تو آگے جانا ہے پھر یہاں پر پیچھے کیوں چل رہی ہیں؟
- اگر خودکشی کی وجہ سے ایک خاتون کی موت ہوتی ہے تو مردوں کی طرف سے 3.9 کی خودکشی میں موت ہوتی ہے۔
- مرد ایک مرتبہ کوشش کرتا ہے جبکہ عورتیں تین مرتبہ کوشش کرتی ہیں۔ اس کے باوجود مرنے والوں میں عورتوں کی تعداد کم ہے، مردوں کی تعداد زیادہ ہے۔
- 2020 میں مردوں نے خواتین کے مقابلے میں 3.88 گنا زیادہ خودکشی کی ہے۔

یعنی مرد خودکشی کے ذریعہ زیادہ مر رہے ہیں۔ اس کے پیچھے کوئی تو مسئلہ ہوگا۔ کیونکہ کوئی بھی شخص خوشی میں تو خودکشی کرے گا نہیں۔ یقیناً کوئی نہ کوئی پریشان کر رہا ہوگا۔ یہ ٹینشن کون دے رہا ہے مرد کو؟ عورت بھی دے سکتی، معاشرہ بھی دے سکتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ کوئی نہ کوئی نفسیاتی فرق ضرور ہے کہ مرد اس ٹینشن کو برداشت نہیں کر پاتا ہے اور عورت کر لیتی ہے۔ یہ فرق خودکشی کے تناسب سے واضح ہوگیا۔ اگر مرد زیادہ مر رہے ہیں اور عورت نہیں مر رہی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ برابری نہیں ہے۔ مرد کے اوپر ظلم ہو رہا ہے اس لیے وہ اپنی جان دے رہا ہے۔ عورت ظلم نہیں ہو رہا ہے جب ہی تو کم جان دے رہی ہے۔

(3) جیل میں مردوں کی تعداد زیادہ ہے۔

https://www.bop.gov/about/statistics/statistics_inmate_gender.jsp

Inmate Gender

Statistics based on prior month's data -- -- Last Updated: Saturday, 4 February 2023

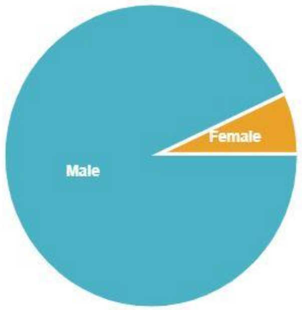

	Gender	# of Inmates	% of Inmates
■	Female	10,982	6.9%
■	Male	148,095	93.1%

جیل میں عورتوں کی تعداد بہت ہی کم ہے جبکہ مردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اس تصویر میں امریکہ کے اعداد و شمار پیش کئے جارہے ہیں چونکہ ان مسائل میں امریکہ اور یورپ ہی پوری دنیا کی قیادت کررہے ہیں۔ اور یہ اعداد و شمار 21 جنوری 2023 کا ہے یعنی گزشتہ ہفتہ کا۔ آپ دیکھیں کہ جیلوں میں عورتوں کی تعداد 6.9 فیصد ہے جبکہ مردوں کی تعداد 93.1 فیصد ہے۔

اب کوئی کہہ سکتا ہے کہ عورتیں جرائم نہیں کرتیں مرد زیادہ کرتے ہیں لہذا زیادہ وہی جیل میں ہوں گے۔ بات تو صحیح ہے لیکن مرد جرائم کرتے کیوں ہیں؟ اگر مرد و عورت کی صلاحیتوں اور دلچسپیوں میں کوئی فرق نہیں ہے تو پھر عورتوں کو بھی اتنے ہی جرائم کرنے چاہئیں جتنے مرد کرتے ہیں اور جب وہ جرائم کریں گی تو پھر ان کی تعداد جیلوں میں مردوں کے ہی برابر ہوگی۔ یہ فرق کیوں آیا؟ کیا یہ فرق مرد کے اوپر ظلم کی عکاسی نہیں کرتا کہ معاشرہ نے اس پر اس قدر ظلم کیا، اس کو تعلیم سے محروم کیا، اس کو ملازمت سے محروم کیا، یہاں تک کہ وہ جرائم پر مجبور ہوگیا۔ ظاہر ہے کہ جب وہ جرم کرے گا تو اسے ہی جیل بھی جانا ہوگا۔ تو کیا فیمنسٹ اس بات کو ماننے کے لیے تیار ہیں کہ مرد مظلوم ہے؟ اعداد و شمار تو یہی کہہ رہے ہیں۔

(4) سزامیں تفاوت:

Sentencing disparity:

In the United States men are most adversely affected by sentencing disparity being twice as likely to be sentenced to jail after conviction as women and receiving on average 63% longer jail sentences.

https://en.wikipedia.org/wiki/Sentencing_disparity

سزا کے اعتبار سے بہت بڑا فرق ہے۔ مردوں کو سزا زیادہ دی جاتی ہے جبکہ اسی جرم میں عورت کو سزا کم دی جاتی ہے۔ امریکہ میں مرد منفی اعتبار سے سزا دینے کے عمل سے زیادہ بری طرح متاثر ہوئے ہیں، اور اس طرح متاثر ہوئے ہیں کہ ایک ہی جرم میں مرد کو 63٪ زیادہ سزا سنائی گئی ہے عورت کے مقابلے میں۔۔

بیچارے مرد کو سزا بھی زیادہ دی جارہی ہے، 63 فیصد جیل میں بھی وہ زیادہ ہے، وہ تعلیم بھی حاصل نہیں کر پارہا ہے، وہ اسکول سے تعلیم مکمل کئے بغیر اپنا نام کٹوا رہا ہے، اس کی ملازمتوں پر اسے فرق پڑے گا، خودکشی وہ زیادہ کر رہا ہے لیکن پھر بھی مظلوم عورت ہے۔ یہ کہاں کا پیمانہ ہوا۔ اگر عدم مساوات ظلم کی بنیاد ہے تو پھر مرد سے بڑا کوئی مظلوم نہیں ہے۔

(5) ملازمت کی جگہ پر اموات

More workplace deaths

Even with the significant steps made to reduce workplace fatalities, 5,250 US workers died in 2018 because of occupational injuries, and 92% of the workers who died were men. The gender disparity in workplace fatalities has remained steady for the past 30 years.

https://www.publichealthpost.org/databyte/men-hard-at-work/

ملازمت کے دوران کام کرتے ہوئے زیادہ اموات مردوں کی ہوتی ہیں، عورتوں کی نہیں ہوتی ہیں۔

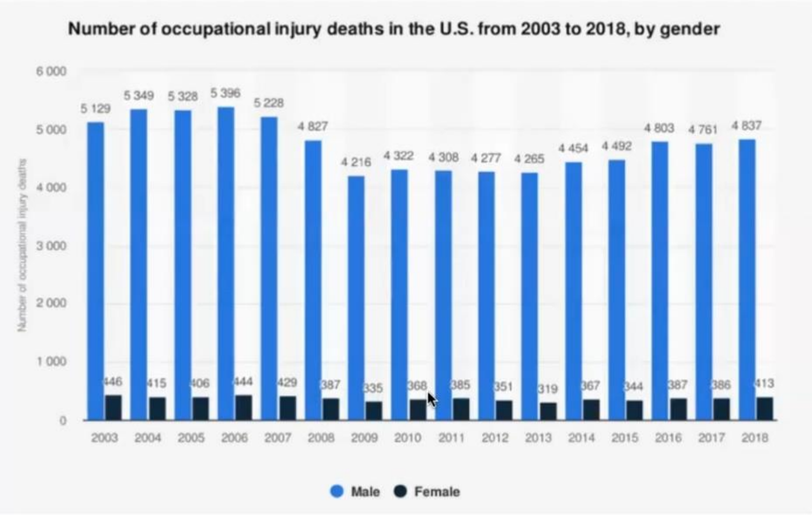

2018 میں 5,250 مردوں نے ملازمتوں کے دوران اپنی جان گنوائی ہے ، باوجود یہ کہ اس کو کم کرنے کے لیے اہم ترین اقدامات اٹھائے گئے تھے۔ اور مرنے والے کارکنوں میں سے 92فیصد مرد تھے۔یعنی عورتوں کی تعداد صرف 8 فیصد ہے۔ اور کام کی

جگھوں پر ہونے والی اموات میں صنفی تفاوت پچھلے 30 سالوں سے یہی چلا آ رہا ہے۔ یعنی گزشتہ 30 سالوں سے ایسا ہی ہوتا آرہا ہے کہ 92 فیصد مرد مرتے ہیں اور صرف 8 فیصد عورتیں مرتی ہیں۔

اوپر دیا گیا گراف گورنمنٹ کی ویب سے لیا گیا ہے۔ یہ گراف بتا رہا ہے کہ امریکہ میں 2003 سے 2018 تک کتنے مرد اور کتنی عورتیں مری ہیں۔ اس میں نیلی لائن مردوں کی ہے اور کالی لائن عورتوں کی ہے۔ ہر سال مرنے والوں میں مردوں کی تعداد 5 ہزار کے قریب ہے جبکہ عورتوں کی تعداد 3-4 سو کے قریب ہے۔ اس قدر عدم مساوات ہے۔ لہذا اگر عدم مساوات کو آپ ظلم سمجھتے ہیں کہ تو پھر تمام جگھوں پر عدم مساوات ظلم ہے۔ اور مذکورہ بالا تمام جگھوں پر مردوں کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے مرد پر ظلم ہوا ہے۔ اور مردوں کی زندگی کا معاملہ ہے، ایسا نہیں ہے کہ ان کے کچھ حقوق سلب ہو گئے ہیں، یہاں تو زندگی اور موت کا مسئلہ ہے، اس سے بڑھ لر تو کوئی مسئلہ ہو ہی نہیں سکتا۔ تو پھر یہ کہنا چاہئے کہ جتنا ظلم مردوں پر ہوا ہے اتنا ظلم تو کبھی عورت پر ہوا ہی نہیں۔ مرد عورت کا تحفظ کیے جا رہا ہے اور اس میں اپنی جان گنوا رہا ہے اور عورتوں کو یہ شکایت ہے کہ ہیمیں ہمارے حقوق نہیں مل رہے ہیں۔ تاریخ کے تمام ادوار میں مرد نے ہم پر ظلم کیا ہے۔ یہ اس سوال (کیا عدم مساوات پر مبنی نتائج کا مطلب ظلم ہے ؟) کا دوسرا جواب تھا۔ اگر ظلم ہے تو مرد مظلوم ہے، عورت مظلوم نہیں ہے۔

The Incoherence of Atheists

تہافت الملاحدة

نواں موضوع:

فیمنزم (Feminism)

درس نمبر: 04

تاریخ: 04 فروری 2023

فاضل محاضر: ڈاکٹر مفتی یاسر ندیم الواجدی صاحب

ضبط و ترتیب: راشد امین القاسمی

تصحیح و نظرثانی: محمد احمد نوروالا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلحمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِین وَ الصَّلَاۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الأَنبیاءِ وَ المرسَلِین وَ عَلٰی آلِہٖ وَ صَحبِہٖ أَجمعِین۔ أَمَّا بعدُ!

گزشتہ کلاس میں ہم گفتگو کر رہے تھے PATRIARCHY پر۔ اور PATRIARCHY کا ترجمہ پدر شاہی کیا گیا تھا، اسے آپ پدر نوازی بھی کہہ سکتے ہیں اور پدر پسندی بھی کہہ سکتے ہیں۔ پدر شاہی ایک منفی اصطلاح ہے لیکن اس کا ہی ہوتا ہے۔ Patriarchal Thesis یہ تھا کہ عورت کے اوپر ظلم ہو رہا ہے، عورت تاریخ کے تمام ادوار میں مظلوم رہی ہے اور اس کا ذمہ دار مرد ہے۔ اس لیے اس ظلم کے خاتمہ کے لئے فیمنزم ضروری ہے۔ بحیثیت مسلمان کے اور بحیثیت عقلمند انسان کے یہ ہر عاقل کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اس Patriarchal Thesis کو مسترد کر دے۔ گزشتہ درس میں ہم نے یہ ثابت بھی کیا تھا کہ اگر دونوں صنفوں کے درمیان عدم مساوات کا مطلب ظلم ہے تو پھر ایسی بہت ساری مثالیں ہیں جہاں عورتیں بہت آگے ہیں اور مرد بہت پیچھے ہیں، تو کیا فیمنسٹ اس بات کے لئے تیار ہیں کہ وہ مردوں کو مظلوم قرار دیں؟ ہر گز نہیں!

آج کا مسئلہ یہ ہے کہ اس فیمنزم کے پیچھے اصل اور بنیادی وجہ کیا ہے؟ فیمنزم کے پیچھے بنیادی وجہ عدم مساوات ہے ہی نہیں بلکہ درج ذیل وجوہات ہیں:

Patriarchy

- Core Issue: Does hierarchy mean oppression?
- Hierarchy is the nature of existence.
- Hierarchy is ubiquitous in all societies, including secular ones.
- Are men really interested in oppressing women?

- کیا درجہ بندی (Hierarchy) کا مطلب ظلم ہے؟

اگر کسی نظام میں درجہ بندی ہے تو کیا آپ یہ کہیں کہ اس نظام میں جن لوگوں کا درجہ سب سے اوپر یا سب سے بلند ہے وہ اپنے ما تحتوں کے اوپر ہمیشہ ظلم کر رہے ہیں، کیا کوئی یہ کہنے کے لیے تیار ہے؟ اگر آپ یہ کہنے کے لیے تیار ہیں تو پھر نہ تو دنیا کا کوئی ملک صحیح طرح باقی رہ سکتا ہے، نہ کوئی نظام صحیح سے باقی رہ سکتا ہے اور نہ ہی کوئی کمپنی باقی رہ سکتی ہے۔ ہر ملک میں یا تو صدر ہوتا ہے یا وزیر

اعظم ہوتا ہے۔ یہ ایک درجہ بندی ہے جس میں وزیر اعظم کا یا صدر کا مرتبہ دوسرے افراد اور وزراء سے بلند ہے باقی لوگ اس کے تحت کام کرتے ہیں۔ اور اس طریقہ سے پوری حکومت چلتی ہے اور پھر رعایا کے حق میں کام ہوتا ہے یہاں تک کہ جمہوریت میں بھی درجہ بندی ہے۔ یہی حال کمپنیوں کا بھی ہوتا ہے کہ اس میں سب سے اعلیٰ درجہ پر سی ای او ہوتا ہے، پھر سی او او ہوتا ہے، اس کے بعد بورڈ آف ڈائیرکٹر ہوتا ہے پھر دیگر کارکنان ہوتے ہیں، اور یہ سب لوگ کمپنی کو چلانے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اگر یہ درجہ بندی نہ ہو اور کمپنی کے چپراسی اور سی ای او دونوں کا درجہ ایک ہو تو وہ کمپنی اسی دن بیٹھ جائے گی۔ تو ہر نظام میں درجہ بندی ہوتی ہے۔ اور یہ درجہ بندی اس نظام کی صحت اور بقا کے لئے ایک بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔

ایسے ہی جب مرد و عورت بحیثیت خاندان کے ایک ساتھ رہتے ہیں تو خاندان بھی ایک نظام ہے، لہذا اس نظام کے اندر بھی درجہ بندی ضروری ہے۔ تو اگر اس نظام میں درجہ بندی کردی گئی اور اس میں مرد کو ایک درجہ زیادہ دے دیا گیا اس کی جسمانی و نفسیاتی صلاحیتوں کو سامنے رکھتے ہوئے تو اس میں مسئلہ کیا ہے؟ اس میں کوئی مسئلہ نہیں ہے، چونکہ یہی درجہ بندی کا نظام کمپنیوں میں چل رہا ہے یہی سیاست و حکومت میں بھی چل رہا ہے۔

البتہ کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ ہمیں وہ درجہ بندی اس لئے پسند ہے کہ وہاں پر کبھی مرد اور کبھی عورت اس پوزیشن پر آجاتے ہیں۔ مثلاً جمہوریت میں کوئی ایسا قانون نہیں ہے کہ صرف مرد ہی وزیر اعظم یا صدر بنے گا، عورت بھی وزیر اعظم اور صدر بن سکتی ہے۔ اسی طرح کمپنی کی سی ای او جس طرح مرد بنتا ہے بعض مرتبہ عورتیں بھی بن جاتی ہیں۔ لیکن اسلامی معاشرے کے خاندانی نظام میں آپ نے ایسی کوئی سہولت نہیں رکھی کہ کبھی مرد کو خاندان کا سربراہ بنالو اور کبھی عورت کو بنالو۔ آپ ہمیشہ یہی کہتے ہیں کہ مرد ہی کو خاندان کی سربراہی کا حق حاصل ہے اور اسی کو پدرشاہی کہا جاتا ہے۔ تو آپ نے ایک صنف کے ساتھ اس چیز کو خاص کردیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب حکومتوں میں یا کمپنیوں میں جب آپ اعلیٰ ترین درجے پر کسی کو فائز کرتے ہیں تو محض اس لیے نہیں کرتے ہیں کہ وہ کسی خاص طبقہ سے آتا ہے یا وہ کسی خاص رنگ و نسل کا ہے، بلکہ اس کی صلاحیت دیکھی جاتی ہے۔ مثلاً یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس کی اتنی زیادہ شہرت ہے کہ وہ اکثر لوگوں کے ووٹ لے لیگا اور اکثریت کے ساتھ جیت جائے گا اور پھر پارٹی اس کے اوپر اعتماد کرے تو پھر وہ وزیر اعظم بن جاتا ہے۔ کوئی بھی وزیر اعظم ہو وہ ترقی کرتا کرتا اور اپنی صلاحیتوں کے ثبوت دیتا ہوا وہاں تک پہنچتا ہے کہ پارٹی اس کے اوپر اعتماد کرتی ہے تب وزارتِ عظمیٰ کے چہرے کے طور پر اسے عوام کے سامنے پیش کرتی ہے۔ تو

صلاحیت اہم چیز ہے۔ یہی صورت حال کمپنیوں اور فیکٹریوں میں بھی ہوتی ہے۔ کمپنی یہ دیکھتی ہے کہ اس شخص کے اندر یہ صلاحیت ہے کہ یہ ہماری کمپنی کو ترقی دے سکتا ہے تو اسے اونچا درجہ دیا جا سکتا ہے، چاہے وہ صلاحیت مرد میں ہو یا عورت میں ہو۔ لیکن جب بات خاندانی نظام آتی ہے تو خاندان کو چلانے کے لیے آپ کو کسی بھی طرح کی تعلیمی لیاقت کی ضرورت نہیں ہے، خاندان کو چلانے کے لیے آپ کو کسی طرح کی شہرت اور ووٹنگ کی ضرورت نہیں ہے کہ آپ اپنی صلاحیت کو ووٹنگ کے ذریعے اور الیکشن کے ذریعے ثابت کریں۔ خاندان کو چلانے کے لئے آپ کو مضبوط اعضا اور مضبوط فیصلے لینے کی ضرورت ہے اور یہ صلاحیت فطری طور پر اور نفسیاتی طور پر مردوں کے اندر پائی جاتی ہے (اس کو آگے ثابت بھی کیا جائے گا) یہ صلاحیت عام طور سے مردوں کے اندر پائی جاتی ہے عورتوں کے اندر نہیں پائی جاتی یا کم پائی جاتی ہے۔ (یہ عمومی بات ہے، فرداً فرداً ہر مرد کا ہر عورت سے تقابل نہیں پیش کیا جا رہا) اسی وجہ سے تمام مذاہب اور تمام روایتی معاشرے پدرشاہی نظام کے قائل ہیں۔ تو جس طریقہ سے صلاحیت کی بنیاد پر آپ کمپنی کے سی ای او کا انتخاب کرتے ہیں یا ملک کے وزیر اعظم اور صدر کا انتخاب کرتے ہیں، خدا کے نظام نے صلاحیت کی بنیاد پر خاندان کے نظام کے لئے مرد کا انتخاب کیا ہے۔ بنیاد اور وجہ صلاحیت ہی ہے۔ اب آپ اس کو پدرشاہی کا نام دیں یا جو بھی نام دے دیں۔ یہ ہے دراصل وہ بنیادی وجہ کہ کسی بھی نظام کی بقاء کے لئے درجہ بندی ہونا ضروری ہے۔

- درجہ بندی (Hierarchy) ہی وجود کا ضامن ہے۔

انسانی وجود اسی وقت باقی رہ سکتا ہے جب درجہ بندی ہو۔ اگر آپ کسی ایسے ملک میں رہتے ہوں جہاں کوئی بڑا نہ ہو، کسی کے پاس طاقت نہ ہو، سارے لوگ برابر ہوں تو وہاں کے لوگ سب ایک دوسرے کو کچا چبا جائیں گے اور اس ملک کی صورت حال یہ ہوگی کہ ہر طرف افراتفری انارکی کا عالَم ہوگا۔ لوگ ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہوں گے۔ اگر پوری دنیا میں یہی نظام ہو کہ کسی کے پاس قیادت ہو ہی نہیں کوئی درجہ بندی ہی نہ ہو تو لوگ ایک دوسرے کو قتل کرکے ختم ہو جائیں، انسان کا وجود ہی ختم ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ درجہ بندی تمام معاشروں کے اندر رہی ہے، یہاں تک کہ سیکولر معاشروں کے اندر بھی یہ درجہ بندی ہے۔ چاہے آپ فرانس چلے جائیں، انڈیا چلے جائیں یا دنیا کے کسی دوسرے جمہوری نظام میں چلے جائیں جہاں پر بھی سیکولرزم ہے وہاں درجہ بندی ہے۔ اس کے بغیر کوئی بھی نظام باقی نہیں رہ سکتا۔

ایک ماہر نفسیات ہے جس کا نام ہے روبٹ نوزک (Robert Nozick)، اس نے ایک تصوراتی تجربہ کیا، اس تجربے کا نام ہے Wilt Chamberlain Thought Experiment اس میں روبرٹ نے ثابت کیا ہے کہ اگر آپ کوئی ایسا معاشرہ

قائم کریں جس میں صرف مساوات ہی مساوات ہو، ہر آدمی اپنی دولت میں اور اپنی طاقت میں برابر ہو، تو بھی ایسا معاشرہ زیادہ دنوں تک باقی نہیں رہ پائے گا۔ مساوات ختم ہو جائے گی اور درجہ بندی خود بخود آجائے گی۔ یعنی درجہ بندی ایک ایسی فطری چیز ہے کہ جیسے ہی آپ اس کو ختم کرکے ہر اعتبار اور ہر سطح پر مساوات لیکر آئیں گے تو فوری طور پر مساوات ختم ہو جائے گی اور درجہ بندی اس کی جگہ لے لیگی۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:

Hierarchy is must

Robert Nozick's *Wilt Chamberlain Thought Experiment*

The egalitarian theory, according to which only a strictly equal distribution of holdings is just. In this society, Wilt Chamberlain is an excellent basketball player, and many teams compete with each other to engage his services. Chamberlain eventually agrees to play for a certain team on the condition that everyone who attends a game in which he plays puts 25 cents in a special box at the gate, the contents of which will go to him. During the season, one million fans attend the team's games, and so Chamberlain receives $250,000. Now, however, the supposedly just distribution of holdings is upset, because Chamberlain has $250,000 more than anyone else. (Britannica)

درجہ بندی ضروری ہے۔

ولٹ چیمبرلین سن 80 کی دہائی کا ایک مشہور باسکٹ بال کھلاڑی ہے۔ ایک تاریخ کھلاڑی ہے اس لئے اس کا بڑا نام ہے۔ اس کے نام سے یہ تجربہ موسوم ہے۔

ایگلیٹیرین تھیوری کے مطابق جتنی بھی دولت انسانوں کے پاس ہیں اس دولت کو مکمل مساوات کے ساتھ تمام لوگوں کے درمیان تقسیم کرنا ہی انصاف ہے۔ (لبرلزم کے تحت اس نظریے کی تفصیلات گزر چکی ہیں)۔ اب ایک مفروضہ معاشرے کا تصور پیش کیا گیا جس میں ولٹ چیمبرلین ایک بہت ہی عظیم باسکٹ بال کا کھلاڑی ہے، اور ایسا کھلاڑی ہے بہت سی ٹیمیں اس کی خدمات حاصل کرنا چاہتی ہیں، ہر ٹیم یہ چاہتی ہے کہ وہ اس کے ساتھ کھیلے۔ (ٹیم کے تمام کھلاڑیوں کی تنخواہیں برابر ہوں گی، کیونکہ یہاں برابی کے مفروضے پر چل رہے ہیں) چیمبرلین بالآخر ایک ٹیم کے لیے کھیلنے پر راضی ہو جاتا ہے لیکن اس نے یہ شرط رکھی کہ جو شخص بھی وہ گیم دیکھنے کے لئے آئے گا جس میں چیمبرلین کھیل رہا ہے تو وہ گیٹ پر ایک خاص باکس میں 25 پیسے ڈال دے، پھر یہ سارے پیسے چیمبرلین کو مل جائیں گے۔ (چونکہ وہ ایک عظیم کھلاڑی ہے اس لیے وہ ایسا مطالبہ کر سکتا ہے) سیزن کے دوران ایک

ملین شائقین نے اس کے گیم دیکھے، اس طرح چیمبرلین نے دیگر ٹیم ممبران کے مقابلے میں 250,000$ زیادہ کمائے۔ یہاں مساوی تقسیم کا نظام مکمل طور پر تباہ ہو گیا کیونکہ چیمبرلین کے پاس دوسرے کھلاڑیوں کے مقابلے میں 250,000$ زیادہ ہیں۔ اور چونکہ طاقت اکثر زمانوں اور علاقوں میں دولت کے تابع رہی ہے تو جس کے پاس دولت زیادہ ہو گی اسی کے پاس طاقت بھی زیادہ ہو گی اور جس کے پاس طاقت زیادہ ہو گی وہی درجہ بندی میں سب سے اوپر ہو گا۔ لہذا مساوات ختم ہو گئی اور درجہ بندی پھر سے آ گئی۔

لہذا آپ اگر کوئی بھی ایسا معاشرہ تصور کریں جس کی شروعات مساوات پر ہو تو تھوڑا آگے چلتے ہی مساوات ختم ہو جائے گی اور اس کی جگہ درجہ بندی قائم ہو جائے گی۔ مثلا آپ نے ایک ملک بسایا جس میں ایک لاکھ باشندے ہیں اور ہر ایک کا درجہ اور دولت مساوی ہے، ہر ایک کا مکان ایک جیسا، ہر ایک کا کام ایک جیسا، ہر ایک کے پاس پیسہ برابر، کسی کو کسی چیز کا غم نہیں، اس کو بولتے ہیں یوٹوپیا(Utopia)۔ یہ بہت مشہور لفظ ہے۔ یعنی ایک ایسا مفروضہ علاقہ جہاں پر صرف خوشی ہی خوشی ہو اور کسی آدمی کو دوسرے کے اوپر کوئی ترجیح حاصل نہ ہو۔ تو سمجھ لیجیے کہ آپ نے ایک یوٹوپیا بسایا اور آپ جانتے ہیں کہ انسان کی فطرت یہ ہے کہ وہ اپنی انٹرٹینمنٹ کے لئے زیادہ پیسے خرچ کرتا ہے اور ہر ایک آدمی انٹرٹینمنٹ کر نہیں سکتا، یہ بھی انسان کی فطرت میں ہے۔ مثلا کسی کو انٹرٹینمنٹ کے نام پر کرکٹ پسند ہے، کسی کو باسکٹ بال پسند ہے تو کسی کو فٹبال پسند ہے، لیکن ہر آدمی کرکٹ بھی کھیلے، باسکٹ بال بھی کھیلے اور فٹبال بھی کھیلے یہ ممکن نہیں ہے۔ اب آپ اس یوٹوپیا کے باشندے ہیں جہاں 22 لوگ کرکٹ کھیلنا جانتے ہیں اور ان ایک لاکھ باشندوں میں کم و بیش 25 ہزار لوگ کرکٹ کے شائقین ہیں۔ اب ان 22 لوگوں نے 11-11 کی ٹیم بنا کر کرکٹ کھیلنا شروع کیا تو یہ کرکٹ کھیلنے والے تمام لوگ ان 25 ہزار شائقین کو انٹرٹینمنٹ فراہم کر رہے ہیں جو کرکٹ دیکھنے میدان میں آئے ہیں۔ اس یوٹوپیا کی جب شروعات ہوئی تھی تو سب کے پاس بالکل برابر پیسے تھے، لیکن ان کرکٹ کھیلنے والے کو شائقین نے انٹرٹینمنٹ کے نام پر پیسے دیئے، تو اس صورت میں کرکٹ کھیلنے والوں کے پیسے بڑھ گئے اور ان شائقین کے پیسے کم ہو گئے۔ لہذا جو معاشرہ یعنی یوٹوپیا مساوات کے نام پر قائم ہوا تھا وہ مساوات ایک دم ختم ہو گئی اور درجہ بندی پھر آ گئی۔ اور جیسے جیسے دولت بڑھے گی طاقت بھی بڑھے گی اور جن کے پاس طاقت ہو گی وہ درجہ بندی اپنے آپ کو اوپر رکھیں گے۔ لہذا ایسا معاشرہ کہ جس میں صرف مساوات ہی مساوات ہو، یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ کسی بھی نظام کی بقا کے لیے Hierarchy یعنی درجہ بندی ضروری ہے اور مساوات سمِ قاتل ہے۔ یہ Robert Nozick کا ایک بہت ہی عمدہ تصوراتی تجربہ ہے جس کے بنیاد پر آپ فیمنز کی اس بنیاد کو کہ "دونوں صنفوں کے درمیان مکمل مساوات ہونی چاہئے" کو بہت ہی آسانی ک ساتھ مسترد کر سکتے ہیں۔

پدر شاہی نظام پر تین سوالات

3-Questions on Patriarchy

1. **Are men really interested in oppressing women?**
2. **Are men more oppressive than women?**
3. **How a man can oppress a woman?**

یہ تین سوالات فیمنسٹ سے کیے جانے چاہئیں:

پہلا سوال: کیا واقعی مرد عورتوں کے اوپر ظلم کرنے میں کوئی دلچسپی رکھتے ہیں؟

یہ جو ان کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ عورت کے اوپر ظلم ہو رہا ہے اور ظالم صرف مرد ہوتے ہیں، عورت ہمیشہ مظلوم رہتی ہے، تو ہم فیمنسٹ سے یہ سوال کر سکتے ہیں کہ کیا واقعی مرد عورتوں کے اوپر ظلم کرنے میں کوئی دلچسپی رکھتے ہیں؟ کیا مردوں کو اس بات میں دلچسپی ہے کہ جو بھی عورتیں ان کی زندگی میں ہوں بس ان کے اوپر ظلم کیا جاتا رہے؟ یہ سوال ہر ایک آدمی اپنے آپ سے خود ہی کر سکتا ہے۔ کیونکہ ہر کسی کی زندگی میں الگ الگ کرداروں کے ساتھ عورت ہے۔ تو آپ ان کرداروں کے اوپر جو عورتوں کی شکل میں آپ کی زندگی میں ہیں، کیا آپ ان کے اوپر ظلم کرنا چاہتے ہیں؟ یا آپ ان کو تحفظ فراہم کرنا چاہتے ہیں؟ یا آپ ان کے لیے جان و مال کی قربانی دینا چاہتے ہیں؟ یا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ان کو جوتے کی نوک پر رکھیں اور آپ تو عیش و آسائش میں رہیں وہ نہ رہیں؟ آپ یہ چاہتے ہیں کہ ان کو ماریں پیٹیں، ذلیل کریں اور آرام نہ کرنے دیں؟ کیا یہ ساری چیزیں ممکن ہیں؟ ہرگز نہیں! اس سے یہ ثابت ہوا کہ جتنی بھی شکل میں عورتیں ہماری زندگی میں ہیں مرد فطری طور پر کسی بھی طرح عورتوں کے اوپر ظلم کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔

یہ سوال آپ کسی بھی عورت سے پوچھ سکتے ہیں، اس کا بھی جواب یہی ہو گا۔ الا یہ کہ اسے فیمنزم کی دوا گھول کر پلا دی گئی ہو، پھر تو وہ یہی کہے گی کہ جتنے مرد میری زندگی میں آئے ہیں وہ سب کے سب ظالم ہیں۔ لیکن اگر وہ عورت سلیم الفطرت ہے تو وہ کبھی بھی یہ جواب نہیں دے گی کہ تمام مرد عورتوں کے اوپر ظلم کرنے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ ہاں ان خواتین سے آپ یہ پوچھ سکتے ہیں کہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ جن مردوں نے تم پر ظلم کیا ہے، ہو سکتا ہے کہ تمہارا تجربہ ان مردوں کے ساتھ غلط رہا ہو؟ لیکن یہ کہنا

کہ ہر مرد ظالم ہوتا ہے، یہ درست نہیں ہے۔ اگر یہی بات ہے تو پھر معاشرہ میں ایسی بھی عورتیں ہیں جو دوسری عورتوں کے اوپر ظلم کرتی ہیں، تو پھر یہی ظلم والی داستان عورتوں کے تعلق سے کیوں نہیں کہی جاتی؟ ہاں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ کچھ مرد بھی ظالم ہوتے ہیں، کچھ عورتیں بھی ظالم ہوتی ہیں۔ یہ بات انصاف والی ہے۔ لیکن تمام کے تمام مرد عورتوں کے اوپر ظلم کریں، یہ انسانی تجربہ کے خلاف ہے۔ تو پہلا سوال تو یہ کیا جانا چاہیے۔

دوسرا سوال: کیا مرد عورتوں کے مقابلہ میں زیادہ ظالم ہیں؟

اگر مردوں کے تعلق سے ہم یہ مان بھی لیں کہ مرد ظلم کر رہے ہیں تو کیا مرد عورتوں کے مقابلہ میں زیادہ ظلم کرتے ہیں؟ اب اگر اس سوال کا جواب نہیں میں ہے کہ نہیں! مرد عورتوں کے مقابلے میں زیادہ ظلم نہیں کرتے یعنی مرد و عورت برابری کی سطح پر ظلم کرتے ہیں تو پھر بات ہی ختم ہو گئی۔ پھر فیمنسٹ نے عورتوں کو بھی ظالم مان لیا۔ اب پدر شاہی کا بھی کوئی مسئلہ نہیں رہا۔ لیکن اگر اس کا جواب ہاں میں ہو کہ مرد عورتوں کے مقابلہ میں زیادہ ظالم ہوتے ہیں تو اسی کو سیکسزم (Sexism) کہا جاتا ہے۔ Sexism کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی جنس یا صنف کی بنیاد پر ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا۔ مثلاً آپ یہ کہیں کہ سیاست میں مردوں کو عورتوں پر ترجیح دی جائے گی، یہ سیکسزم ہے۔ ہمارے نزدیک تو اس میں کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ لیکن سیکسزم بنیادی طور پر فیمنزم کے خلاف ہے۔ کوئی بھی فیمنسٹ سیکسسٹ (Sexist) نہیں ہو سکتا ہے۔ اگر وہ سیکسسٹ ہے تو فیمنسٹ نہیں ہو گا۔ یہ ایسا ہی ہے کہ کوئی بھی مؤمن کافر نہیں ہو سکتا، اگر کافر ہے تو مؤمن نہیں ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص مؤمن بھی ہو کافر بھی ہو، ایسے ہی ایک شخص فیمنسٹ بھی ہو سیکسسٹ بھی ہو یہ کیسے ممکن ہے۔ چونکہ فیمنزم کا مطلب ہے دونوں جنسوں کے درمیان مساوات، جب دونوں جنسوں میں مساوات ہے تو ہر چیز میں مساوات ہونی چاہیے ظلم کے اندر بھی مساوات ہونی چاہیے۔ اگر آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ مرد زیادہ ظالم ہوتے ہیں تو پھر آپ سیکسسٹ ہیں اور سیکسزم فیمنزم کے خلاف ہے۔ اور اسی عدم یکسانیت (Inconsistency) کو ہم ہمیشہ واضح کرتے ہیں کہ انسانوں کے بنائے ہوئے نظام میں کبھی بھی یکسانیت نہیں ہوتی، ان کے نظام ہمیشہ ٹوٹتے رہتے ہیں۔ ایک طرف یہ مساوات کی بات کرتے ہیں اور پھر اگلے ہی لمحہ مساوات کے خلاف کھڑے ہو جاتے ہیں۔

تیسرا سوال: مرد کس طرح عورت کے اوپر ظلم کرتا ہے؟

چلیں تھوڑی دیر کے لئے مان لیتے ہیں کہ ہر مرد عورت کے اوپر ظلم کرتا ہے، اب سوال یہ ہے مرد کے ظلم کرنے کی شکل کیا ہوتی ہے اور وہ کس طریقہ سے ظلم کرتے ہیں؟ فرض کریں کہ ایک مرد کی زندگی میں چار عورتیں ہیں، ماں، بہن، بیوی اور بیٹی۔

اور اس مرد کی زندگی میں بہت سے مرد دوست بھی ہیں۔ تو کیا یہ ممکن ہے اور کیا یہ انسانی فطرت کے مطابق ہے کہ وہ ان غیر مردوں کو جو کہ محض اس کے دوست ہیں، ان کو اپنے گھر کی عورتوں کے اوپر ترجیح دے؟ کیا یہ ممکن ہے؟ یہ انسانی فطرت کے خلاف ہے! مرد کی زندگی میں جو عورتیں ہیں وہ ہمیشہ ان عورتوں کو ترجیح دے گا دوسرے غیر مردوں کے مقابلے میں۔ اگر مرد عورت کے اوپر محض اس لئے ظلم کر رہا ہے کہ وہ عورت ہے تو پھر ہر غیر مرد کو اپنے گھر کی خواتین کے اوپر ترجیح دینی چاہئے۔ لیکن ایسا انسانی فطرت میں ہے نہیں۔

مثال کے طور میاں بیوی ایک گھر میں رہتے ہیں، گھر بڑا شاندار ہے، تمام آسائشیں ان کو حاصل ہیں۔ لیکن چونکہ مرد ظلم کرنے والا عورت کے اوپر تو وہ یہ کہتا ہے کہ ان تمام آسائشوں سے صرف میں نفع حاصل کروں گا، تمہیں یہ حق حاصل نہیں ہے۔ تمہیں دروازہ کے اوپر سونا ہے، تمہیں بچا کھچا کھانا ہے، تمہیں پھٹا پرانا کپڑا پہننا ہے، باقی ساری عیش و عشرت میری ہے اور انھیں صرف میں ہی حاصل کروں گا، کیا یہ ممکن ہے؟ یہ ممکن نہیں ہے! یہ انسانی فطرت کے خلاف ہے، یہ ظلم وہ کر ہی نہیں سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تاریخی اعتبار سے اگر ایک طبقہ نے دوسرے طبقہ کے اوپر کبھی ظلم کیا ہے تو اس طبقہ کو مظلوم بنائے رکھنے کے لئے ظالم طبقہ نے بہت کثیر مقدار میں سرمایہ خرچ کیا ہے۔ اگر وہ سرمایہ خرچ نہ کرے تو مظلوم طبقہ مظلوم نہ رہے بلکہ ظالم کے برابر آجائے۔ مثلاً جب انگریزوں نے بھارت پر قبضہ کیا اور یہاں اپنی حکومت قائم کی تو جتنے بھی بھارت کے باشندے تھے چاہے وہ ہندو ہوں، مسلمان ہوں یا پھر کسی اور مذہب سے تعلق رکھنے والے ہوں، وہ سب کے سب مظلوم بنے اور انگریز ظالم بنا۔ لیکن انگریز نے اپنے ظلم کو باقی رکھنے کے لئے بہت کثیر مقدار میں سرمایہ خرچ کیا۔ پورے متحدہ بھارت میں ریلوے لائن بچھائی گئی، تاکہ ان کی ملٹری کا سامان تیزی کے ساتھ ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ منتقل ہو سکے۔ انھوں نے اپنے ظلم کو باقی رکھنے کے لئے پورا ایک نظام بنایا، کمشنر، ڈسٹرک مجسٹریٹ اور عدالتی نظام وغیرہ قائم کیا اور اس میں انھوں نے ایک خطیر رقم خرچ کی تاکہ اپنے ظلم کو باقی رکھیں اور مظلوم کو مظلوم رہنے دیں۔ اگر وہ سرمایہ خرچ نہ کرتے تو مظلوم طبقہ بہت جلد ظالم کے برابر آجاتا ہے اور ظالم کا ظلم ختم ہو جاتا۔

اب اگر مرد خود سے متعلق عورتوں پر ظلم کرنا چاہے تو جب تک وہ خطیر سرمایہ خرچ نہ کرے تب تک وہ ان کو مظلوم برقرار نہیں رکھ سکتا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مرد سرمایہ خرچ تو کرتا ہے لیکن اس لئے نہیں کہ ان کو مظلوم باقی رکھے بلکہ سرمایہ اس لیے خرچ کرتا ہے کہ وہ ان کا دفاع کرے اور ان کو تحفظ دے۔ بجائے اس کے کہ وہ اپنے اوپر خرچ کرے اور اپنے ظلم کو باقی رکھے، وہ ان کے اوپر خرچ کرتا ہے۔ یہ تو انسانی فطرت کے خلاف ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آپ دیکھیں گے کہ جتنے بھی ظالم مرد اس دنیا میں گزرے ہیں ان کی زندگیوں میں عورتیں بھی تھیں جو ظلم میں برابر کی شریک تھیں۔ کیا ہٹلر کی زندگی میں عورتیں نہیں تھیں جو اس کا ساتھ دے رہی تھیں؟ کیا اس کی فوج میں عورتیں نہیں تھیں جو اس کا ساتھ دے رہی تھیں؟ آپ تاریخ میں جتنا بھی پیچھے چلے جائیں، بڑے سے بڑے ظالم کو دیکھ لیں، ہر ایک کی زندگی میں کچھ نا کچھ عورتیں ایسی تھیں جو ان کا ساتھ دے رہی تھیں۔ تو اگر مرد ظالم ہے تو ظالم طبقہ میں عورتیں بھی ہیں۔ تو پھر صرف مرد کو ہی ظلم اور ظالم کا سرٹیفکیٹ دیا جائے اور تاریخ کے تمام ادوار میں عورت کو مظلوم قرار دیا جائے، یہ خود عورت پر ایک ظلم ہے۔

یہ تین سوالات ہیں جن کے جواب اگر آپ فیمنزم کے نظریہ کے مطابق دیں گے تو وہ جواب ہمیشہ فطرت کے خلاف اور انسانی تاریخ کے مطالعہ کے خلاف ہوں گے۔ یہ تین سوالات بڑے اہم ہیں جو آپ کسی بھی فیمنسٹ سے کریں گے تو فیمنزم وہیں پر ڈھیر ہو جائے گا۔

چند اہم نکات

Patriarchy

- Patriarchal thesis is self-defeating. Thousands of years of oppression, but women have never defeated it.
- Women are the only class of people who have universally been victims of oppression since time immemorial.

  "but what about black people"!

- If men and women are equal in intelligence and ability, how did patriarchy arise in the first place?

- پدرانہ مقالہ (**Patriarchal thesis**) کا مطلب یہ ہے کہ مرد ظالم ہے اور تاریخ کے تمام ادوار میں عورت مظلوم ہے۔ یہ پدرانہ مقالہ خود اپنے آپ کے لئے تباہ کن ہے۔ وہ کیسے؟ ہمارا سوال یہ ہے کہ اگر تاریخ کے تمام ادوار میں عورت مظلوم رہی ہے اور مرد نے اس پر ظلم کیا ہے تو خواتین نے اس ظلم کے خلاف آواز کیوں نہیں اٹھائی؟ احتجاج کیوں نہیں کیا؟ ہم کیوں دیکھتے ہیں کہ جو پہلی مرتبہ سب سے مضبوط آواز اٹھی وہ آج سے 150 سال پہلے اٹھی؟ اور نظریہ ارتقاء کے مطابق انسانی

معاشرہ گزشتہ ایک لاکھ سال سے ہے، ان ایک لاکھ سالوں میں عورت نے کبھی احتجاج نہیں کیا، اپنے حق میں آواز نہیں اٹھائی، یہاں تک کہ جب جدیدیت کا دور آیا تو پھر عورت کو یہ احساس ہوا کہ اس پر ظلم ہو رہا ہے اور اس کا استحصال کیا جارہا ہے اب جا کر اس نے آواز اٹھائی۔ اگر آپ اس نظریے کو لیکر چل رہے ہیں تو یہ فیمنسٹ عورتیں یہ مان کر چل رہی ہیں کہ تاریخ کے تمام ادوار میں عورت بے وقوف تھی، وہ عقل تھی، اس کو یہ بات سمجھ ہی نہیں آرہی تھی کہ اس کے اوپر ظلم ہو رہا ہے اور اس کا استحصال کیا جارہا ہے۔ وہ اس ظلم کو برداشت کرتی رہی اور استحصال کی چکی میں پستی رہی، یہاں تک کہ 150 سو سال پہلے اس کو عقل آئی اور اس نے پھر اس ظلم کے خلاف آواز اٹھائی۔ اور یہ بات فیمنزم کے خلاف ہے۔ چونکہ فیمنسٹ خود اس بات کو تسلیم کر رہے ہیں کہ تاریخ کے جملہ ادوار میں عورت بیوقوف رہی ہے، اس لئے اس کو اپنے اوپر ہونے والے ظلم کا احساس بھی نہیں رہا۔ جب آپ نے عورت کو بیوقوف اور کم عقل مان لیا تو پھر مساوات کیسی؟ کیونکہ ظالم کے پاس ظلم کرنے کے لئے عقل کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ چالیں چل سکے اور تاریخ کے تمام ادوار میں مرد چالیں چلتے آرہے تھے ور عورت ان چالوں کے سامنے بے بس تھی، اگر ہم **Patriarchal Thesis** کو مان لیں۔ تو **Patriarchal Thesis** دراصل ایک **Misogyny Thesis** ہے۔ **Misogyny** کا معنی ہے عورت کے ساتھ عورت ہونے کی وجہ سے امتیازی سلوک کرنا۔ مسوجنسٹ ہر وہ شخص ہے جو عورت کے ساتھ عورت ہونے کی وجہ سے تعصب برتے۔ لہذا یہ فیمنسٹ جو خود کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ ہم تو عورتوں کے حقوق کے لئے لڑ رہے ہیں اور مرد و عورت کے درمیان ہم مساوات چاہتے ہیں یہ خود مسوجنسٹ ہیں جنہوں نے تاریخ کی تمام عورتوں کو حقیر جانا اور ان پر ہونے والے ظلم کو درست ثابت کرنے کے لئے انہیں بیوقوف اور بے عقل قرار دے دیا۔ بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر **Patriarchal Thesis** یہ کہتا ہے:

- خواتین کا طبقہ ہی واحد ایسا طبقہ ہے جس کے اوپر ہمیشہ سے ظلم ہوا ہے، چاہے آپ تاریخ میں کتنا ہی پیچھے چلے جائیں، اتنی دور چلے جائیں کہ جس کا ہمارے پاس کوئی تاریخی رکارڈ نہیں ہے وہاں بھی عورت کے اوپر ظلم ہو رہا تھا۔ عورت کا ہی طبقہ ہے جس کے اوپر علی الاطلاق ظلم ہوا ہے۔ یہ ہے **Patriarchal Thesis**۔

کچھ لوگ کہہ سکتے ہیں کہ سیاہ فام لوگوں کا کیا، ان کے اوپر بھی تو ظلم ہوا ہے، کیونکہ وہ تو یورپ میں بھی غلام تھے، عرب میں بھی غلام تھے، وہ امریکہ میں بھی غلام تھے، افریقہ سے اٹھا کر انہیں دوسرے ملک لے جایا گیا تاکہ وہ دوسرے کے کھیتوں میں کام کریں۔ تو تاریخ کے تمام ادوار میں کالوں کے اوپر بھی تو ظلم ہوا ہے، لہذا عورت اکیلی مظلوم نہیں ہے۔ فیمنسٹ کا جواب ہے کہ یہ کس نے کہہ دیا کہ صرف عورت کے اوپر ہی ظلم ہو رہا تھا بلکہ سیاہ فام لوگوں کے اوپر بھی ظلم ہو رہا تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تاریخی اعتبار سے غلط ہے۔ آپ اگر افریقہ کی تاریخ کا مطالعہ کریں گے تو آپ یہ پائیں گے کہ ایک زمانے میں سیاہ فام لوگوں کے پاس وہی طاقت و قوت تھی جو آج گوروں کے پاس ہے بلکہ وہ گوروں کو غلام بنایا کرتے تھے۔ آپ بربر کی تاریخ پڑھیں، اسی طریقے سے عثمان دان فوتیوں کی سوانح کا مطالعہ کریں، یا مالی امپائرز کے بارے میں پڑھ لیں، یا نجاشی کے بارے میں پڑھ لیں، یہ سب لوگ کون تھے؟ ان سب کا تعلق سیاہ فام نسل سے تھا۔ یہ سب کالے تھے، افریقی تھے۔ ان لوگوں نے گوروں کو غلام بنایا ہوا تھا، ان کے پاس طاقت تھی، ان کے پاس اقتدار تھا، ان کے پاس دولت تھی۔ ایک افریقی بادشاہ کے پاس تو اتنا زیادہ سونا تھا کہ آج کی تاریخ میں کسی ملک کے پاس اتنا زیادہ سونا نہیں ہے۔ تو یہ طاقت و قوت کالوں کے پاس رہی ہے۔ لہذا یہ کہنا کہ تاریخ کے ہر دور میں کالوں پر بھی ظلم ہوا ہے اور عورتوں پر بھی ظلم ہوا ہے، یہ درست نہیں ہے۔ کالوں کے اوپر ہمیشہ ظلم نہیں ہوا، ہاں! موجودہ دور میں ہوا ہے۔ لہذا جب یہ بات طے ہوگئی تو اب صرف عورت بچی کہ جو **Patriarchal Thesis** کے مطابق ہمیشہ مظلوم رہی، لہذا ہمیشہ ہی بیوقوف رہی۔ اور جب ہمیشہ بیوقوف رہی تو پھر اس سے بڑھ کر **Misogyny** اور کیا ہو گی؟ اس سے بڑھ کر عورت کے ساتھ امتیازی اور کیا ہو گا؟ اس لئے ہم یہ کہتے ہیں کہ **Patriarchal Thesis** خود اپنی ذات کے لئے ہی تباہ کن ہے۔ ایک اور دلیل ملاحظہ فرمائیں:

- یہ بات پہلے آئی تھی کہ فیمنزم کی دوسری لہر سے یہ بات چلائی گئی کہ مرد و عورت کے درمیان طبعی فرق نہیں ہے بلکہ یہ جو فرق آپ دیکھ رہے ہیں یہ معاشرے کی پیداوار ہے۔ معاشروں نے یہ فرق پروان چڑھائے اس لیے مرد اور عورت کے درمیان یہ فرق ہو گیا، اگر ہم ایسا معاشرہ تشکیل دیں جس میں مرد و عورت کے درمیان کوئی فرق نہ ہو تو اگرچہ تھوڑا وقت ضرور لگے گا لیکن آخر کار ایسا مرحلہ آئے گا کہ مرد و عورت کے درمیان مساوات فطری ہو جائے گی۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ دونوں صنفوں کے درمیان موجودہ فرق دراصل معاشرتی پیداوار کا نتیجہ ہے، یہ طبعی اور فطری نہیں ہے۔

تو اب ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ مردوں کے اندر جارحیت زیادہ ہے، جیسے بعض موضوعات مثلاً فزکس وغیرہ میں مرد زیادہ ذہین ہوتے ہیں عورتوں کے مقابلے میں، عورتوں کے اندر جارحیت کم ہوتی ہے، اگر یہ طبعی فرق نہیں ہے تو پھر یہ فرق کیسے پیدا ہوا؟ تو اس سلسلہ میں بھی فیمنسٹ یہی کہتے ہیں کہ یہ بھی معاشرہ کی پیداوار ہے۔ اگر ہم ایسی سوسائٹی بنادیں کہ جس میں بچہ پیدا ہو تو ہم اسے گڑیا دیں اور بچی پیدا ہو تو ہم اس کو گاڑیاں دیں کھلونے کے طور پر، پھر کبھی لڑکی دے دی تو لڑکے کو

گاڑیاں، اس طرح جب یہ بچے بڑے ہوں گے اور اس طریقے سے نسل در نسل یہ سلسلہ چلتا رہے تو آخر کار ایسا معاشرہ وجود میں آجائے گا جس میں آپ یہ نہیں کہہ سکتے مردوں کے اندر جارحیت زیادہ ہے اور عورتوں کے اندر جارحیت کم ہے۔

تو اب ہم ان سے یہ سوال کرتے ہیں کہ وہ معاشرہ جس نے مرد و عورت کے درمیان یہ فرق پیدا کیا وہ کب وجود میں آیا؟ تو فیمنسٹ یہ کہتے ہیں کہ وہ معاشرہ بہت پہلے وجود میں آیا۔ آپ تاریخ میں پیچھے چلتے چلے جائیں تو آپ کو ایک ایسا دور بھی ملے گا جس میں مرد و عورت جسامت میں بھی برابر تھے اور ضخامت میں بھی برابر تھے، ہر اعتبار سے برابر تھے۔ لیکن پھر شکاری معاشرے نے مردوں کو شکار پر لگا دیا اور عورتوں کو چھوڑ دیا۔ اب ارتقاء کے نتیجہ میں چونکہ مرد شکار کرتے آرہے تھے اور ہزاروں سالوں تک شکار کرتے رہے تو اس ارتقاء کے نتیجے میں، اس ضرورت کے نتیجہ میں مردوں کی جسامت اور ضخامت اپنی جگہ رہی اور عورت چونکہ شکار پر نہیں لگی تھی تو ان کی جسامت و ضخامت کم ہوتی گئی۔ ورنہ تاریخ کے اُس دور میں ضخامت و جسامت کے اعتبار سے مرد و عورت بالکل برابر تھے۔ یہ فیمنسٹ کی طرف سے جواب ہوتا ہے۔

تو سوال یہ ہے کہ ہم اگر آپ کے اس مفروضے کو درست مان لیں تو سوال یہ ہے کہ اُس شکاری معاشرے نے مردوں ہی کو شکار پر کیوں لگایا، عورتوں کو کیوں نہیں لگایا؟ کوئی نہ کوئی تو وجہ ہو گی؟ بقول آپ کے اگر اس شکاری معاشرے سے پہلے مرد و عورت کی جسامت و ضخامت ایک جیسی تھی تو پھر ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ دونوں کو شکار پر لگا دیا جائے تاکہ جتنے زیادہ افراد ہوں گے اتنا ہی شکار آسان ہو گا تو دونوں ہی شکار کرتے؟

اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ عورت کے شکار پر نہ جانے کی وجہ یہ ہے کہ عورت ہر وقت مہیا نہیں ہوتی ہے چونکہ کبھی وہ حمل سے ہوتی ہے، کبھی اس کو بچے پالنے ہیں تو ظاہر ہے کہ ہمیشہ اس کے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ وہ روزانہ جنگل جائے اور جانوروں کا شکار کرے۔ مرد کے ساتھ اس طرح کے عوارض لاحق نہیں ہوتے اس لیے وہ شکار کرتے رہے۔ تو اس کے جواب ہم کہتے ہیں کہ ہم بھی تو یہی کہہ رہے ہیں کہ یہ فرق معاشرے کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ طبعی طور پر یہ فرق ہے۔ کیا معاشرے نے یہ طے کیا تھا کہ عورت حاملہ بنے گی اور مرد نہیں؟ کیا معاشرے نے یہ طے کیا تھا عورت دودھ پلائے گی اور مرد نہیں؟ یہ تو طبعی اور فطری فرق ہے۔ تو آپ نے خود ہی تسلیم کر لیا کہ مرد اور عورت کے درمیان ہمیشہ سے جو فرق رہا ہے وہ در اصل طبعی اور فطری رہا ہے، اس کا معاشرے سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔

- پدررانہ مقالہ (Patriarchal Thesis) کے تعلق سے ایک چیز بہت اہم ہے، وہ یہ کہ مردوں کے اوپر یہ جو الزام لگایا جاتاہے کہ مرد میں چونکہ جارحیت زیادہ ہوتی ہے اس میں طاقت زیادہ ہوتی ہے تو وہ عورتوں کو دبا کر رکھتاہے اور عورت کے اوپر ظلم کرتاہے۔ میں یہ سوال کرتا ہوں کہ کیا ظلم کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ آپ سامنے والی کی ہڈیاں توڑیں، تبھی آپ ظالم کہلائیں گے اور سامنے والا مظلوم کہلائے گا؟ اگر ظلم کرنے کے لئے یہ ضروری ہے تو پھر اس کو ثابت کیاجائے کہ ظلم کا تحقق اسی وقت ہو گا جب ظالم مظلوم کی ہڈیاں توڑ دے۔ اس کے اوپر تشدد کرے۔ اگر آپ اس چیز کو ثابت کر دیں تو پھر آپ کا مدعا ثابت ہو جائے گا کہ مرد ظالم ہو سکتاہے چونکہ مرد طاقت ور ہے عورت کے مقابلے میں۔ لیکن اگر قدرت نے مرد کو طاقت زیادہ دی ہے، قوت اور جارحیت میں مرد بڑھا ہوا ہے تو پھر دوسری طرف جذبات میں عورت بڑھی ہوئی ہے۔ اگر مرد اپنی طاقت کی بنیاد پر دوسرے کو نقصان پہنچاسکتاہے تو عورت اپنے جذبات کی بنیاد پر اپنے سے کمزور کو یا اپنے جیسے کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔ اور جذباتی نقصان زیادہ بڑھا ہوتا ہے جسمانی نقصان کے مقابلہ میں۔ کیونکہ جسمانی نقصان کی تلافی بہت جلد ہو جاتی ہے مثلاً کسی کی ہڈی ٹوٹی اور اس نے پلاسٹر کرالیا تو ایک ڈیڑھ مہینے کے اندر اندر وہ ٹھیک ہو جاتاہے، لیکن اگر ایک شخص کے ذہن اور جذبات کو پراگندہ کر دیا جائے اور سامنے والا اس کو ذہنی طور پر ٹارچر کرتا رہے تو کتنے ہی مرد ایسے ہیں جو ڈپریشن کا شکار ہو گئے۔ لہذا جس طریقے سے مرد عورت کو جسمانی طور پر نقصان پہنچاسکتاہے، بالکل اسی طرح ایک عورت مرد کو جذباتی طور پر نقصان پہنچاسکتی ہے۔ لہذا یہ کہنا کہ مرد ظالم ہوتے ہیں اور عورتیں ظالم نہیں ہوتیں، یہ بنیادی طور پر غلط ہے۔

آگے کی گفتگو طبعیات (Biology) سے متعلق ہے چونکہ فیمنسٹ نے دوسری لہر سے یہ پروپیگنڈا کرنا شروع کیا کہ مرد وعورت کے درمیان جتنے طریقے کے بھی فرق پائے جاتے ہیں وہ مکمل طور پر social construct کا نتیجہ ہیں، اس میں بیالوجی کا کوئی کردار نہیں، اس میں طبعی یا فطری کوئی سبب موجود نہیں ہے۔ تو اب ہمیں یہ بات سمجھنی ہے کہ کیا سائنسی اعتبار سے یہ بات درست اور ممکن ہو سکتی ہے یا نہیں؟

Nature vs. Nurture

Feminists say, gender differences are just a social construction. It is a prejudice that must be eliminated.

Costa, Paul: Gender differences in personality traits across cultures

https://www.researchgate.net/publication/11825676_Gender_Differences_in_Personality_Traits_Across_Cultures_Robust_and_Surprising_Findings

فطرت بنام تربیت

فیمنسٹ کا کہنا ہے کہ صنفی فرق صرف ایک معاشرہ کی پیداوار ہے۔ یہ ایک تعصب ہے جس کا خاتمہ ضروری ہے۔

فیمنسٹ ویسے تو سائنس کی راگ الاپتے رہتے ہیں کہ جی سائنس کی بنیاد پر خدا کو ثابت نہیں کیا جاسکتا وغیرہ۔ لیکن جب بات فیمنزم اور ہم جنسی پرستی کی آتی ہے تو پھر وہ کہنے لگتے ہیں کہ اب سائنس اور بیالوجی کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ جب ارتقاء کی بات ہوگی تو بیالوجی ہی سب سے اہم چیز ہے، لیکن جب حقوق کی بات کر رہے ہیں، جب جینڈر رول کی بات کر رہے ہیں، جب یہ بات کر رہے ہیں کہ معاشرہ میں مرد کا کیا کردار ہوگا عورت کا کیا کردار ہوگا، پھر سائنس کی کوئی حیثیت نہیں، نہ ہی بیالوجی کی کوئی حیثیت ہے بلکہ اب تو ہم بات کریں گے معاشرے کے اوپر۔ یہ ان لوگوں کا دوغلہ پن ہے۔

یہ بات یاد رکھیں کہ ہماری زندگی میں جس طریقے سے اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا ایک بنیادی کردار ہے، ایسے ہی تربیت کا بھی کردار ہے۔ یعنی ہمارا معاشرہ جو ہماری تربیت کرتا ہے اس کا بھی ہماری زندگی میں کردار ہے۔ اسلام دونوں چیزوں کی اہمیت کو تسلیم کرتا ہے۔ صحبت سے آپ اپنی شخصیت کے اوپر اچھا اثر بھی ڈال سکتے ہیں اور برا اثر بھی ڈال سکتے ہیں۔ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہماری فطرت میں ودیعت کر دی ہیں، ہم اس فطرت کو تبدیل نہیں کر سکتے۔ چنانچہ اسلام میں **Nature**(فطرت) کی بھی اہمیت ہے اور **Nurture**(تربیت) کی بھی اہمیت ہے۔ دونوں ہی چیزیں بنیادی طور پر اہمیت رکھتی ہیں۔ لیکن فیمنسٹ کے نزدیک جینڈر رول (**Gender Role**) کے تعلق سے اور مرد و عورت کے درمیان فرق کے تعلق سے **Nature**(فطرت) کی کوئی اہمیت نہیں ہے، صرف **Nurture**(تربیت) کی اہمیت ہے کہ مرد و عورت کی تربیت اس طرح ہوئی ہے کہ مرد ظالم بن گیا ہے اور عورت مظلوم بن گئی۔ مرد نے اپنے لئے آرام پسندی اور اچھی ذمہ داریاں پسند کر لیں اور عورت کو ظلم کی چکی میں پیس دیا اور اس کو دوسرے درجہ کا شہری بنا دیا۔ لہٰذا فیمنسٹ کے نزدیک اس چیز کو ختم کرنا ضروری ہے۔

اس کے لئے میں ایک تحقیقی مقالہ کا حوالہ پیش کر رہا ہوں۔ یہ بڑا زبردست ریسرچ پیپر ہے۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ اگر واقعی مرد و عورت کے درمیان جو فرق پایا جاتا ہے اس کی بنیاد سوسائٹی کے اوپر ہو معاشرے کے اوپر ہو، تو پھر یہ فرق ہر سوسائٹی میں نہیں پایا جائے گا۔ بلکہ ہر جگہ عدم یکسانیت رہے گی یعنی کہیں یہ فرق موجود ہوگا، کہیں موجود نہیں ہوگا۔ کیونکہ دنیا کی تمام سوسائٹیاں ایک ہی طرح سے تو نہیں چلتیں۔ ایک سوسائٹی آسٹریلیا میں رہتی ہے اور دوسری سوسائٹی کینیڈا کے پہاڑوں میں رہتی

ہے، دونوں کے درمیان کوئی رابطہ نہ ہو یا ایک سوسائٹی سائبیریا میں رہتی ہے دوسری افریقہ میں رہتی ہے، دونوں کے درمیان کوئی رابطہ نہیں ہوا، اور ہزاروں اور لاکھوں سال سے نہیں ہوا۔ تو پھر ان دونوں معاشروں کا طریقہ اور رویہ بھی بالکل مختلف ہو گا۔ لیکن اگر یہ فرق تمام معاشروں میں یکساں طور پر پایا جاتا ہے، آسٹریلا کا معاشرہ ہو یا کینیڈا کا معاشرہ ہو، سائبیریا کا معاشرہ ہو یا امریکہ کا معاشرہ ہو، قدیم معاشرہ ہو یا جدید معاشرہ ہو اگر یہ فرق تمام معاشروں کے اندر یکساں طور پر پایا جاتا ہے اور **consistency** کے ساتھ پایا جاتا ہے تو یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اس فرق کی بنیاد **social construct** نہیں ہے بلکہ بیالوجی ہے۔ یعنی بیالوجیکلی فطری اور طبعی طور پر ہماری پیدائش اسی طریقے سے ہوئی ہے کہ مردوں کے اندر الگ طریقے کے ہارمونز ہیں اور عورتوں کے اندر الگ طریقے کے ہارمونز ہیں۔ مردوں کے کروموزومز الگ ہیں، عورتوں کے کروموزومز الگ ہیں۔ جب کروموزومز الگ ہیں، ہارمونز الگ ہیں تو ظاہر ہے کہ اس کا اظہار بھی الگ انداز سے ہو گا۔ اسی تحقیقی مقالہ کے دو اقتباس آپ کے سامنے پیش کئے جا رہے ہیں جس سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ اس کی اصل حقیقت کیا ہے؟

Cross-Cultural Perspectives

Pancultural Patterns of Gender Differences

Cross-cultural studies can provide crucial evidence on the relative importance of biological versus cultural factors in gender differences in personality traits. If they are in fact biologically based, the same differences ought to be seen in all cultures, so pan cultural gender differences would provide evidence for a bio-logical basis. This might consist of direct effects on personality traits, mediated through neurological or hormonal differences be-tween the sexes. But it is also possible that pan cultural gender differences result from universals in learned gender roles. For example, because men in all cultures are physically stronger than women, they may universally be assigned roles as leaders, and in these roles may learn to become more assertive than women. Cross-cultural studies would be most revealing if they showed no consistency in gender differences; strictly biological explanations would essentially be ruled out by such findings.

Relatively few cross-cultural data are currently available. Fein-gold (1994) examined normative data from the Personality Re-search Form (Jackson, 1974) to explore gender differences in seven personality traits across six nations. He concluded that differences were generally invariant across nations.

https://www.researchgate.net/publication/11825676_Gender_Differences_in_Personality_Traits_Across_Cultures_Robust_and_Surprising_Findings

کراس کلچرل کا نظریہ

صنفی فرق کے بین المعاشرتی معیارات

مرد وعورت کی شخصیتوں میں کے درمیان پایا جانے والے فرق کی بنیاد بایولوجی ہے یا کلچر ہے، اس کا جواب جاننے کے لئے بین المعاشرتی مطالعہ ایک اہم ثبوت فراہم کر سکتا ہے۔ اگر اس فرق کی بنیاد بیالوجی ہے تو یہ فرق تمام معاشروں میں نظر آئے گا۔ لہذا بین المعاشرتی صنفی فرق یہ بتائے گا کہ اس فرق کی بنیاد بیالوجی ہے یا کچھ اور ہے۔ اس سے ہمیں یہ پتہ چلے گا کہ ہارمونل (Hormonal) اور نیورولوجیکل (Neurological) فرق کی وجہ سے مرد وعورت کی شخصیات میں کیا فرق پڑا۔ (یعنی عوتوں کے ہارمونز الگ ہیں مردوں کے الگ، عورتوں کی ذہنی صلاحیت الگ ہے مردوں کی الگ) (یہ تحقیق پیش کرنے والے بھی چونکہ ان ہی مغربی معاشروں سے آتے ہیں جہاں جدیدیت ہے، تو یہ کہیں نہ کہیں کوئی ایسا سراغ چھوڑ دیتے ہیں جس سے دوسری جانب کے لوگ بھی ناراض نہ ہوں۔ چنانچہ وہ آگے لکھتا ہے) یہ بھی ممکن ہے کہ تمام معاشروں میں مرد وعورت کے درمیان پایا جانے والا فرق دراصل کچھ ایسے کلی اصولوں کی بنیاد پر پایا جارہا ہو جسے تمام معاشروں نے قبول کر لیا۔ (یعنی یہ کلی اصول ضروری نہیں ہے کہ بیالوجی کی وجہ سے ہوں، ہو سکتا ہے بیالوجی کی بنیاد پر ہوں یا یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اصول معاشرے کی بنیاد پر ہوں۔ یعنی امکان ہے کہ یہ فرق معاشرے کی وجہ سے ہوں لیکن اصل وجہ ہے بیالوجی) مثال کے طور پر تمام معاشروں میں مرد جسمانی اعتبار سے زیادہ طاقت ور ہوتے ہیں عورتوں کے مقابلے میں، لہذا یہ کلی اصول تسلیم کر لیا گیا کہ قیادت کا کردار مرد کو دیا جائے گا عورت کو نہیں دیا جائے گا۔ اور جب قیادت کا کردار مرد کو دے دیا گیا اور مستقل دیا جاتا رہا تو مرد زیادہ پر اعتماد بن گئے عورتوں کے مقابلہ میں۔ بین المعاشرتی مطالعہ ایک اہم ترین ثبوت فراہم کرے گا اگر ہمیں اس مطالعہ سے یہ پتہ چلے کہ مرد وعورت کے درمیان پایا جانے والے فرق میں الگ الگ معاشروں میں کوئی یکسانیت نہیں ہے۔ اگر ہمیں ایسے ثبوت مل گئے تو ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ مرد وعورت کے درمیان پایا جانے والے فرق کی بنیاد بیالوجی نہیں ہے بلکہ معاشرہ ہے۔ لیکن اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ تمام معاشروں کے درمیان یہ یکسانیت رہی ہے، مرد وعورت کے درمیان فرق رہا ہے تو پھر اس کی بنیاد بیالوجی ہے نہ کہ معاشرہ۔

یہ تو سمجھ لیجیے کہ اس دلیل کا مقدمہ ہو گیا، آخری پیراگراف میں اس دلیل کا نتیجہ ہے، ملاحظہ فرمائیں:

بین المعاشرتی ڈیٹا فی الحال تھوڑا ہی دستیاب ہے۔ اس میں ایک ڈیٹا فین گولڈ کا ہے جو 1994 اس نے سروے کیا تھا، دراصل جیکسن نے 1974 میں ایک پرسنالٹی ریسرچ فارم بنایا تھا اور ایک سروے کیا تھا، اس سروے سے جو ڈیٹا حاصل ہوا تھا اس کی

بنیاد پر نتائج اخذ کیے ہیں فین گولڈ نے 1994 میں۔ جیکس نے 1974 میں جو سروے کیا تھا اس کا مقصد تھا؛ چھ مختلف اقوام میں مرد اور عورت کے درمیان پائے جانے والے سات الگ الگ طرح کے فرق، اس کے اوپر وہ سروے ہوا تھا۔ اس ڈیٹا کی بنیاد پر یہ نتیجہ نکالا کہ مرد و عورت کے درمیان جو فرق ہیں وہ تمام اقوام میں یکساں طور پر پائے جاتے ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

یہ ایک ڈیٹا ہے جس میں 1974 میں سروے کیا گیا اور 1994 میں اس کی بنیاد پر یہ نتیجہ اخذ کیا گیا۔

دوسرا ڈیٹا:

Lynn and Martin (1997) examined gender differences in N, E, and Psychoticism (Eysenck, 1978) in 37 countries. They found that men were consistently lower than women in N and generally higher on Psychoticism and E. Nolen-Hoeksema (1987) found that women were more likely than men to be depressed across a range of countries, although the magnitude of the sex difference ratio varied markedly.

https://www.researchgate.net/publication/11825676_Gender_Differences_in_Personality_Traits_Across_Cultures_Robust_and_Surprising_Findings

یہ ڈیٹا ہے Lynn and Martin کا، 1997 کا۔ انہوں نے یہ تحقیق کی کہ این، ای اور سائکوٹیسزم میں ان تین میدانوں میں مرد اور عورت کے درمیان فرق پایا جاتا ہے۔ انہوں نے 37 ملکوں میں تحقیق کی اور تمام ممالک میں یہ پایا کہ این، ای اور سائکوٹیسزم ان تینوں میدانوں میں مرد و عورت کے درمیان یکساں فرق ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے ہم این(**N**)، ای(**E**) اور سائکوٹیسزم(Psychoticism) کو سمجھ لیتے ہیں:

N:Neuroticism is the trait disposition to experience negative affects, including anger, anxiety, self- consciousness, irritability, emotional instability, and depression**.**

E: Extroversion is a personality trait typically characterized by outgoingness, high energy, and/or talkativeness. In general, the term refers to a state of being where someone "recharges," or draws energy, from being with other people**.**

PSYCHOTICISM is a personality dimension with characteristics of aggression, aloofness, antisocial behavior and impulsive actions**.**

نیوروٹیسزم: دراصل ایک خاص طرح کا مزاج ہے جس کے نیتجہ میں انسان کی شخصیت میں منفی تجربات آتے ہیں، مثلا غصہ، بے چینی، خود شعوری (یعنی اپنے بارے میں سوچنا کہ میں کیسا دکھ رہا ہوں، کون مجھے دیکھ رہا ہے وغیرہ)، حساسیت، جذبات میں عدم یکسانیت، اورڈپریشن۔ یہ تمام چیزیں نیوروٹیسزم میں آتی ہیں۔

ایکسٹر اورژن: یہ شخصیت کا ایک ایساوصف ہے جس کی بنیاد پر مذکورہ چیزیں ہوتی ہیں، مثلاًزیادباہر آناجانا، زیادہ توانائی، اورزیادہ باتونی پن۔ عام طور سے اس اصطلاح کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص میں ایکسٹر اورژن زیادہ ہے وہ اپنی توانائی دوسرے لوگوں کے آس پاس رہ کر حاصل کرتا ہے۔

سائیکوٹیسزم: یہ بھی شخصیت کا ایک ایساوصف ہے جس کی بنیاد پر انسان میں جارحیت، الگ تھلگ پن، غیر سماجی رویے اور جذباتی اعمال وغیرہ ہوتی ہیں۔

اب آپ اوپر کے اقتباس کو ملاحظہ فرمائیں:

لین اورمارٹین نے 1997 میں صنفی فرق کے تعلق سے ایک تحقیق کی ان تین میدانوں میں: این(**Neuroticism**)، ای(**Extroversion**)اور سائکوٹیسزم(**Psychoticism**) میں اور یہ تحقیق 37 ممالک میں کی گئی۔ انہیں یہ نتیجہ حاصل ہوا کہ مرد عورتوں کے مقابلہ میں این(**Neuroticism**) میں کم تھے عورتیں زیادہ تھیں، اور عورتوں میں غصہ، بے چینی، خود شعوری، حساسیت، جذباتی عدم استحکام، اورڈپریشن وغیرہ مردوں کے مقابلہ میں زیادہ تھا۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ بہت سے مرد بہت زیادہ غصہ والے ہوتے ہیں توجواب یہ ہے کہ یہاں پر فرداًفرداًموازنہ نہیں ہورہاہے بلکہ پوری صنف کو سامنے رکھ کر یہ نتیجہ اخذ کیا گیاہے۔ لیکن ای (**Extroversion**)اور سائکوٹیسزم (**Psychoticism**) میں عورتوں کے مقابلہ میں مرد بڑھے ہوئے تھے یعنی مردوں کے اندر زیادہ باہر آناجاناہے عورتوں کے مقابلے میں، زیادہ توانائی مردوں میں ہے وہ مشقت والے کام کرتے ہیں عورتوں کے مقابلے میں، اورزیادہ باتونی ہیں، گھنٹوں باتیں کرسکتے ہیں۔ کوئی کہہ سکتاہے کہ زیادہ باتونی تو عورتیں ہوتی ہیں۔ بات یہ ہے کہ جب عورتیں آپس میں بیٹھیں گی تو خاموش نہیں رہ سکتیں۔ لیکن کیا کبھی آپ نے دیکھاہے مرد بہت سے دوست ایک ساتھ ہوں تووہ خاموش بیٹھے ہوئے ہوں؟ یعنی وہ اپنی توانائی دوسرے لوگوں سے حاصل کرتے ہیں، اپنے آپ سے، اپنے کمرے بند رہ کر

توانائی حاصل نہیں کرتے۔ ہاں کچھ مرد علیحدگی پسند ہوتے ہیں جیسے سائیکو ٹیسزم ہے۔ تو سائیکو ٹیسزم میں بھی مرد بڑھے ہوئے ہیں۔ مردوں میں جارحیت زیادہ ہوتی ہے، ان میں علیحدگی پسند زیادہ ہوتی ہے، رشتہ داروں کا خیال نہیں رکھیں گے کہ کون جائے ملنے، کون جائے دعوتوں میں وغیرہ۔ غیر سماجی رویے مرد ہی کرتے ہیں مثلاً احتجاج کرنا، لڑئیاں کرنا، مارپیٹ کرنا وغیرہ۔ اسی طرح بغیر سوچے سمجھے کوئی کام کر دینا، کیونکہ جب عورتیں کچھ کرتی ہیں تو پھر بہت زیادہ پلاننگ کے بعد کرتی ہیں۔

بہر حال یہ فرق ان 37 ممالک کے تمام معاشروں میں پایا جاتا ہے۔ اگر 200 ممالک میں سے 37 ممالک میں یہ فرق پایا جاتا ہے جو کہ بہت بڑا نمبر ہے، تو ہمیں یہ اندازہ ہو گیا کہ تمام معاشروں میں مرد و عورت کے درمیان یہ فرق موجود ہے۔ اور جب یہ فرق موجود ہے تو پھر یہ معاشروں کا پیدا کردہ نہیں ہے بلکہ یہ بیالوجی کا نتیجہ ہے۔

مذکورہ بالا اقتباس میں آگے لکھا ہے کہ:

نیلسن ہوکسیما(**Nolen-Hoeksema**)نے جو 1987 میں ایک تحقیق کی تو اس نے یہ پایا کہ مختلف ممالک میں عورتیں مردوں کے مقابلے میں زیادہ ڈپریشن میں آجاتی ہیں، مرد ڈپریشن میں کم آتے ہیں۔ تو اگر ڈپریشن بھی معاشرے کا نتیجہ ہے تو کہیں ایسا بھی ہونا چاہیۓ تھا کہ مرد زیادہ ڈپریشن کا شکار ہو رہے ہوں نہ کہ عورتیں۔ اس کا الٹ ہی ہمیشہ کیوں ہو رہا ہے؟ اس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ **social construct** اس تعلق سے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اس سب کی بنیاد بیالوجی ہے۔ لہذا بیالوجیکل فرق کو نظر انداز کرنا اور یہ کہنا کہ مرد و عورت کے درمیان کوئی بیالوجیکل فرق نہیں ہے، یہ تو محض **social construct** کا نتیجہ ہے، یہ دراصل حقیقت کا انکار ہے، یہ چڑھتے سورج کا انکار ہے۔ یہ ڈیٹا کا انکار ہے جو خود انھوں نے اور ان کے سائنسدانوں نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔

NO SUCH THING AS BIOLOGICAL SEX

- Judith Butler, Donna Haraway, et al.
- Even biological sex is a social construction. No such thing as a female identity.
- Conflict between transgenderism and previous feminist thought. TERF

حیاتیاتی جنس جیسی کوئی چیز موجود نہیں ہے!

فیسمنٹ کا کہناہے کہ یہ جو آپ نے مرد و عورت کی تقسیم کی ہوئی ہے، اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ یہ تو معاشرے نے کر دی۔ یہ کیابات ہوئی کہ آدھے معاشرے کو مرد بنادیا ہے اور آدھے معاشرہ کو عورت بنادیا۔ یہ کوئی ضروری نہیں ہے۔ **جوڈتھ بٹلر** جس کا ما قبل میں ذکر آیا تھا اور **ڈونا ہاروے** وغیرہ ہمیشہ اس بات کے داعی رہے ہیں کہ بیالوجی سیکس (طبعی طور پر مذکر و مؤنث ہونا) جیسی کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ ان کے مطابق مرد و عورت کی تقسیم اور مذکر و مؤنث کی تقسیم کا وجود دراصل معاشرہ کے پیدا کر دہ ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ آپ نے مرد و عورت کی تقسیم اس طریقہ سے کی ہے کہ اگر ایک شخص میں ایکس ایکس کروموزوم (Chromosomes) ہے تو اس کو آپ نے کہہ دیا کہ یہ تو عورت ہے۔ اور اگر کسی میں ایکس وائی کروموزوم (Chromosomes) ہے تو آپ نے کہہ دیا کہ یہ مرد ہے۔ تو پ نے اس طریقے سے معاشرے کی تقسیم کر دی۔ (کروموزوم اور ڈی این اے کی تفصیل نظریہ ارتقا کے درس میں گزر چکی ہے) بہر حال فیمنسٹ خواتین یہ کہتی ہیں کہ یہ کوئی ضروری تو نہیں ہے کہ آدھے لوگوں میں ایکس ایکس کروموزومز ہوں اور آدھے لوگوں میں ایکس وائی ہوں، ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ کسی میں ایکس ایکس وائی کروموزومز ہوں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی میں ایکس وائی وائی کروموزومز ہوں، مطلب یہ ہے کہ انسانوں میں بہت تنوع ہے۔ یہی تو وجہ ہے کہ انسانوں میں خنثیٰ بھی ہوتے ہیں اور خنثیٰ مشکل بھی ہوتے ہیں۔ اور جن کو ہم انٹر سیکس بولتے ہیں وہ بھی ہوتے ہیں۔ یہ خنثیٰ کیوں ہوتے ہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے اندر ایکس ایکس یا ایکس وائی کروموزوم نہیں ہیں، کسی میں ایکس ایکس وائی ہے، کسی میں ایکس وائی وائی کروموزوم ہے۔ اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ اگر یہ تقسیم کروموزوم کی بنیاد پر ہے تو پھر آپ پوری دنیا کو مرد و عورت کے درمیان تقسیم نہیں کر سکتے۔ یہ ان لوگوں کی دلیل ہے۔ لہٰذا یہ تقسیم جو دنیا نے کی ہے مرد و عورت کے درمیان، مذکر و مؤنث کے درمیان، یہ **social construct** ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات صحیح ہے کہ کچھ لوگوں میں ایکس ایکس وائی اور کچھ لوگوں میں ایکس وائی وائی کروموزوم ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اگر کسی ضابطہ میں کوئی استثناء (Exception) ہو تو اس سے وہ ضابطہ بدل نہیں جاتا، وہ ضابطہ ٹوٹ نہیں جاتا۔ یعنی اگر کسی بھی قاعدہ میں کوئی استثناء ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اب وہ قاعدہ قاعدہ نہیں رہا۔ استثنیٰ بھی قاعدے کے تحت ہوتا ہے۔ اس کی ایک مثال لے لیں؛ ایک عام سا اصول ہے کہ اگر ریڈ لائٹ ہے تو گاڑی روک دینی ہے اور اگر گرین لائٹ ہے تو پھر گاڑی چلاتے رہنی ہے۔ اگر آپ ریڈ لائٹ پر بھی اپنی گاڑی نہ روکیں گے تو ہو سکتا ہے کہ پولیس والا آپ کا

چالان کر دے۔ یہ ایک ضابطہ سب کے لیے ہے۔ لیکن اگر آپ ایک عام گاڑی کے بجائے ایمبولنس چلا رہے ہیں یا فائر بریگیڈ کا ٹرک چلا رہے ہیں یا آپ پولیس کی گاڑی چلا رہے ہیں یا اور کوئی ایمرجنسی والی گاڑی چلا رہے ہیں، سامنے ریڈ لائٹ ہے اور آپ کو کسی کی جان بچانی ہے، تو اب آپ کے لئے اس ریڈ لائٹ پر رکنا ضروری نہیں ہے بلکہ اس شخص کی جان بچانی زیادہ ضروری ہے۔ یہ ایک استثنائی (Exception) صورت حال ہے۔ لیکن کیا اس استثنائی صورت حال کی وجہ سے ریڈ لائٹ پر رکنے کا قاعدہ ٹوٹ جائے گا؟ ہرگز نہیں! ہر آدمی جانتا ہے کہ ان ایمرجنسی والوں کو استثنیٰ حاصل ہے جو ہمیں حاصل نہیں ہے، لہذا ہمیں اس اصول کی پابندی کرنی ہی ہے۔ تو کسی بھی وجہ سے ایک عام ضابطے سے استثنیٰ کر دیا جاتا ہے۔

اسی طریقے سے اگر آپ کوئی پراڈکٹ خریدیں مثلا آپ نے کمپیوٹر خریدا، اب دنیا میں لاکھوں کمپیوٹرز ہیں، آپ لاکھوں کمپیوٹرز میں سے کوئی بھی خرید سکتے ہیں اور جتنے بھی کمپیوٹرز ہیں وہ دو تین طریقوں سے ہی بنتے ہیں، اگر آپ نے عام کمپیوٹر خریدا ہے تو اس میں ونڈوز انسٹال ہو گی، اگر ایپل کا کمپیوٹر ہے تو آئی او ایس انسٹال ہو گی، اور ایک دو سسٹم اور بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ اپنی مرضی کا کچھ بھی انسٹال کر لیں، کچھ بھی اس میں فٹ کر دیں، پتہ چلا کہ آپ نے کمپیوٹر کھولا اور اس میں پنکھے کی مشین فٹ کر دی اور کمپیوٹر چل گیا، ایسا نہیں ہو سکتا۔ کمپیوٹر بنے گا تو کمپیوٹر والے انداز میں ہی بنے گا۔ جن مشینوں کی اس کے لیے ضرورت ہے وہ لگیں گی تو چلے گا۔ اب اگر ایک کمپیوٹر خراب ہو گیا حالانکہ اس میں سب وہی چیزیں لگی ہیں جو ایک کمپیوٹر میں ہونی چاہئیں لیکن چل نہیں رہا۔ اس میں کوئی خرابی آگئی ہے۔ تو کیا اس خراب کمپیوٹر کی وجہ سے آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ کمپیوٹر اس طرح نہیں بنتا، اس میں پنکھے کی مشین لگے گی تب ہی چلے گا، چونکہ میرا کمپیوٹر نہیں چل رہا، کیا آپ یہ کہہ سکتے ہیں؟ نہیں!

اسی طریقہ سے پوری دنیا میں مرد و عورت کی تقسیم 99 فیصد کروموزومز کی بنیاد پر ہے، جس میں ایکس ایکس کروموزومز ہیں اس کو عورت مان لیا گیا ہے اور جس میں ایکس وائی کروموزومز ہیں اس کو مرد مان لیا گیا۔ یہ تقسیم 99 فیصد انسانوں میں موجود ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ ہاں کچھ ایسے ڈفیکٹڈ اجسام ہو سکتے ہیں کہ ان میں ایکس ایکس وائی یا پھر ایکس وائی وائی کروموزومز ہوں۔ چونکہ یہ ایک عیب ہے۔ جیسے ایک مرد بغیر ہاتھ کے پیدا ہو گیا یا ایک اضافی انگلی کے ساتھ پیدا ہو گیا، اسی طرح کسی عورت میں بھی کوئی تخلیقی عیب ہو سکتا ہے۔ تو جیسے ناک، کان، آنکھ کے اعتبار سے تخلیقی عیب ہو سکتا ہے ایسے ہی مرد اور عورت کے جو خاص اعضاء ہیں ان میں بھی تخلیقی عیب ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ استثناء ہے اور اس استثناء کی وجہ سے آپ مکمل اقسام کو ہی مسترد کر دیں، یہ درست نہیں ہے؟ جیسے آپ عام زندگی میں کسی عیب کی وجہ سے یا کسی استثنیٰ کی وجہ سے کسی قاعدہ کلیہ کو مسترد نہیں کرتے۔

NO SUCH THING AS A FEMALE IDENTITY

ایک بات یہ یادرکھیں کہ فیمنزم اور ٹرانسجینڈرزم کے درمیان بڑا تضاد ہے۔ حالانکہ فیمنزم نے اپنی تیسری اور چوتھی لہر میں ٹرانسجینڈر کو اپنا مسئلہ بنالیا تھا اور خود میں ضم کر لیا تھا۔ لیکن اگر آپ فیمنزم اور ٹرانسجینڈرزم کو دیکھیں تو یہ دونوں ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔ ٹرانسجینڈرزم کے اوپر تفصیلی گفتگو تو آگے آئے گی، لیکن فی الوقت یہ سمجھ لیجئے کہ ٹرانسجینڈر وہ شخص ہو سکتا ہے جو پیدائشی اعتبار سے مرد ہو لیکن وہ کہے کہ مجھے عورتوں والی فیلنگ آرہی ہے، لہذا میں اپنے آپ کو عورت مانوں گا۔ اور پھر وہ خود کو عورت مان لے اور اپنی سرجری وغیرہ بھی کرالے۔ تو وہ ٹرانسجینڈر بن گیا۔

تو اب سوال یہ ہے کہ ایک مرد عورتوں والے احساس اور جذبات کی بنیاد پر سرجری کرا کر ٹرانسجینڈر بنتا ہے تو فیمسنٹ کو اس سے یہ سوال کرنا چاہئے کہ عورتوں والے احساس اور جذبات کیا ہوتے ہیں؟ عورتوں والی فیلنگ تو کوئی چیز نہیں ہے، کیونکہ مرد اور عورت کے درمیان جو تقسیم ہے اور مذکر و مؤنث کا جو فرق ہے یہ تو معاشرے کی دی ہوئی چیز ہے۔ اس کا بیالوجی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ تو معاشرے نے ایک چیز طے کر دی ورنہ الگ سے مردوں والی فیلنگ کوئی چیز نہیں ہے، عورتوں والی فیلنگ کوئی فیلنگ نہیں ہوتی۔ آپ تو مردوں کی شناخت الگ اور عورتوں کی شناخت الگ کر رہے ہیں، اسی کے خلاف تو ہم نے پورا محاذ تیار کیا ہوا ہے، اس کے خلاف لڑائی لڑنی ہے اور تم آکر یہ کہہ رہے ہو کہ تمہارے اندر عورتوں والے جذبات اور احساس پیدا ہو رہے ہیں۔ تو ٹرانسجینڈرزم اور فیمنزم دونوں بنیادی طور پر ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ لیکن ان دونوں کو ایک چیز نے جمع کیا ہوا ہے اور وہ ہے اپنے نفس کی آزادی کہ ہمارا نفس جو چاہے ہم وہ کریں، ہمیں اس کی مکمل آزادی ہونی چاہئے۔ اس لیے دونوں ایک چھتری کے نیچے جمع ہیں۔ ورنہ دونوں کے درمیان زمین آسمان کا فرق ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بہت سے فیمنسٹ ٹرانسجینڈرز کو خود سے الگ رکھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ٹرانسجینڈر فیسمنٹ ہو ہی نہیں سکتے۔ لہذا جو بھی مرد عورتوں والی فیلنگ کی بنیاد پر عورت بنا ہے اس کو ہم فیمنسٹ نہیں مانتے۔ ایسے فیمنسٹ کو ٹرف (TERF) کہا جاتا ہے، اس کے لیے باقاعدہ ایک اصطلاح بن گئی۔ جس کا مطلب ہے (Trans Exclusionary Radical Feminist) یعنی وہ فیمسنٹ جو ٹرانسجینڈر کو فیسمنٹ سے الگ کرتے ہیں۔ چونکہ آج کی تاریخ میں ٹرانسجینڈرزم کا فتنہ فیمنزم سے زیادہ ہے۔ اس لیے تمام ٹرانسجینڈر ایسے فیمنسٹ کا بائیکاٹ کرتے ہیں جو ٹرف (TERF) مانے جاتے ہیں۔ ان میں

ایک بہت بڑا نام ہے "جے کے رولنگ (J. K. Rowling) کا۔ یہ انگلینڈ کی ایک خاتون ہیں جو بچوں کی کہانیں کی بہت ہی مشہور کتاب ہیری پوٹر (Harry Potter) کی مصنف ہے۔ یہ کتاب اسقدر بچوں کو اپنے اندر سمونے والی ہے کہ بچے اس میں گم ہو کر رہ جاتے ہیں۔ پتہ نہیں اس کتاب میں ایسا کیا ہے۔ آج سے دس بارہ سال پہلے جب یہ کتاب آئی تھی اور اس کا شہرہ ہوا تھا تو سوچا تھا کہ پڑھ کر دیکھیں کہ آخر کیوں اس کتاب کا اتنا شور ہے۔ مجھے یاد ہے کہ جب اس کتاب کی اگلی قسط کے آنے کا خبروں میں اعلان ہوتا تھا تو اس کے باہر 24 گھنٹے پہلے سے لائن لگ جاتی تھی سردیوں میں۔ پورا دن لوگ کھڑے رہتے تھے کہ ہیری پوٹر کا نیا اڈیشن آرہا ہے یا اگلی قسط آرہی ہے۔ یہ حال تھا امریکہ اور یورپ میں۔ اور یہ کتاب لاکھوں کی تعداد میں فروخت ہوئی ہے۔ اس کتاب کی سات یا آٹھ قسطیں ہیں اور ہر قسط کے 600-650 صفحات ہیں۔ تو یہ عورت J. K. Rowling پوری دنیا میں بہت مشہور ہے کہ اس نے اپنی کہانیوں کے ذریعے پوری دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیا تھا۔ یہ عورت J. K. Rowling ٹرف (TERF) کہلاتی ہے۔ حالانکہ یہ خود پکی فیمنسٹ ہے، لیکن وہ TERF ہے۔ یعنی وہ ٹرانسجینڈر کو فیمنسٹ میں شامل نہیں کرتی۔ لہذا فیمنسٹ نے اس کا بائیکاٹ کیا۔ اور اس قدر بڑے پیمانے پر بائیکاٹ کیا کہ کسی بھی کالج یا یونیورسیٹی میں اس کا لکچر نہیں ہونے دیا اگر کہیں پروگرام ہے تو باقاعدہ پریشر ڈال کر اس کے پروگرام کینسل کرائے جارہے ہیں۔ کیوں؟ اس لیے اس نے ٹرانسجینڈرز کو فیمنسٹ میں شامل نہیں کیا۔ جبکہ ان کے تو اظہار رائے کی بھی آزادی ہے۔ جب اظہار رائے کی آزادی ہے تو اتنا دباؤ کیوں ڈال رہے ہو؟

بہر حال آج کی اس مختصر سی گفتگو سے یہ بات ثابت ہوئی کہ فیمنسٹ کا مکمل زور اس بات پر ہے کہ بیالوجیکل سیکس یعنی مرد و عورت کی تقسیم اور مذکر و مؤنث کے فرق کو ختم کیا جائے اور یہ ثابت کر دیا جائے کہ مرد و عورت کے درمیان فرق کی بنیاد دراصل social construct ہے، بیالوجی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ آج کے سبق میں تین اہم ترین سوالات آئے جو فیمنسٹ سے کیے جانے چاہئیں اور ساتھ میں ہم نے یہ بھی پڑھا کہ Patriarchal Thesis خود Misogynist ہے، عورتوں کی توہین کرنے والا ہے۔ یہ چند نکات آپ کے ذہن میں رہیں تو آپ کسی بھی فیمنسٹ کو بہت آسانی کے ساتھ لاجواب کر سکتے ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

The Incoherence of Atheists

تهافت الملاحدة

نواں موضوع:

فیمنزم (Feminism)

درس نمبر: 05

تاریخ: 11 فروری 2023

فاضل محاضر: ڈاکٹر مفتی یاسر ندیم الواجدی صاحب

ضبط و ترتیب: راشد امین القاسمی

تصحیح و نظرثانی: محمد احمد نوروالا

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلحمدُ للهِ ربِّ العٰلمین وَالصّلاۃُ وَالسّلامُ علیٰ سیّدِ الأنبیاءِ وَ المُرسلین وعلیٰ آلِہ وَ صحبِہ أجمعین۔ أمّا بعدُ!

گزشتہ کلاس میں یہ بات آئی تھی کہ کس طرح فیمنسٹ کے نزدیک بیالوجی کی بنیاد پر مرد و عورت کا فرق ہونا فیمنزم کے مشن کے خلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک مساوات اور برابری سب سے اہم قدر ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر صد فیصد مساوات نہ ہو تو یہ عورتوں کے اوپر ظلم ہے اور اس ظلم کے خاتمہ کے لئے ضروری ہے کہ دنیا میں رائج صنفی اور جنسی فرق کو مٹایا جائے۔ انھوں نے پہلے تو یہ کہنا شروع کیا کہ معاشرہ میں رائج مرد و عورت کا فرق کا تعلق فطرت یا بیالوجی سے نہیں ہے، خلقت سے نہیں ہے بلکہ یہ **social construct** ہے، معاشرے نے اس طریقے سے بنایا ہے تو لوگوں نے قبول کر لیا ہے۔ اس پر گزشتہ درس میں تفصیلی طور پر بات آچکی ہے۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ چاہے کتنا ہی چلائیں کہ مرد اور عورت کی تقسیم محض **social construct** کا نتیجہ ہے یہ بیالوجیکل فرق نہیں ہے، کوئی عقل رکھنے والا اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ کیونکہ جب مرد اور عورت کو آپ دور سے دیکھتے ہیں تو آپ بہت آسانی کے ساتھ پہچان لیتے ہیں کہ ان دو میں ایک مرد ہے اور ایک عورت ہے اور کون مرد ہے کون عورت ہے، ایک بچہ بھی بآسانی یہ پہچان لیتا ہے۔ یہ جو **physiological difference** (جسمانی فرق) ہے کہ عورتوں کے مقابلہ میں مرد کے اندر طاقت زیادہ ہوتی ہے، اس کے اندر محنت و مشقت کے کام کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے، یہی حال جسمانی ساخت کا ہے کہ مردوں کی ہڈیاں چوڑی ہوتی ہیں عورتوں کے مقابلے میں، عورتوں کے اندر بات کرنے میں، چلنے پھرنے میں نزاکت ہوتی ہے جبکہ مردوں کے اندر وہ نزاکت نہیں ہوتی، مردوں کی آواز بھاری ہوتی ہے عورتوں کے مقابلہ میں، یہ سارے وہ فروق ہیں جن کی بنیاد بیالوجی ہے۔ اور فیمنسٹ چاہے کتنا ہی کہیں کہ یہ **social construct** کا نتیجہ ہے لیکن ان فروق کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

BIOLOGY TECH

- Technology can be used to alter human beings.
- Hormone changes
- Feminist Techno science
- Judy Wajcman argues technology began as something feminine but was overtaken as masculine.
- Shilamuth and others talk about the labor of reproduction creating inequality.

موجودہ دور میں ایسی ٹیکنالوجی کا استعمال کیا جارہا ہے جس کا تعلق بیالوجی سے ہے، اسے بیالوجی ٹیک / بایو ٹیکنالوجی کہا جاتا ہے۔ یعنی بچوں کو اس طرح سے ٹریننگ دی جائے کہ بچوں کی نشو و نما اس طور پر ہو کہ بڑے ہونے کے بعد ان کے بارے میں یہ پتہ نہ لگایا جاسکے کہ یہ مرد ہے یا عورت ہے۔ اور ایسا ہو بھی رہا ہے۔ مغربی معاشروں میں ایک بہت بڑی تعداد ایسی نظر آتی ہے جن کو دیکھ کر یہ سمجھ نہیں آتا کہ ان کو He بولنا ہے یا She بولنا ہے۔ میرے پر نانا حضرت مولانا نعیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مشہور جملہ ہے لَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ وَلَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ کو بیان کرنے کے لیے وہ فرماتے تھے "نہ ھیو میں نہ شیو میں" کچھ معلوم نہیں ہو رہا ہے کہ یہ ہے کس طرف ہے۔ 2007 میں ان کا انتقال ہوا ہے، اُس وقت تک تو یہ مناظر اتنے زیادہ عام نہیں ہوئے تھے۔ لیکن آج صورتِ حال یہ ہے کہ آپ کسی دکان پر چلے جائیں، کسی ریستوران پر چلے جائیں، وہاں آپ کو اس طرح کے لوگ کام کرتے ہوئے نظر آجائیں گے۔ جنہیں دیکھ کر واقعی سمجھ نہیں آتا کہ یہ ھیو میں ہے یا شیو میں، اس کے لیے He بولنا ہے یا She بولنا ہے۔ اب بندہ شبہ میں پڑ جاتا ہے کہ ان کو کیا کہے۔ یہ دراصل ٹیکنالوجی کا کمال ہے۔ اور بچوں کو بچپن ہی سے جسمانی ساخت بدلنے کے لئے ہارمون ٹریٹمنٹ دیئے جارہے ہیں۔ ایک مرد کو کیا چیز مرد بناتی ہے؟ اس کے ہارمونز! مرد کے ہارمونز الگ انداز کے ہیں، عورت کے ہارمونز الگ انداز کے ہیں۔ ہارمون کی تفصیل آگے (ہم جنس پرستی وغیرہ) کی بحث میں آئے گی ان شاء اللہ۔ لیکن یہ فیمنسٹ کا ایجنڈا ہے کہ بچوں کو شروع سے ہی جب کہ وہ ماں کے پیٹ میں ہی ہوں، اسی وقت سے ماں کو ایسے انجکشن لگائے جائیں اور انجکشن کے ذریعے ایسے ہارمونز ان بچوں تک پہنچائے جائیں کہ جب وہ بڑے ہوں تو ان کے اندر سے مرد و عورت کا فرق ہی ختم ہو جائے۔ اور ایسے ایسے خطرناک ٹریٹمنٹ ہیں، ایک ٹریٹمنٹ کا نام ہے ایسٹروجین ٹریٹمنٹ (Estrogen Treatment)، اور اسی طرح جین تھراپی (Gene-Therapy) یہ وہ ٹریٹمنٹس ہیں جو انسان کی ہڈیوں کی نشو و نما کے اوپر فرق ڈالتے ہیں اور اگر کسی مذکر بچہ کو وہ ٹریٹمنٹ دی جائے تو اس کی ہڈیوں کی نشو و نما ایک مؤنث بچی کی طرح ہوتی ہے اور بڑے ہو کر یہ فرق کرنا مشکل ہو گا کہ یہ لڑکا ہے یا لڑکی ہے۔ بہر حال ٹیکنالوجی کا استعمال اس کام کے لیے کیا جارہا ہے اور اس کو کہتے ہیں Feminist Technoscience ۔ اس کا مطلب ہے کہ ٹیکنالوجی کو اور سائنس کو فیمنزم کو بڑھاوا دینے کے لیے استعمال کیا جائے۔ اور فیمنسٹ آپ کو یہ کہتے ہوئے ملیں گے کہ ٹیکنالوجی تو شروع ہی سے ہمارا میدان تھا، خواتین ٹیکنالوجی کے میدان میں آگے تھیں، اب اس میدان میں مردوں کی اجارہ داری ہوگئی ہے۔ لہذا ہمیں اس اجارہ داری کو ختم کر کے دوبارہ سے اپنے اس میدان کو واپس لینا ہے اور اس میدان میں اپنی اجارہ داری قائم کرنی ہے۔

ایک فیمنسٹ خاتون ہیں جن کا نام پہلے بھی آچکا ہے Judy Wajcman جوڈی واجمین، وہ کہتی ہے: "ٹیکنالوجی کا آغاز اس طرح ہوا تھا کہ اس پر پہلے عورتوں کی اجارہ داری تھی لیکن بعد میں مردوں نے اس پر قبضہ کر لیا"۔ جب آپ اس طرح کا نظریہ دیتے ہیں کہ یہ پہلے ہمارا تھا اور فلاں نے اس پر قبضہ کر لیا تو گویا کہ آپ بین السطور میں یہ کہہ رہے ہیں کہ اب ہمیں یہ چیز واپس چاہئے۔ تو فیمنسٹ یہ کہہ رہے ہیں کہ ٹیکنالوجی اور سائنس کے میدان میں فیمنزم کو دوبارہ آنا چاہئے اور بہر حال بڑی تیزی کے ساتھ اسے آگے لایا بھی جا رہا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ٹیکنالوجی کا آغاز بحیثیت ایسے میدان کے کیسے ہوا کہ جس پر عورتوں کی اجارہ داری تھی؟ اس سلسلہ میں جوڈی واجمین (Judy Wajcman) ایک مثال دیتی ہے، وہ کہتی ہے: "اگر آپ تاریخ میں پیچھے چلے جائیں تو آپ دیکھیں کہ ایک زمانے میں عورتیں ہی کپڑے بُن رہی تھیں، مرد کپڑے نہیں بُنتے تھے، عورتیں ہی کھیتوں میں عورتیں کام کر رہی تھیں مرد کھیتوں میں کام نہیں کرتے تھے، گھروں میں عورتیں ہی کھانا بنا رہی تھیں مرد کھانا نہیں بناتے تھے، زخمیوں کا علاج عورتیں کر رہی تھیں مرد زخمیوں کا علاج نہیں کرتے تھے بلکہ وہ تو زخمی کرتے تھے کیونکہ وہ لڑتے تھے۔ یہ تمام وہ چیزیں ہیں کو اپنے اپنے دور کی ٹیکنالوجی ہیں اور ان متمام میدانوں میں عورتوں کا غلبہ رہا ہے۔ جب یہ بات ہے تو آج کی سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں بھی عورتوں کا غلبہ از سر نو ہونا چاہئے۔ اور اس غلبے کے لیے ضروری ہے کہ اس طرح کی ٹیکنالوجی استعمال کی جائے کہ جس کی وجہ سے مردوں کی اجارہ داری ہر میدان سے ختم ہو جائے اور بالکل مساوات قائم ہو جائے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب ہم بچوں کو ہارمون ٹریٹمنٹ کو دیں۔

ایک اور فیمنسٹ خاتون ہیں جن کا ذکر شروع میں آیا تھا شیلا مُتھ (Shilamuth)، یہ 70 کی دہائی میں تھی اور اس نے یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ بیالوجی ہی در اصل عدم مساوات کی سب سے بڑی بنیاد ہے۔ بیالوجی کی وجہ سے ہی اس معاشرے کے اندر سب سے زیادہ عدم مساوات پائی جاتی ہے۔ یہ بیالوجی ہی بتاتی ہے کہ معاشرے میں مرد کا کردار الگ ہے اور عورت کا کردار الگ ہے۔ یہ بیالوجی ہی بتاتی ہے کہ مرد کو حاملہ کرنا ہے عورت کو اور عورت پھر حاملہ ہوتی ہے، دوران حمل وہ معاشرے سے کٹ جاتی ہے، پھر بچہ جنتی ہے، اسے دودھ پلاتی ہے اور سال دو سال کا عرصہ اس طریقے سے گزرتا ہے کہ وہ اپنے بچے کی پرورش کرتی ہے۔ جبکہ یہ سارے کام مرد نہیں کرتا۔ چونکہ مرد حمل کے تجربے سے نہیں گزرتا، رضاعت کے تجربے سے نہیں گزرتا اور مرد معاشرے سے جڑا رہتا ہے، عورت معاشرہ سے کٹ جاتی ہے، اس طریقے سے معاشرے کے اندر عدم مساوات پیدا ہوتی ہے۔ لہذا

ایسا کچھ ہونا چاہیے تھا کہ عورتیں حاملہ نہ ہوں اور بچوں کی ولادت فطری طور پر ہونے کے بجائے کسی مصنوعی طریقہ سے ہو جائے۔ اسی طرح عورتوں کو دودھ نہ پلانا پڑے بلکہ ایسی کوئی ٹیکنالوجی ایجاد ہو جائے کہ بچوں کو ماں کا دودھ نہ ملے بلکہ عام دودھ ان کو پلایا جائے اور اس دودھ کے اندر بھی وہی غذائیت ہو جو ماں کے دودھ میں ہوتی ہے۔ یہ نظریہ اس نے 1970 کی دہائی میں پیش کیا تھا۔ اور آپ آج دیکھیں گے کہ جو ٹیکنالوجی ایجاد ہو رہی ہے اور مستقبل کے بارے میں یہ پیش گوئی (**Prediction**) کی جارہی ہے کہ آگے چل کر ایسے مصنوعی رحم مادر تیار ہو جائیں گے جس کے ذریعہ مصنوعی طریقہ سے بچوں کی پیدائش ہو گی۔

گزشتہ دنوں ایک تصویر بہت زیادہ وائرل ہوئی جسے آپ بھی دیکھ سکتے ہیں۔ اسے ایکٹو جینیسس (**Acetogenesis**) کہا جاتا ہے، حیرت کی بات یہ ہے اس اصطلاح کو ایک سائنداں جے بی ایس ہالڈین نے 1924 میں پیش کیا تھا، یعنی اس نے آج سے سو سال پہلے ہی اس نے اس نظریے کی بنیاد رکھ دی تھی کہ سائنس اتنی ترقی کرلے کہ بچے مصنوعی طور سے پیدا ہوں اور ماں کی ضرورت نہ رہے۔ اور اس طریقے سے انسانی آبادی چلتی رہے۔ جب ہمیں بچوں کی پیدائش پر اس طرح کا اختیار حاصل ہو جائے گا تو پھر ہم ایسے بچے بنا سکیں گے جو اچھی خصوصیات والے ہوں۔ اگر بچے فطری طور پر پیدا ہوتے رہے تو کچھ بچے اچھی خصوصیات والے ہوتے ہیں، کچھ نہیں ہوتے۔ جبکہ انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ بچے خوبصورت ہوں، ذہین ہوں، باصلاحیت ہوں، ہم ان تمام چیزوں کے اوپر قابو کر سکتے ہیں اگر ایکٹو جینیسس ایک حقیقت بن جائے، ایک سچائی بن جائے۔ یہ بات 1924 میں یعنی آج سے سو سال پہلے یہ بات ہو رہی ہے۔ شیلا متھ (**Shilamuth**) نے یہیں سے دراصل اس نظریے کو اٹھایا اور اپنی کتابوں میں اس خواہش کا تذکرہ کیا کہ کاش ایسا ہو جائے۔ اگر ایسا ہو جائے تو پھر مساوات کو فروغ دینے میں بڑی مدد ملے گی اور مرد و عورت کے درمیان کا یہ فرق بھی ختم ہو جائے گا۔ کیونکہ فرض کیجیے اگر کسی خاتون کے تین بچے ہو گئے، اگر ہر بچے میں تین سال بھی لگالیں، ایک سال حمل کا اور دو سال رضاعت کے تو گویا کہ اس عورت کے نو سال بچوں کی پیدائش اور ان کی پرورش

میں ضائع ہو گئے۔ ایک عورت کی زندگی کے اگر نو سال ضائع ہو جائیں تو اس کے کیریئر کے اوپر بہت بڑا فرق پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دوران مرد آگے نکل جاتا ہے اور عورت ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ جاتی ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ عورت کو حمل اور رضاعت کے جھمیلوں سے آزادی دلائی جائے۔ اور رضاعت جھمیلوں سے تو آزادی دلا بھی دی گئی ہے، وہ اس طریقے سے کہ صرف امریکہ ہی میں نہیں بلکہ پوری دنیا میں آپ کو جگہ جگہ فارمولہ دودھ مل جاتے ہیں جو خاص بچوں کے لئے ہی تیار کئے گئے ہیں، اور بڑی بڑی کمپنیاں کروڑوں کا سرمایہ اس میں انویسٹ کرتی ہیں۔ اور بہت سی مائیں اب یہ ترجیح دیتی ہیں کہ وہ اپنا دودھ نہ پلا کر فارمولا کا دودھ پلائیں اور ڈاکٹروں کی طرف سے یہ باقاعدہ ان کو پڑھایا جاتا ہے کہ وہ اس دودھ کو ترجیح دیں کیونکہ جو چیز آپ کو ماں کے دودھ میں ملتی ہے وہی فارمولا کے دودھ میں مل رہی ہے۔ تو رضاعت کا مسئلہ تو حل ہو گیا، اب حمل کا مسئلہ حل ہونے جا رہا ہے۔ اس سب کا مقصد ہے معاشرے اندر مساوات قائم کرنا۔ ظاہر ہے کہ ایسی مساوات کہ جو فیمنزم کی بنیاد ہے یہ اسی وقت ممکن ہے جب ٹیکنالوجی کی مدد سے مکمل نظام کو بدل دیا جائے، حتی کہ انسانی فطرت کو بدل دیا جائے۔ یہ اتنا بڑا اور اتنا خطرناک منصوبہ ہے جو آگے آنے والی نسلوں کے اوپر بہت زیادہ اثر انداز ہونے والا ہے۔

ڈاکٹر احمد صقر کا کی ویڈیو کا واقعہ:

میں نے 2012 میں یوٹیوب پر ڈاکٹر احمد صقر کی ایک ویڈیو دیکھی تھی، اب ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ یہ ایک مصری نژاد امریکی تھے، 1950 میں غالباً وہ امریکہ آ گئے تھے۔ یہاں کے ابتدائی سرگرم و فعال مسلمانوں میں سے تھے۔ ابتدا میں امریکہ میں مسلمانوں کے تعلیمی نظام کو قائم کرنے میں اور مساجد قائم کرنے میں انھوں نے بڑا کردار ادا کیا۔ بڑی مشہور شخصیت ہیں اور متعدد کتابیں انہوں نے لکھی ہیں۔ ان کی ایک ویڈیو تھی جس میں وہ کسی مسجد میں لیکچر دے رہے ہیں۔ چونکہ وہ بنیادی طور پر "علم التغذیہ" میں پی ایچ ڈی تھے، یعنی وہ **nutritionist** (ماہر غذائیات) تھے۔ اس لیکچر میں وہ یہ بتا رہے تھے کہ بازاروں اور چوراہوں پر جو فاسٹ فوڈ ملتے ہیں وہ کس طریقہ سے مردوں اور عورتوں کے ہارمونز کو تبدیل کر رہے ہیں۔ ہارمونز دو طرح سے تبدیل ہوتے ہیں۔ ایک تو دواؤں اور انجکشن کے ذریعہ انسان کے ہارمونز کو تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ آج بھی بہت سے امراض میں مردوں کے اندر ٹسٹرون لیول کم ہوتا ہے تو دواؤں کے ذریعہ اسے بڑھا دیا جاتا ہے، اگر گھٹانا ہے تو گھٹا دیا جاتا ہے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ غذاؤں کے ذریعہ بھی ہارمونز میں تبدیلی لائی جاتی ہے۔ ہم دن رات بہت سی ایسی چیزیں کھاتے ہیں جسے بڑی بڑی کمپنیاں بناتی ہیں، ان کے اندر وہ کیمیکل موجود ہوتے ہیں جو ہارمونز کی تبدیلی کے لئے اثر انداز ہو رہے ہیں۔ تو انہوں نے باقاعدہ ان مصنوعات کے نام

لیکر بتایا کہ اس چیز میں یہ کیمیکل ہیں جس کے ذریعے فلاں ہارمون متاثر ہوتا ہے، جس کے نتیجہ میں مرد کے اندر نسوانیت آرہی ہے، مرد کی آواز عورت جیسی ہو جاتی ہے، اس کا انداز عورتوں جیسا ہو جاتا ہے اور وہ عورت جیسا محسوس کرنے لگتا ہے، وغیرہ۔ یہ ان کی ڈیڑھ دو گھنٹے کی ویڈیو تھی۔ اس وقت ان چیزوں کی طرف بہت زیادہ توجہ نہیں تھی لیکن پھر بھی میں نے وہ پوری ویڈیو دیکھی تھی۔ چونکہ دس بارہ سال پہلے ویڈیو دیکھی تھی اس لیے اب اس کی تفصیلات یاد نہیں ہیں۔ میں نے ابھی چند سالوں پہلے اس ویڈیوں کو تلاش کرنے کی کوشش کی، ہر طرح سے کوشش کی، ان کا نام ڈال کر، موضوع اور عنوان ڈال کر، لیکن وہ ویڈیو نہیں مل سکی۔ اور اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم جس دور میں جی رہے ہیں، یہاں سوشل میڈیا پر آپ کو اظہار رائے کی آزادی نہیں ہے، لہذا کوئی بھی ایسی ویڈیو جو ان کے مشن کے خلاف ہے، اسے فوراً ہٹا دیا جاتا ہے۔ اور وہ ایک بہت خطرناک معلومات افزاء ویڈیو تھی کہ جو لوگوں کی آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی تھی، اور ایک ایسے پی ایچ ڈی اسکالر کی طرف سے تھی جو خود امریکہ میں بیٹھا ہوا ہے، تو یہ بہت لوگوں کو سچائی سے واقف کرا سکتی تھی اس لیے اس ویڈیو کو یقینی طور پر ہٹا دیا گیا ہوگا۔ بہر حال یہ اس وقت صورت حال ہے بایوٹیک کی یا بایو ٹیکنالوجی کی۔

EQUALITY (مساوات)

- Feminist views on marriage range from: Partnership Model to "Heterosexual marriage is rape".
- Partnership Model -- Husband and wife are equal and have 100% interchangeable roles.
- جیسا کہ ما قبل میں ذکر کیا گیا کہ فیمنزم کی مکمل کوشش یہ ہے کہ معاشرے میں ہر اعتبار سے مساوات قائم ہو جائے۔ اب ظاہر ہے کہ مرد تو حاملہ ہو نہیں سکتا، یہ تو ممکن نہیں ہے الا یہ کہ آپ کسی عورت کو یہ سجھا دیں کہ وہ مرد ہے اور وہ اپنے آپ کو مرد کہنے لگے اور پھر وہ حاملہ ہو جائے۔ یہ دو نمبری تو ممکن ہے، لیکن ایک مرد فطری انداز سے حاملہ ہو جائے یہ ممکن نہیں ہے۔ اس لیے یہ یاد رکھیں کہ ہمارا روایتی نکاح کا نظام دراصل فیمنزم کا سب سے بڑا ہدف ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نظام میں پدر نوازی (**Patriarchy**) ہر جگہ اور ہر دور میں پائی جاتی ہے۔ اور پدر نوازی ان کے مطابق مساوات کے خلاف ہے۔ لہذا فیمنسٹ یہ سمجھتے ہیں کہ ہیٹروسیکشول میرج (**Heterosexual marriage**) ہوگی یعنی

ایک طرف مرد اور دوسری طرف عورت ہو اور دونوں کی شادی ہو جو کہ فطری نظام ہے اور انسانیت کی ابتدا ہی سے ہو تا آرہا ہے، بلکہ جانوروں میں بھی یہی چلا آرہا ہے، فیمنسٹ سمجھتے ہیں کہ یہ **Heterosexual marriage** دراصل ریپ ہے، یہ گویا کہ عورت کے ساتھ جنسی زیادتی کرنا ہے۔ وہ کس طرح؟ چونکہ جب **Heterosexual marriage** ہو گی جیسا کہ ہوتی ہے اور جس کے نتیجہ میں اولاد پیدا ہوتی ہے اور جس کے نتیجہ میں نسل انسانی چلتی ہے، تو مرد اپنی فطری صلاحیتوں کی وجہ سے اپنی اتھارٹی اور بالادستی قائم کرلیتا ہے اور جب وہ اپنی اتھارٹی قائم کرے گا تو عورت مجبور ہو جاتی ہے اور مجبور ہو کر وہ اپنے آپ کو مرد کے سپرد کر دیتی ہے، یہی تو ریپ ہے۔ چونکہ ریپ میں بھی یہی ہو تا ہے کہ ایک ظالم اجنبی مرد ایک عورت کے ساتھ زبردستی کرتا ہے اور عورت شروع میں **Resist** (مزاحمت) کرتی ہے لیکن ایک حد تک مزاحمت کے بعد وہ مجبور ہو جاتی ہے۔ لیکن کیا دنیا کی کوئی عدالت ایسی ہے جو اس کو ریپ نہ کہے؟ ظاہر ہے کہ ہر عدالت اس کو ریپ کہے گی۔ تو اسی طریقے سے **Heterosexual marriage** بھی ہے کہ جس میں مرد نکاح کے بعد اپنی اتھارٹی اور اپنی بالادستی قائم کرے، وہ دراصل ریپ کے زمرے میں ناچاہیے۔ یہ فیمنزم کا موقف ہے۔

جواب:

قرآن کریم میں اللہ تعالی نے بالکل واضح اور دوٹوک اعلان کیا ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ-فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ-وَ الّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَ اهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَ اضْرِبُوْهُنَّ-فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْهِنَّ سَبِیْلًا-اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیًّا كَبِیْرًا(النساء-34)

مرد عورتوں کے نگران ہیں، کیونکہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور کیونکہ مردوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں۔ چنانچہ نیک عورتیں فرمانبردار ہوتی ہیں، مرد کی غیر موجودگی میں اللہ کی دی ہوئی حفاظت سے (اس کے حقوق کی) حفاظت کرتی ہیں۔ اور جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو تو (پہلے) انہیں سمجھاؤ، اور (اگر اس سے کام نہ چلے تو) انہیں خواب گاہوں میں تنہا چھوڑ دو، (اور اس سے بھی اصلاح نہ ہو تو) انہیں مار سکتے ہو۔ پھر اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو ان کے خلاف کارروائی کا کوئی راستہ تلاش نہ کرو۔ یقین رکھو کہ اللہ سب کے اوپر، سب سے بڑا ہے۔

یہ آیت میں اس لئے یہاں ذکر کر رہا ہوں چونکہ ہمارے کچھ مسلم مفکرین ایسے ہیں جن کا کام صرف اور صرف مصالحت کرنا اور مغربی تہذیب کو گلے لگانا، مغربی تہذیب کے دیے ہوئے نظریات کو اپنے لئے نمونہ زندگی سمجھنا اور ان نظریات کی روشنی

میں قرآن و سنت میں تاویل اور تحریف کرنا، یہ ان کی زندگی کا مقصد ہے۔ مدرسہ ڈسکورس یہی تو سکھاتا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جو ہند و پاک کے علماء کے درمیان اس وقت ایک منظم سازش کے تحت باقاعدہ پھیلائی جارہی ہے۔ وہ یہ کہ نصوص کی تاویل و تحریف کرنی ہے۔ چونکہ آپ نے مدارس میں رہ کر اپنے اساتذہ کی نگرانی میں ایک روایتی انداز سے نصوص پڑھ لئے ہیں، اب جس طرح تاویل اور تحریف آپ کر سکتے ہیں کوئی دوسرا نہیں کر سکتا اور جب آپ تاویل اور تحریف کریں گے تو معاشرہ بہت ہی آسانی کے ساتھ قبول کرے گا چونکہ نام کے آگے اور پیچھے مفتی اور مولانا بھی لگا ہوا ہے۔ جب آپ دین کی وہ تشریح کریں گے جو مغربی ماڈل کے مطابق ہے تو پوری سوسائٹی آنکھ بند کر کے فوراً قبول کرے گی۔ تو ایسے لوگ ہمارے اپنے معاشرے کے لئے تیار کئے جارہے ہیں۔ چنانچہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بہت سے نامنہاد مولانا نکاح کے پارٹنرشپ ماڈل کو پیش کرتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ نکاح تو دراصل پارٹنرشپ کا نام ہے۔ اس نکاح کے اندر میاں بیوی سو فیصد برابری کا درجہ رکھتے ہیں۔ اور جب یہ پارٹنرشپ ماڈل ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ مرد اور عورت کے کردار بھی **interchangeable** (قابل تبدیل) ہیں۔ یعنی یہ ضروری نہیں کہ مرد باہر جائے کمائے اور ملازمت کرے اور عورت گھر پر رہے اور بچوں کو پالے، اس کے برعکس بھی ہو سکتا ہے کہ عورت باہر جائے ملازمت کرے اور مرد گھر پر رہ کر بچوں کو پالے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ عورت روزانہ کچن میں جائے اور اپنے اہل خانہ کے لیے کھانا بنائے، اس کا برعکس بھی ہو سکتا ہے کہ مرد کھانا بنائے۔ ایک دن اگر عورت کھانا بنارہی ہے تو دوسرے دن مرد بنائے۔ جس دن عورت کھانا بنارہی ہے اس دن مرد برتن دھوئے۔ یہ **interchangeable** رولز ہیں، کیونکہ جب دو پارٹنر برابر کے شریک ہوتے ہیں تو یہ نہیں کہا جاتا کہ آسان والا کام فلاں آدمی کرے گا اور جو ذرا مشکل اور محنت طلب کام ہے وہ دوسرا کرے گا، جو تنہائی میں بیٹھ کر کرنے والا کام ہے وہ فلاں پاٹنر کرے گا اور جو ساری دنیا کے سامنے آنے والا کام ہے وہ فلاں پارٹنر کرے گا، اس طریقے سے پارٹنر شپ ماڈل کام نہیں کرتا۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ بہت سے نام نہاد مسلم اسکالرز اسی پارٹنرشپ ماڈل کو مسلم سائٹی کے اندر گروغ دیتے ہیں اور اس آیت کی غلط تفسیر دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ وہ غلط تفسیر کیا ہے؟ وہ "قوامون" کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں کہ قوامیت کو محدود کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں **مرد عورت کا محافظ ہے**۔ مردوں کو عرتوں کا محافظ بنایا گیا ہے۔ یا اگر تھوڑا سا آگے بڑھ جائیں گے تو کہیں گے کہ **مردوں کو عورتوں کا خیال رکھنے والا بنایا گیا ہے**۔ تو سوال یہاں پر یہ ہوتا ہے کہ کیا خیال رکھنا یا حفاظت کرنا صرف ایسا کام ہے جو مرد کر سکتا ہے، کوئی دوسرا نہیں کر سکتا؟ اگر یہ معنی لیا جائے تو ایسا لگ رہا ہے کہ صرف شوہر ہی دنیا میں وہ واحد رشتہ ہے کہ جو حفاظت فراہم کرتا ہے، کیا باپ اپنی بچیوں کا خیال نہیں رکھتا اور ان کی حفاظت نہیں کرتا؟ کیا بیٹا اپنی ماں کا اور بھائی اپنی بہنوں کا خیال نہیں رکھتا؟ بلکہ رشتہ دار تو چھوڑیں، اگر آپ کوئی باڈی گارڈ رکھ لیں، وہ بھی آپ کو تحفظ فراہم کرے گا۔

آپ کوئی دودھ پلانی والی عورت اجرت پر رکھ لیں تو خیال تو وہ بھی رکھ لے گی، بلکہ ایک ماں بھی اپنے بچوں کا تحفظ کرتی ہے، تو اس میں "الرجال" کی کیا تخصیص ہے؟ تو "قوامیت" سے مراد صرف تحفظ فراہم کرنا اور صرف سامنے والے کی دیکھ ریکھ اور خیال رکھنا نہیں ہے، یہ بھی شامل ہے لیکن "قوامیت" کے اندر اصل چیز اتھارٹی ہے۔ یعنی مرد کی عورت کے اوپر اتھارٹی۔ اور یہ اتھارٹی قرآن کریم نے فطری اور طبعی وجوہات کی بنا پر مرد کو دی ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"يقول تعالى: (الرجال قوامون على النساء) أي : الرجل قيم على المرأة ، أي هو رئيسها وكبيرها والحاكم عليها ومؤدبها إذا اعوجت" (ابن کثیر)

ابن کثیرؒ نے فقط اس بات پر اکتفاء نہیں کیا کہ مرد عورت کا قیّم ہے، اللہ تعالی نے ابن کثیرؒ کے دل میں یہ بات ڈال دی تھی کہ لوگ اس آیت کے ترجمہ اور تشریح کو بدلیں گے، اس لیے انھوں نے قیّم کے معنی کی یوں تشریح کی کہ قیّم کے معنی ہیں هو رئيسها یعنی وہی کرسئ صدارت پر فائز ہے، وكبيرها وہی بڑا ہے، والحاكم عليها اتھارٹی اسی کی ہے، ومؤدبها إذا اعوجت بلکہ اگر عورت کے اندر کجی اور ٹیڑھا پن آئے گا تو اس کو سدھارنے والا بھی مرد ہے۔ یہ تمام چیزیں قوامیت کے اندر آتی ہیں۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ ٹھیک ہے اگر ابن کثرؒ نے کہہ دیا تو کیا ہوا، وہ کوئی نبی اور رسول تو تھے نہیں، یہ ان کی اپنی رائے ہو سکتی ہے جو یقیناً ان کے ارد گرد کے social construct کا نتیجہ ہے جو اس وقت کے معاشرے کا عکاس ہو گی۔ اس لیے ابن کثیرؒ نے اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لیے اور اپنی بات کو مدلل کرنے کے لئے ابن عباسؓ کا یہ قول بھی پیش کیا ہے:

وقال علي بن أبي طلحة عن ابن عباس: (الرجال قوامون على النساء) يعني : أمراء عليها أي تطيعه فيما أمرها به۔ (ابن كثير)

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے اس آیت کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرمایا: مرد اعورتوں پر امیر بنائے گئے ہیں اور عورت مرد کے حکم کی اطاعت کرے۔

اس سے زیادہ واضح تشریح اور کیا ہو سکتی ہے۔ لہذا قوامیت کا ترجمہ بدل دینا اور اس صرف تحفظ فراہم کرنے تک محدود کر دینا یا اس کو محض سامنے والے کی رعایت اور خیال رکھنے تک محدود کر دینا دراصل نصوص کے اندر تحریف ہے اور فیمنزم کو عام کرنے کی ایک چال ہے جسے ہمارے کچھ بھولے بھالے اور کچھ سازشی روایت پسند حضرات (روایت پسندیوں تو عام طور پر سازشی

نہیں ہوتے ہیں لیکن کچھ سازشی روایت پسند بن جاتے ہیں، جیسے کہ حضرت تھانویؒ نے فرمایا تھا کہ مولوی چور نہیں ہوتا لیکن کبھی کبھار چور مولوی بن جاتا ہے۔) دراصل مسلم معاشروں کے اندر لبرلزم اور فیمنزم کے اس ایجنڈے کو پرموٹ کر رہے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث کس قدر واضح ہے۔ اس میں کہاں تک تاویل کریں گے؟ کہاں تک اس کے معنی تبدیل کریں گے؟ شرح عقائد کے اواخر میں علامہ نسفیؒ فرماتے ہیں اور علامہ تفتازانیؒ اس کی تشریح کرتے ہیں کہ: "رد النصوص من الظاهر" کہ نصوص کو ظاہری معنی سے ہٹانا اور اس کا کوئی دوسرا معنی بیان کرنا، یہ بالکل غلط ہے اور اہل سنت کے منہج کے خلاف ہے اور بعض حالات میں تو یہ کفر ہے۔ علامہ تفتازانیؒ نے یہ بات لکھی ہے اور عقائد کی دیگر کتب میں بھی یہ بات آپ کو مل جائے گی۔ اب ذیل میں ایک مشہور حدیث اور اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

عن عبد الله بن عمرؓ عن النبي ﷺ قال: (أَلَا) كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، فَالْأَمِيرُ الَّذِي عَلَى النَّاسِ رَاعٍ، وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ، وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُمْ (متفق عليه)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: "تم میں ہر آدمی چرواہا ہے (اور چرواہا اپنے ریوڑ کے اوپر اتھارٹی رکھتا ہے، بکریاں اپنی مرضی سے کہیں نہیں جاسکتیں) اور تم میں سے ہر آدمی اپنے ریوڑ کا ذمہ دار ہے۔ (اس کے بعد آپ ﷺ نے کچھ مثالیں دی ہیں، فرمایا:) امیر وہ شخص کہلاتا ہے جو لوگوں کا ذمہ دار ہو (لوگ اس کی اطاعت کریں اور وہ لوگوں کا خیال رکھے) اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ (مزید فرمایا:) اور مرد اپنے اہل خانہ کے اوپر نگراں بنایا گیا ہے (یہ نگرانی اسی وقت ممکن ہے جب مرد کے پاس اتھارٹی ہو، جس طرح ایک امیر اور حاکم کے پاس اتھارٹی ہوتی ہے، اتھارٹی کے بغیر وہ اپنے ریوڑ یا خاندان کی نگرانی نہیں کر سکتا) اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہوگا۔

یہ بالکل واضح حدیث ہے اور قرآن کریم کی آیت بھی بالکل واضح ہے، لیکن اس کے باوجود مسلم فیمنسٹ اور لبرل یہ کہتے ہیں کہ نکاح ایک پارٹنرشپ ماڈل ہے۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ نکاح ایک **authoritative** (حاکمانہ) ماڈل ہے، اس مرد کو عورت کے اوپر اتھارٹی اور اختیار حاصل ہے۔ لیکن یہاں پر یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اس بالادستی کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو مارے پیٹے، اس پر ظلم کرے، اسے دبا کر رکھے، اور بدلہ میں یہ توقع رکھے کہ جب میں مار کر تھک جاؤں تو یہ میرے پیر دبائے میرے ہاتھ دبائے، ایسا شخص انسان کہلائے جانے کے لائق نہیں ہے۔ یہ چیز شریعت کے خلاف ہے، بہت سی احادیث کے خلاف ہے۔ اتھارٹی کا مطلب وہی ہے جو ابن کثیرؒ نے بیان کیا کہ ومؤدبها إذا اعوجت اگر عورت کے اندر کجی اور ٹیڑھا پن آئے گا تو وہ

اسے ادب سکھلائے۔ اور ادب سکھلانے کا مطلب ہر گز یہ نہیں ہے کہ آپ قینچی لیکر اس کو مارنا شروع کر دیں۔ ادب سکھلانے کے بہت سارے طریقے ہو سکتے ہیں۔

بلکہ ایک اہم بات یہ یاد رکھنی چاہئے کہ جس شخص کی ذمہ داریاں زیادہ ہوتی ہیں، الزام بھی اسی پر زیادہ آتا ہے۔ مثلاً اگر آپ کسی ادارے کے نگراں ہیں اور وہ کمپنی فیل ہو جائے۔ جیسے آج کل انڈیا میں ہر طرف اڈانی کا بڑا چرچا چل رہا ہے، اب ایسا تو نہیں ہے کہ سارا کام اڈانی نے خود کیا ہو، اس کے مشیر ہوں گے، سی ای اوز ہوں گے، بورڈ آف ڈائرکٹر ہوں گے، اس کے علاوہ بھی بہت سارے عہدیداران ہوں گے، ان سب کی ملی بھگت سے جو کچھ ہونا تھا وہ ہوا۔ اور کمپنی نے فراڈ کیا جیسا کہ اس وقت رپورٹ آرہی ہیں۔ لیکن الزام براہ راست اڈانی پر ہی جائے گا۔ اگر کل کو حکومت بیدار ہو کر قانونی کارروائی کرنے لگے تو عہدیداران تو جیل جائیں گے ہی، لیکن سب سے پہلے اڈانی جیل جائے گا۔ یعنی جس کی سب سے زیادہ ذمہ داری، الزام بھی اسی پر سب سے زیادہ۔ لہٰذا اگر خاندان میں مرد کی بالادستی قائم ہے تو الزام بھی اسی پر سب سے زیادہ ہے۔ اگر خاندن بگڑتا ہے تو یہ مرد کی ذمہ داری ہے۔ تو نکاح دراصل authoritative (حاکمانہ) ماڈل ہے۔ اگر ماڈل پارٹنر شپ ہو تو پھر آیت اور حدیث کا یہ مفہوم ممکن نہیں ہو گا۔ کیونکہ پارٹنر شپ ماڈل میں دونوں کی ذمہ داریاں برابر ہیں، جب دونوں کی برابر ذمہ داری ہے تو الزام بھی دونوں کے اوپر ہو گا۔ لیکن اسلام یہ کہہ رہا ہے کہ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُمْ ذمہ داری مرد کی ہے، ذمہ داری عورت کی نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اتھارٹی مرد کی ہے، اتھارٹی عورت کی نہیں ہے۔ یہ بالکل واضح بات ہے اور اس میں کوئی سمجھوتا اسلام نہیں کرتا۔ اب سوال یہ ہے کہ اسلام اس معاملے میں کیوں سمجھوتا نہیں کرتا؟ یہ تو بڑی ناانصافی ہے، عورت کو اسلام نے دوسرے درجہ کا شہری بنا دیا؟ آگے کی تفصیل اسی مسئلہ پر مشتمل ہے کہ کیا واقعی اسلام نے عورت کو دوسرا درجہ دیا ہے؟ کیا واقعی مرد کو مرد ہونے کی وجہ سے افضل بنایا گیا ہے؟ اور کیا عورت ہر اعتبار سے مفضول ہے؟ اس پر آگے تفصیلی گفتگو ہو گی، ان شاء اللہ

EQUALITY(مساوات)

جیسا کہ اوپر بات آئی تھی کہ شادی اور نکاح دراصل فیمنزم کا سب سے بڑا نشانہ ہے کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ روایتی شادی مساوات کے خلاف ہے، اس لیے ان لوگوں نے Heterosexuality (مرد و عورت کے جسمانی تعلق) کو ریپ کہنا شروع کر دیا۔

درج ذیل اقتباس اینڈریا ڈارکن کا ہے، اس کا نام ماقبل میں آچکا ہے۔ اس نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے **Intercourse**۔ اس کتاب کا مرکزی موضوع آپ کو درج ذیل اقتباس سے معلوم ہو جائے گا:

"Heterosexuality is rape".

Andrea Dworkin in her book **Intercourse** argues that all heterosexual sex in patriarchal society is coercive and degrading to women, and sexual penetration may by its very nature doom women to inferiority and submission**.**

This is the logical conclusion of feminist discourse. Leads directly to homosexuality and transgenderism**.**

یہ اپنی کتاب میں کہتی ہے: پدرانواز معاشرے میں جتنے بھی جنسی تعلقات مرد اور عورت کے درمیان ہوتے ہیں وہ سارے کے سارے خواتین کے لیے ظالمانہ اور جابرانہ ہیں، اور عورت کے مرتبے کو نچلا کرنے والے ہیں۔ اور (صرف اتنا ہی نہیں) جنسی دخول دراصل عورت کو نچلے درجے کا بنانے والا اور اس تابعدار بنانے والا عمل ہے۔

یعنی چونکہ یہ عمل مرد کرے گا اور عورت میں کیا جائے گا، یہ فطری طریقہ ہی دراصل عورت کے ذہن میں یہ بات بٹھا دیتا ہے کہ وہ تابعدار ہے، وہ نچلے درجے کی ہے۔ مرد اوپر ہے، اس طرح وہ اپنی برتری اور اپنی حاکمیت قائم کر لیتا ہے۔ اس فلسفے کو اینڈریا ڈارکن نے اپنی پوری کتاب میں دہرایا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کس قدر بیمار ذہنیت کو یہ معاشرے میں پھیلا رہے ہیں۔

چونکہ ان کے نزدیک یہ ایک مسئلہ ہے لہذا اس مسئلے کا حل جو آخری سطر میں لکھا ہے وہ یہ ہے کہ ہم جنس پرستی اور ٹرانسجینڈرزم کو فروغ دیا جائے۔ مرد اور عورت کے درمیان پدرانواز معاشرے میں جو تعلق ہوتا ہے اسے ختم کیا جائے۔ اگر جنسی بھوک ہی مٹانی ہے تو وہ دوسرے طریقوں سے بھی مٹ سکتی ہے، مرد کی مرد سے اور عورت کی عورت سے مٹ سکتی ہے۔ جب دونوں درابر درجے کے ہوں گے تو مکمل مساوات قائم ہو گی، یہ نہیں ہو گا کہ ایک بڑھ کر ہے اور دوسرا نیچے ہے، کیونکہ دونوں کی جسمانی ساخت بھی ایک جیسی ہو گی۔

اس نظریہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ فیمنزم نے ہم جنس پرستی اور ٹرانسجینڈرزم کو جتنا فروغ دیا ہے اتنا کسی اور نے نہیں دیا۔ حالانکہ کچھ فیمنسٹ ایسے بھی ہیں جو ٹرانسجینڈرزم کو پسند نہیں کرتے ہیں، اسی لئے ایسے فیمنسٹ کو **TERF** ٹرف بولا جاتا ہے۔ لیکن مجموعی طور پر فیمنسٹ ہم جنس پرستی اور ٹرانسجینڈرزم کو فروغ دیتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں۔

صورت حال یہاں تک پہنچ گئی کہ ایک فطری عمل جو انسانوں میں ہی نہیں بلکہ جانوروں میں بھی ہوتا آیا ہے اور جس کی وجہ سے جانوروں کی اور انسانوں کی نسل چلتی ہے، اس کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ فطرت نے نہیں دیا ہے، اس طریقے کو بھی مساوات کے خلاف سمجھ اسے یہ لوگ ریپ کہتے ہیں۔ ریپ کیوں کہتے ہیں؟ ریپ اس لیے کہتے ہیں تاکہ اس کو برا سمجھا جائے۔ جب آپ ایک عمل کے لیے یہ اصطلاح استعمال کرتے رہیں گے تو آخر کار یہ تحریک اٹھ چلے گی کہ اس تعلق سے کچھ قانون سازی ہونی چاہئے۔ اس سے پہلے بھی بتایا گیا تھا کہ مغربی معاشروں کے اندر بڑی تیزی سے یہ قانون بن رہا ہے کہ ایک شوہر اپنی بیوی کی رضامندی کے بغیر اس سے ساتھ جنسی عمل کرتا ہے تو اسے ریپ قرار دیا جانا چاہیے۔ یہاں تک کہ اگر دونوں کے درمیان یہ طے ہوا تھا کہ ان کو ابھی بچہ نہیں چاہئے اور اس لئے شوہر کنڈوم کا استعمال کرتا ہے، لیکن جنسی عمل کے دوسران وہ اسے عورت کی اجازت کے بغیر اتار دیتا ہے تو یہ بھی قانوناً جرم ہے۔ اور پہلے یہ بات بتا چکا ہوں کیلیفورنیا میں یہ قانون بن بھی چکا ہے۔ یہ کیوں بنیا؟ یہ ایک بدیہی سی بات ہے کہ گزشتہ 30-35 سال سے مسلسل جب اس عمل کو ریپ کہا جاتا رہے گا تو ظاہر ہے کہ معاشرہ اس چیز کو قبول کرے گا۔ آپ کسی جھوٹ کو ہزار مرتبہ سچ کہیں گے تو لوگ اسے سچ سمجھنے لگیں گے۔ اسی طرح جب ایک فطری عمل کو آپ جرم بنا کر پیش کریں گے اور بار بار مساوات کے خلاف کہیں گے اور اسکولوں کالجوں کے اندر بھی یہی مزاج بنایا جائے گا تو جو نسل اسکول کالجوں سے نکل کر قیادت کے میدان میں آئے گی تو ظاہر ہے اس کا مزاج اور نظریہ وہی ہو گا۔ یہی لوگ پھر آگے چل قانون سازی کریں گے اور ایک فطری عمل کو ریپ کا درجہ دے دیا جائے گا۔ اور یہ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ جو چیز 30-35 سالوں سے کہی جارہی تھی کہ اس کو ریپ قرار دیا جائے، اس کو ریپ قرار دیا جارہا ہے۔

HYPERGAMY

- **Hypergamy: Female attraction to and mating preferences for males who have higher status (than themselves).**
- **Cashdan, Elizabeth (1996). "Women's Mating Strategies"**
- **Why? Reproductive strategy.**
- **It is involuntary and natural, similar to male attraction and mating preferences.**
- **Implications for marriage, stability of marriage.**

یہ ایک بہت ہی اہم موضوع ہے جس کا عنوان ہے ہائپر گیمی (**Hypergamy**)۔اس عنوان کے تحت ہم یہ بحث کریں گے کہ مرد کی عورت پر قوامیت یعنی اتھارٹی ایک فطری چیز ہے، بایو جولیکل چیز ہے، سائنسی حقیقت ہے اور اس کا انکار کرنا در اصل اُس سائنس کا انکار کرنا ہے جس کی یہ لوگ دن رات عبادت کرتے ہیں۔ اُس بیالوجی کا انکار کرنا ہے جس بیالوجی کی بنیاد پر یہ لوگ ڈاروینین ایولوشن کو فروغ دے کر خدا کے نظریہ تخلیق کا انکار کرتے ہیں اور اس طریقے سے مذہب کا انکار کر دیتے ہیں۔ کیونکہ ہائپر گیمی کی بنیاد بیالوجی ہے۔ سب سے پہلے ہم اس اصطلاح کو سمجھتے ہیں۔

ہائپر گیمی (**Hypergamy**): کا مطلب یہ ہے کہ عورت اپنے سے بہتر اسٹیٹس والے مرد کو ترجیح دے۔ بہتر اسٹیٹس کسی بھی چیز میں ہو سکتا ہے مثلاً جسامت میں، طاقت میں، دولت میں، تعلیم میں، مزاج میں، خاندانی اعتبار سے، یہ تمام وہ چیزیں ہیں جس میں عورت یہ چاہتی ہے کہ میرا رفیق حیات ان سب میں مجھ سے بہتر ہو۔ وہ مجھ سے زیادہ مالدار ہو، زیادہ تعلیم یافتہ ہو، اس کا خاندان ہمارے خاندان سے زیادہ عزت اور وقار رکھتا ہو۔ جن علاقوں میں نسب کی بنیاد پر رشتے طے ہوتے ہیں وہاں عورت یہ چاہتی ہے کہ میرا نکاح ایسے خاندان میں ہو جو نسب کے اعتبار سے ہم سے بہتر ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے معاشروں میں کہ جہاں نسب کی بنیاد پر کفائت (**Compatibility**) کا مسئلہ طے ہوتا ہے وہاں پر اعلیٰ خاندان کی عورت نہیں چاہتی کہ میرا نکاح ادنیٰ نسب والے خاندان میں ہو۔ اسی کو ہائپر گیمی (**Hypergamy**) کہا جاتا ہے اور یہ ایک فطری حقیقت ہے۔

آپ دیکھیں کہ آج سے صدیوں پہلے جب فقہاء فقہ اسلامی پر کتابیں لکھ رہے تھے تو انھوں نے کتاب النکاح کے تحت کفائت کے باب کے تحت یہ مسئلہ بیان کر دیا تھا کہ اگر کوئی مرد اپنے سے ادنیٰ درجہ والی عورت سے نکاح کرے تو کوئی مسئلہ نہیں

ہے، یہ کفو ہے، لیکن اگر کوئی عورت اپنے سے ادنی نسب والے مرد سے نکاح کرے تو یہ کفائت کے خلاف ہے۔ ھدایۃ(فقہ حنفی کی مشہور کتاب) میں اور بہت سی کتابوں میں آپ دیکھیں گے کہ اس بات کے تحت الگ الگ پیشے اور کاروبار ذکر کئے گئے ہیں اور اس طرح کی مثالیں بھی ذکر کی گئی ہیں کہ لڑکی عطر فروش کی بیٹی ہے اور لڑکا لوہار کے خاندان سے ہے تو یہ کفو نہیں ہے، چونکہ عطر فروشی کو معاشرہ میں اعلی درجہ گردانا جاتا ہے۔ تو پیشے کی بنیاد پر بھی اسٹیٹس طے ہوتے ہیں۔ اور یہ شریعت کے طے کردہ اسٹیٹس نہیں ہیں بلکہ یہ معاشرے کے طے کردہ اسٹیٹس ہیں۔ شریعت تو یہ بتانے کے لیے آئی ہے کہ چونکہ تم لوگوں نے یہ اسٹیٹس قائم کر لیے ہیں لہذا اب کفائت کا اعتبار اس طریقے سے ہو گا۔ چونکہ یہ چیز عورت کی فطرت اور اس کی بیالوجی میں شامل ہے لہذا فقہاء پر الزام لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔

ایک اضافی بات عرض کر رہا ہوں کہ آج مسلمانوں میں بھی ایسی بہت سی تنظیمیں قائم ہو گئی ہیں جو یہ کہتی ہیں ہمارے ساتھ بھی نسب کی بنیاد پر ظلم ہوا ہے اور ہمیں پسماندہ ذات قرار دے دیا گیا ہے اور فلاں اعلی ذات ہے، اور اس کی بنیاد پر ہمارے آپس میں شادی بیاہ کے تعلق قائم نہیں ہوئے۔ میں ان کے دعویٰ کی طرف داری نہیں کر رہا۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ وہ لوگ دلیل کس طرح دیتے ہیں۔ یہ لوگ بہت سی فقہ کی عبارتیں بلکہ بعض مرتبہ کچھ احادیث کا حوالہ دے کر ان کا مفہوم میں تحریف کر کے باضابطہ اسلام کو نشانہ بنانے لگتے ہیں، اس طرح کی تنظیمیں قائم ہو گئی ہیں۔ اور آر ایس ایس کی جانب سے ان کو فنڈنگ کی جاتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے ان ذات پات کے نظاموں کو فروغ نہیں دیا، یہ تو معاشرے کے اپنے بنائے ہوئے نظام ہیں۔ اسلام تو یہ کہتا ہے کہ چونکہ تم نے ان نظاموں کو بنا لیا ہے تو اب اس طرح عمل کرو۔ حالانکہ اسلام کا قانون اور نظام یہ ہے کہ کسی عربی کو عجمی پر اس کے عربی ہونے کی وجہ سے فضیلت نہیں ہے۔ فضیلت کا معیار تو تقوی ہے۔ آپ ﷺ نے یہ تلقین فرمائی ہے کہ مرد اگر نکاح کے لیے عورت کا انتخاب کرے تو دیگر صفات ایک طرف، سب سے اوپر دین کے وصف کو دیکھے۔ یہ آپ ﷺ کی تعلیمات ہیں۔ لیکن فقہاء یہ بیان کرتے ہیں کہ چونکہ معاشروں نے الگ الگ اسٹیٹس قائم کر لئے ہیں تو پھر جب اسٹیٹس الگ ہو گا، عورت کا اسٹیٹس اگر مرد کے اسٹیٹس سے اوپر ہو گا اور عورت اپنے سے کم درجہ والے مرد سے نکاح کرے گی تو وہ نکاح زیادہ دنوں تک باقی نہیں رہ سکتا، اور اس نکاح کی برکات اس جوڑے کو حاصل نہیں ہوں گی۔ کیونکہ ہوتا یہ ہے کہ مثال کے طور پر ایک عورت کو آپ اختیار دیں کہ تمہارے لئے دو مردوں کا رشتہ آیا ہے، دونوں حسب نسب کے اعتبار سے بھی برابر ہیں، مال و دولت کے اعتبار سے بھی برابر ہیں، قد کاٹھ اور خوبروئی کے اعتبار سے بھی برابر ہیں لیکن تعلیم میں تھوڑا فرق ہے۔ ایک نے صرف گریجویشن کی ہے جبکہ دوسرے نے ماسٹرز کیا ہوا ہے۔ تو فطری طور پر عورت اس کو ترجیح دے گی جس کی تعلیم زیادہ ہے۔ چونکہ دوسری تمام چیزوں

میں تو دونوں برابر ہی ہیں۔ یہ ترجیح کیوں دے رہی ہے؟ یہ اس کی فطرت میں شامل ہے۔ اور یہ چیز کسی ایک خاص معاشرے میں نہیں ہے بلکہ تمام انسانی معاشروں میں ایسا یہی ہوتا آرہا ہے۔ (اس کا ثبوت آگے آرہا ہے) لیکن مرد یہ نہیں دیکھتا ہے کہ اس کی ہونے والی بیوی اس سے زیادہ پڑھی لکھی ہونی چاہیئے، اس کا خاندان میرے خاندان سے اعلی ترین ہونا چاہیئے، (ممکن ہے بعض مرد یہ چیزیں دیکھتے ہوں) لیکن فطری طور پر مرد یہ دیکھتا ہے کہ اس کی ہونے والے بیوی خوبصورت ہونی چاہیے۔ مرد جمال پر نظر رکھتا ہے، جبکہ عورت اپنے مستقبل کے تحفظات پر نظر رکھتی ہے کہ اگر شوہر تعلیم یافتہ ہوگا، کام کرنے والا ہوگا، اس کی ملازمت اچھی ہوگی تو ظاہری حسن سے سمجھوتہ کرلوں گی لیکن کم از کم میری اور میرے بچوں کی مناسب دیکھ بھال رہے گی۔ یہ خیال دراصل ایک فطری خیال ہے اور اسی کو ہائپر گیمی (Hypergamy) کہا جاتا ہے۔ اب اگر مرد اچھے اسٹیٹس والا ہے، زیادہ تعلیم یافتہ ہے، اچھی ملازمت والا ہے، حسب ونسب کے اعتبار سے بہتر ہے تو عورت خود یہ چاہ رہی ہے کہ میرا شوہر مجھ سے بہتر ہو اور وہ میرے اوپر بالادستی قائم کرے چونکہ جو بہتر ہوگا وہ فطری طور پر بالادستی قائم کرے گا ہی۔ تو ہائپر گیمی (Hypergamy) عورت کی فطرت میں شامل ہے۔ یہ کوئی Voluntary act (رضاکارانہ عمل) نہیں ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ Hypergamy عورت کی فطرت میں شامل کیوں ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دراصل Reproductive strategy (تولیدی حکمت عملی) ہے۔ عورت دراصل یہ سوچتی ہے کہ اگر میرا شوہر مجھے سے بہتر ہوگا اور مجھ پر بالادستی رکھے گا تو ہماری آنے والی نسل زیادہ محفوظ ہوگی لیکن اگر مرد مجھ سے کم درجہ کا ہے اور اس کی ملازمت نہیں ہے یا اگر ہے بھی تو کم درجے کی ہے تو ہماری آنے والی نسل محفوظ نہیں گی۔ چونکہ عورت اگر اعلی خاندان سے اور مال دار طبقے سے آرہی ہے تو اس کا طرز زندگی اور ضروریات الگ ہیں اور بچوں کے بھی اسی طرح کے مطالبات ہوں گے جنہیں وہ شوہر پورا نہیں کرسکے گا اور یہ ایک کامیاب شادی نہیں رہ پائے گی۔

فیمنسٹ کہتے ہیں کہ Hypergamy والنٹیری (Voluntary) عمل ہے یعنی معاشرے نے عورت کو یہ چیز سکھادی تو عورت سیکھ گئی۔ اگر معاشرہ عورت کو یہ سکھادے کہ ہائپر گیمی (Hypergamy) نہیں کرنی ہے اور تم اپنے برابر درجے کے رفیق حیات کا انتخاب کرو تو عورت اسے بھی سیکھ لے گی۔ حالانکہ حقیقت ایسی بالکل بھی نہیں ہے! چونکہ ہائپر گیمی involuntary (از خود، فطری) عمل ہے، بالکل اسی طرح فطری ہے جیسے مرد ایک خوبصورت بیوی کا انتخاب کرتا ہے، اور خوبصورتی کا انتخاب کرنا ایک فطری عمل ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ معاشرے نے مرد کو سکھایا ہے کہ تم ایک خوبصورت بیوی کا انتخاب کرو اور بدصورت کا نہ کرو۔

ایسا نہیں ہے کسی زمانے میں مرد کو خوبصورتی اور بدصورتی کا کے درمیان کوئی امتیاز نہیں تھا کہ اگر دو عورتوں کو کھڑا کر دیا جاتا تو وہ نہیں سمجھ پاتا تھا کہ کس کو خوبصورت کہا جائے اور کس کو بدصورت، بلکہ روز اول سے مرد خوبصورتی اور بدصورتی کے درمیان تمیز کر سکتا ہے۔ جس طریقے سے مرد فطری طور پر خوبصورتی کو ترجیح دیتا ہے، بالکل اسی طرح عورت بھی فطری طور پر ہائیپر گیمی (Hypergamy) کو ترجیح دیتی ہے۔ اور اس مقصد ہے نکاح میں stability (استحکام) لانا۔

لیکن فیمنزم عورتوں کو کیا سکھاتا ہے؟ فیمنزم عورتوں کو یہ سکھاتا ہے کہ جب تم رفیق حیات کا انتخاب کرو تو وہ تمہارے برابر ہونا چاہیے۔ اسٹیٹس میں تمہارے برابر ہونا چاہیے۔ اگر تمہاری تنخواہ ایک لاکھ روپے ہے تو تمہارے شوہر کی تنخواہ بھی ایک لاکھ روپے ہونی چاہئے۔ کم زیادہ نہ ہو، تاکہ مساوات رہے۔ اب مسئلہ یہ پیش آتا ہے کہ اس کی بیالوجی اس کو یہ بتا رہی ہے کہ مرد کا اسٹیٹس اس سے اعلی درجے کا ہونا چاہئے جبکہ فیمنزم اس کو یہ سکھا رہا ہے کہ دونوں اسٹیٹس برابر ہونا چاہیے، لہذا وہ شبہات اور کنفیوزن کا شکار ہو جاتی ہے۔ اس کو یہ نہیں پتہ ہوتا کہ اس کو اپنی زندگی میں کیا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ فیمنسٹ عورتیں سب سے زیادہ کنفیوزن کا شکار ہوتی ہیں اور پھر وہ ڈپریشن کا شکار بھی ہو جاتی ہیں۔ آپ ان عورتوں میں ڈپریشن زیادہ پائیں گے جن کے شوہر معاشرتی اعتبار سے ان کے مقابلہ میں کم اسٹیٹس والے ہیں، یا ان کی ملازمت اور تنخواہ کم ہے اور عورتیں اعلی خاندان سے آئی ہیں، ایسی عورتیں کبھی خوش نہیں رہتیں۔ ہاں اگر وہ عورتیں مسلمان ہیں اور ان کی تربیت اچھی ہوئی ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ ان بنیادوں پر طلاق کا مطالبہ نہ کریں اور اپنے ماں باپ کے گھر جا کر نہ بیٹھیں، لیکن یہ ضرور ہے کہ ان کے دل میں اپنے شوہر کی رغبت دن بدن ہوتی رہے گی۔ اور پھر دھیرے دھیرے جذباتی مسائل پیدا ہوں گے، میاں بیوی کے درمیان جھگڑے ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے کفائت کے مسئلہ کو اس قدر واضح انداز سے بیان کیا ہے کہ ایک عام آدمی کہ جس کو Hypergamy کا مسئلہ نہیں معلوم وہ سمجھتا ہے کہ یہ لوگ Misogynist ہیں، فقہاء اس طرح کی عورت مخالف باتیں کیوں کرتے ہیں۔ لیکن جب آپ ہائیپر گیمی (Hypergamy) کے اصول کو پڑھیں گے تو آپ فقہاء کا دفاع کرنے لگیں گے کہ انھوں نے جو باتیں لکھیں ہیں وہ دراصل عورت کی فطرت اور اس کی بیالوجی کو سامنے رکھ کر لکھی ہیں۔

ہائیپر گیمی کے فطری ہونے کا ثبوت:

سوال یہ ہے کہ اس بات کی کیا دلیل ہے کہ ہائپر گیمی (**Hypergamy**) ایک فطری چیز ہے، ایک بیالوجیکل حقیقت ہے؟ تو ذیل میں ایک آرٹیکل کا حوالہ دیا گیا ہے۔ چیشڈین ایلزابیتھ نے 1996 میں یہ مضمون لکھا تھا۔ جس کا عنوان ہے "نسل بڑھانے کے لیے جنسی عمل سے متعلق عورتوں کی حکمت عملی" یہ ایک تحقیقی مقالہ ہے جس کا اقتباس یہاں پر نقل کیا جاتا ہے:

Resources

Females in a wide variety of species (insects, birds, mammals) prefer males with resources, and the same is true for humans. Buss's cross-cultural questionnaire study of 37 societies showed that women in all of them placed a higher value on the financial prospects of a prospective mate than men did, although the actual values were not as high as might be expected. 9, 10 Women cross-culturally also expressed a greater preference for mates who had attributes likely to correlate with financial success-maturity, ambition, and industriousness. Closer questioning of an American sample showed that women prefer immediate access to resources when seeking short-term mattings but place greater value on cues to future resource acquisition when evaluating long-term mates."

(Women's Mating Strategies Evolutionary Anthropology ,Elizabeth Cashdan, Department of Anthropology, University of Utah)

ذرائع آمدنی

حیوانات کی تمام اقسام (چاہے وہ کیڑے ہوں، پرندے ہوں، دودھ پلانے والے جانور ہوں) کی مادائیں ایسے نروں کو ترجیح دیتی ہیں جن کے پاس وسائل زیادہ ہوں(تاکہ وہ ان کو کھلا پلا سکیں، جس کے پاس وسائل کی قلت ہوگی مادہ اس کے ساتھ نہیں جائے گی۔ اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ یہ **social construct** کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ ایک فطری عمل ہے، تب ہی تو سب کے اندر پایا جاتا ہے۔ اگر آپ ارتقاء پر یقین رکھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ایک زمانہ میں انسان بھی ایک جانور ہی تھا پھر آپ ہائپر گیمی (**Hypergamy**) کو کیوں نہیں مانتے؟ تمام فیمنسٹ ارتقاء میں یقین رکھتے ہیں کیونکہ ارتقاء ہی وہ راستہ ہے جو ان کو خدا کا انکار سجھاتا ہے۔ تو ایک طرف تو آپ نظریہ ارتقاء کو مانتے ہیں لیکن دوسری طرف آپ ہائپر گیمی (**Hypergamy**) کو نہیں مانتے۔ یہ کیسا نفاق اور دوہرا رویہ ہے؟)

آگے وہ لکھتی ہے: اور یہی بات انسانوں کے اندر بھی پائی جاتی ہے۔ بس (Buss) (ایک شخص کا نام ہے) کے 37 معاشروں کے کراس کلچرل سوالنامے کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ان تمام معاشروں میں ایک بات جو تمام عورتوں میں یکساں پائی گئی وہ یہ کہ وہ اپنے ہونے والے شوہر میں اقتصادی پہلو کو سب سے اوپر رکھتی ہیں کہ میرا شوہر اس معاملہ میں ہم سے بہتر ہونا چاہئے۔ ان تمام معاشروں میں خواتین نے مزید کچھ ایسی باتیں کی ہیں جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ ایسے مردوں کو ترجیح دیتی ہیں جن میں ایسی خصوصیات ہوں کہ جن سے آگے چل کر اقتصادی کامیابی زیادہ ملے، جیسے سمجھداری (کیونکہ مرد جتنا سمجھ دار ہوگا معاشی طور پر وہ اتنا ہی کامیاب ہوگا)، بڑے کام کرنے کے عزائم، صنعت کاری کا جذبہ۔ (عورتیں ایسے مردوں کو ترجیح دیتی ہیں۔ اسی کو تو ہائپر گیمی (Hypergamy) کہا جاتا ہے اور یہ کسی ایک معاشرے کی بات نہیں ہو رہی ہے بلکہ 37 معاشروں کے اندر ترجیح دیتی ہیں اور صرف انسانی معاشروں کے اندر نہیں بلکہ جانوروں، کیڑے مکوڑوں اور پرندوں کے اندر بھی یہ چیز پائی جاتی ہے۔ تو پھر آپ اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ ہائپر گیمی (Hypergamy) ایک فطری حقیقت ہے، اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔)

لیکن جہاں اس حقیقت سے انکار کر دیا گیا جیسے مغربی معاشروں میں، جہاں فیمنزم نے یہ بتایا کہ ہائپر گیمی (Hypergamy) کی کوئی ضرورت نہیں ہے، بلکہ تمہیں ایسے مرد کی تلاش کرنی چاہئے جو تمہارے برابر کا ہو، اسے تم اپنے ساتھ رکھو اور وہ شخص تم سے بلند اور اعلیٰ نہیں ہونا چاہئے۔ چونکہ اگر وہ تم سے بلند ہوگا، اس کے پاس تم سے زیادہ دولت اور تعلیم ہوگی تو پھر اس کے پاس طاقت زیادہ ہوگی، تمہارے پاس طاقت کم ہوگی۔ اور جب اس کے پاس طاقت زیادہ ہوگی تو وہ اپنی اتھارٹی اور بالادستی قائم کرلے گا اور یہ غلط ہے، عورتوں کو یہ سکھا دیا گیا۔ چنانچہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ عورتیں پارٹنرشپ ماڈل والے نکاح میں وہ زیادہ دلچسپی لیتی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ طلاق کی شرح مغربی معاشروں میں زیادہ ہے۔ لیکن میں اس موضوع پر بات کرنے سے پہلے ہائپر گیمی (Hypergamy) کے حوالے سے ایک اور حیرت انگیز خبر یہاں پر ذکر کرنا چاہتا ہوں، یہ **dailymail** کی خبر ہے جو کہ برطانیہ کا اخبار ہے اور خبر زیادہ پرانی نہیں ہے:

Lock up your wives! Women are programmed to have affairs so they have a 'back-up plan' in case their relationship fails, say scientists

- Scientists argue women have adapted a 'mate switching hypothesis'
- Suggests females are constantly on the lookout for a better partner

They are said to get the 'fittest genes' from their affair partner and look after the baby with their more reliable long-term partner.

http://dailymail.co.uk/femail/article-3751766/Women-programmed-affairs-evolution.html

خبر کی سرخی دیکھیں:

"اپنی بیویوں کو بند کمرے میں رکھو، سائنسدانوں کا ماننا ہے کہ عورتیں فطری طور پر غیر مردوں سے آنکھیں چار کرتی ہیں، تاکہ اگر ان کا موجودہ رشتہ شوہر سے ختم ہو جائے تو ان کے پاس ایک بیک اپ پلان موجود ہو۔"

اب جب مسلم معاشرہ عورتوں کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ ہم تو عورتوں کو گھر میں رکھتے ہیں اور یہ ہم ان کے احترام اور عزت کی خاطر کرتے ہیں، تاکہ سارا بوجھ مرد برداشت کرے، تاکہ معاشرے کے اندر خرابی نہ پھیلے، تو لوگ یہ کہنے لگتے ہیں مسلمان کتنے قدامت پسند ہیں، یہ اپنی عورتوں پر اتنا شک کرتے ہیں کہ گویا ان کی عورت جیسے ہی باہر نکلے گی تو فوراً غیر مرد کے ساتھ فرار ہو جائے گی، س لیے یہ اپنی عورتوں کو برقعے میں رکھتے ہیں اور کمرے میں بند رکھتے ہیں۔ لیکن آج جب یہی بات سائندان کہتے ہیں تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

اب ذیلی سرخیاں بھی دیکھیں:

- سائنسدانوں کا یہ بھی استدلال ہے کہ عورتوں نے mate switching hypothesis (پارٹنر بدلنے کے نظریہ) کو اختیار کر لیا ہے۔ یعنی اگر وہ ذرا سا بھی اپنے آپ کو غیر محفوظ محسوس کریں تو فوراً پارٹنر بدل دیتی ہیں۔
- سائنسدان یہ بتاتے ہیں کہ اس mate switching hypothesis کا مطلب یہ ہے کہ عورتیں مستقل بہتر ساتھی کی تلاش میں رہتی ہیں۔
- سائنسدانوں کے نظریہ کے مطابق عورتیں ہمیشہ fittest genes (بہتر جین) کی تلاش میں رہتی ہیں، جو انہیں اپنے پارٹنر سے جنسی عمل کے نتیجہ میں ملے تاکہ ان کی اولاد بہتر ہو۔ اور وہ اسی وقت طویل دورانیہ والے رشتہ میں رہتی ہیں جب انھیں شوہر کے ذریعہ بہتر جین (fittest genes) ملے۔ اور یہ اسی وقت مل سکتا ہے جب شوہر ہائی اسٹیٹس والا ہو۔

اس سے ثابت ہوا کہ ہائپر گیمی (**Hypergamy**) عورت کی فطرت میں ہے۔

اب واپس چلتے ہیں اسی مضمون کی طرف، اس مضمون میں آگے لکھا ہے:

Mr. Buss, professor of evolutionary psychology at the University of Texas, and Mr. Goetz, assistant professor of psychology at California State University, San Bernardino, based their ideas stem on combined research and the latest science.

They argued that, in fact, women benefit from affairs as they have a mate to turn to should their partner leave them, die or lose status.

ٹیکساس یونیورسٹی میں ارتقائی نفسیات کے پروفیسر **مسٹر بس** اور کیلیفورنیا اسٹیٹ یونیورسٹی، سان برنارڈینو میں نفسیات کے اسسٹنٹ پروفیسر **مسٹر گوئٹز** نے جدید سائنس کی بنیاد پر ایک مشترکہ تحقیق کی ہے۔؛

ان کا کہنا تھا کہ خواتین اپنے ناجائز تعلقات سے اس وقت فائدہ حاصل کرتی ہیں جب ان کا ساتھی انہیں چھوڑ کر چلا جائے یا مر جائے یا معاشرے میں اس کا اسٹیٹس چل جائے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ فطری طور پر عورت کو ایک اسٹیٹس والا مرد چاہیے۔ اگر اس کا اسٹیٹس ختم ہو جائے گا تو اس آنکھیں چار کسی دوسرے کے ساتھ ہو جائیں گی، یہ ان کی فطرت میں شامل ہے۔ اس فطرت کو اگر کوئی چیز کنٹرول کرتی ہے تو وہ مذہبی تعلیم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مذہب نے تعلیم دی ہے کہ وہ برقعے میں رہیں، وہ گھر کی چہار دیواری میں رہے۔ مذہبی بنیادوں پر جب ان کی تربیت ہوے ی ہے تو فطرت کا **side effect** (ضمنی اثرات) دبا رہتا ہے۔ اسی کو ہم صالح تربیت کہتے ہیں۔ اسی کی مذہب تعلیم دیتا ہے۔ لیکن یہی لوگ ہیں جو مذہب کی تعلیمات کے اوپر حملہ آور ہوتے ہیں اور خود ہی یہ کہتے ہیں کہ دیکھو عورت کی فطرت کے اندر بے وفائی ہے، عورت کی فطرت کے اندر بے حیائی ہے، عورت کی فطرت کے اندر ہی ایک مرد کو چھوڑ کر بہتر اسٹیٹس والے مرد کے پاس رہنا ہے۔ یہ ہے ان کا دوہرا رویہ اور دوہرا نظریہ۔

اس سے ثابت ہوا کہ ہائپر گیمی (**Hypergamy**) عورت کی فطرت میں ہے اور عورت کو اپنے سے بہتر اسٹیٹس والا مرد چاہئے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک مظبوط رشتہ استوار رہے۔ اور جب بہتر اسٹیٹس والا مرد ہو گا تو اتھارٹی اور بالا دستی بھی ہو گی۔ اور اس صورت میں پھر نکاح کا پارٹنر شپ والا ماڈل نہیں ہو گا بلکہ اتھارٹی والا ماڈل ہو گا اور وہی ماڈل ہو گا جسے قرآن نے کہا ہے "اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ"۔ لہذا قرآن اگر قوامیت کی بات کر رہا ہے تو وہ عورت کی فطرت کو سامنے رکھ کر بات کر رہا ہے۔ لیکن فیمنزم نے عورتوں کو یہ سمجھایا کہ مساوات والا ماڈل چلنا چاہئے اور کچھ نام نہاد مسلم اسکالرز اسی ماڈل کو مسلم معاشروں میں بھی

فروغ دینے کی کوشش کر رہے ہیں، جبکہ خود مغربی معاشروں میں جہاں پارٹنرشپ والا ماڈل کام کر رہا ہے وہ بہت ہی بری طرح سے فیل ہو رہا ہے۔ چنانچہ یہ اعداد و شمار دیکھیں:

DIVORCE

- In the US, about 44% of marriages end in divorce. In France, 51%. In the UK, 42%. In Australia, 43%. These stats don't even factor in long-term separation between couples. If we counted that, the rates would be even higher.
- Some say divorce rates are going down. This is because fewer people are getting married in the first place.
- End of heterosexual marriage. Completion of the First Wave attack on marriage.

طلاق

- امریکہ میں، تقریباً 44٪ شادیاں طلاق پر ختم ہوتی ہیں۔ فرانس میں 51٪، برطانیہ میں 42٪، آسٹریلیا میں 43٪۔

(فرانس چونکہ سب سے زیادہ لبرل ہے تو وہاں 51 فیصد یعنی اکثر شادیاں طلاق کے اوپر ختم ہوتی ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ ان کے یہاں مساوات سب سے اعلیٰ ترین قدر ہے) مرد اور عورت کے درمیان بغیر طلاق کے علیحدگی بھی ہو جاتی ہے اور عرصہ دراز تک وہ دونوں الگ رہتے ہیں۔ طلاق رجسٹر نہیں کرواتے کیونکہ طلاق کی صورت میں دیگر بہت سی پیچیدگیاں ہیں۔ اگر ہم اس علیحدگی کو بھی شمار کرتے ہیں، تو شرح اور بھی زیادہ ہو گی۔ چونکہ ایسی بہت بڑی تعداد ان معاشروں میں ہے جو ایک دوسرے سے الگ رہ رہی ہے۔

لیکن فیمنسٹ دھوکہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مساوات کا ماڈل فیل نہیں ہے، یہ تو بہت ہی مفید ہے، اس نے تو طلاق کی شرح کو کم کیا ہے۔ پہلے طلاقیں زیادہ تھیں، مرد ظلم کرتا تھا عورت کے اوپر تو عورت طلاق لے لیتی تھی، لیکن اب جیسے جیسے معاشرے کے اندر فیمنزم پھیل رہا ہے اور مردوں کو لگ رہا ہے کہ عورتیں ہمارے برابر کا درجہ رکھتی ہیں اور مساوات پھیل رہی ہے تو اس وجہ سے طلاق کی شرح میں کمی آ رہی ہے۔

- کچھ کہتے ہیں کہ طلاق کی شرح کم ہو رہی ہے۔ (ایسا کیوں ہو رہا ہے؟) اس کی وجہ یہ ہے کہ شادیاں کم ہو رہی ہیں۔ جب شادیاں کم ہوں گی تو طلاق بھی تو کم ہو گی۔

لہذا آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ شادیاں تو بڑھ رہی ہیں اور طلاق کم ہو رہی ہے، بلکہ جس درجہ کی شادیاں ہو رہی ہیں طلاق بھی اسی درجہ کی ہو رہی ہیں۔ یعنی طلاق کی شرح کم نہیں ہوئی اتنی ہی ہے، اگر آپ نکاح سے موازنہ کر کے اس کا تناسب دیکھیں۔

اس کے اعداد و شمار کا علم ہمیں اُس ویب سائٹ کے مواد سے ہو گا جہاں تمام اعداد و شمار موجود ہیں:

U.S. Adjusted Divorce Rate, 2021

- The number of women who reported they divorced declined from 960,014 in 2020 (Westrick-Payne, 2022b) to 948,862 in 2021.
- The divorce rate, however, remained unchanged at 14.0 divorces per 1,000 married women in both 2020 and 2021.This rate is the lowest level over a 40-year time span. https://www.bgsu.edu/ncfmr/resources/data/family-profiles/marino-divorce-rate-US-geographic-variation

یہ دو سال پہلے کے اعداد و شمار ہیں، اس سے پتہ چلتا ہے کہ امریکہ میں طلاق کی شرح میں کچھ کمی ہوئی ہے:

- 2020 میں جن خواتین نے طلاق کی اطلاع دی ہے ان کی تعداد 960,014 سے کم ہو کر 2021 میں 948,862 ہو گئی۔ یہ کوئی بہت بڑا فرق نہیں ہے۔ لیکن آگے جو لکھا ہے، ملاحظہ فرمائیں:
- تاہم طلاق کی شرح 2020 اور 2021 دونوں میں فی 1,000 شادی شدہ خواتین میں سے 14 عورتوں نے طلاق لی۔ یعنی طلاق کی شرح میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ یہ شرح گزشتہ 40 سال کی کم ترین سطح پر ہے۔ لیکن یہ یک طرفہ نہیں ہے بلکہ شادیاں بھی کم ہو رہی ہیں لہذا طلاقیں بھی کم ہو رہی ہیں۔ جب تک آپ طلاق کو شادیوں کے تناسب میں نہیں دیکھیں گے تو آپ کو ایسا ہی لگے گا کہ طلاق کی شرح میں کمی آ رہی ہے۔

ذیل میں گراف کے ذریعے درست اعداد و شمار ملاحظہ فرمائیں، یہ اعداد و شمار پر 1000 خواتین کے لحاظ سے ہے:

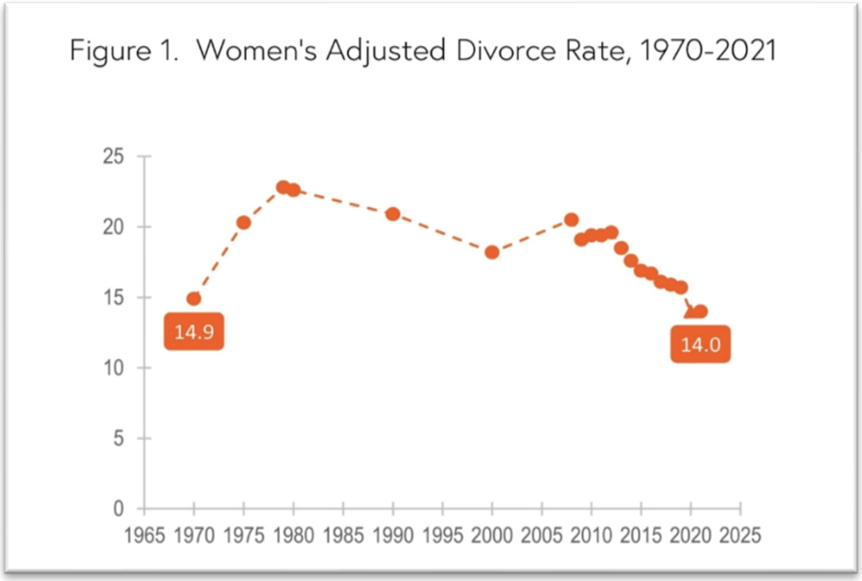

1970 سے 2021 تک، اس تصویر میں واضح طورپر دیکھا جاسکتاہے کہ فی ہزار میں 14 طلاق کی شرح موجود تھی۔یعنی 1970میں بھی ہزارمیں 14.0خواتین طلاق لیتی تھیں اور 2014 میں بھی ہزارمیں 14 خواتین طلاق لیتی ہیں۔

اب ذرا نکاح کی شرح کو بھی دیکھ لیں۔

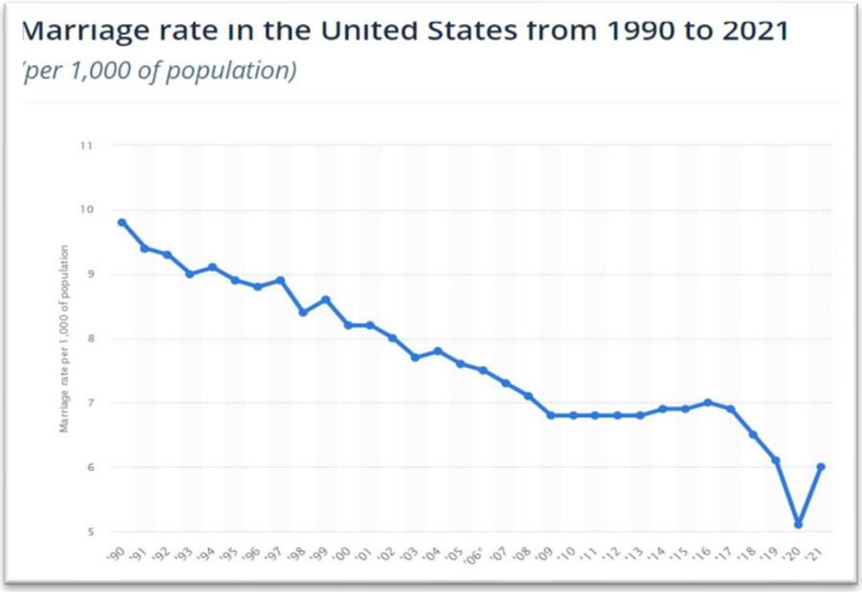

یہ 1990 سے 2021 تک کا ڈاٹاہے کہ اس وقت فی ہزار میں سے صرف 9.9لوگ شادی کر رہے تھے۔ 1990 سے یہ شرح گرتے گرے 2021 میں 5-6 کے درمیان آگئی ہے۔

نکاح کیوں کم ہورہے ہیں؟ یہ وجہ ہے کہ مرد اور عورت دونوں میں مساوات آگئی، عورت کو اپنے مساوی مرد چاہئے اور مرد کو اپنے مساوی عورت چاہئے۔ اور طلاقیں زیادہ ہورہی ہیں کیوں کہ نکاح کی شرح تو کم ہوئی ہے لیکن طلاق کی شرح وہیں کی وہیں ہے یعنی طلاق زیادہ ہورہی ہے۔ تو مرد اِن طلاقوں سے خوفزدہ ہیں، چونکہ یہاں قوانین ایسے ہیں کہ جب عورت طلاق لیتی ہے تو مرد کی آدھی جائداد کھاجاتی ہے۔ لہٰذا مرد یہ سوچتاہے کہ نکاح کا جھمیلا کون پالے؟ live in relationship(بغیر نکاح ہی کے ساتھ

رہنا) کرتے ہیں تا کہ اگر عورت کو کہیں اور جانا بھی ہو تو وہ جائے، کم سے کم میری جائیداد تو محفوظ رہے گی۔ یہ تمام صورت حال فیمنزم کی ہی وجہ سے ہے اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ فیمنزم کی وجہ سے طلاق کی شرح میں کمی آئی ہے، ایسا نہیں ہے! طلاق کی شرح اتنی ہی ہے۔ البتہ نکاح کی شرح میں ضرور کمی آئی ہے۔

RIGHT WING CRITIQUE?

- Many who criticize feminism today are men who identify as classical liberals (right wingers). Jordan Peterson, Sargon of Akkad, Ben Shapiro, et al.
- But this is ironic because the features of feminism that are mocked are features directly inherited from classical liberalism.
- Right Wing: Feminism engages in selective biological denialism regardless of how much empirical evidence is presented, for instance, denying sex differences, genders, etc.
- But this selective denial of biology is characteristic of classical liberalism as well. No matter how much evidence you present to a liberal that humans do not naturally think in pure scientific utilitarian terms, they will simply deny this.

Right wing critique کا مطلب یہ ہے کہ آج کے دور میں آپ مغربی معاشرے میں ایسے بہت سے افراد اور تنظیموں کو دیکھیں گے کہ جو فیمنزم کے اوپر بہت زور و شور کے ساتھ تنقید کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو رائٹ ونگ (**RIGHT WING**) یا رائٹ ونگر (**RIGHT WINGER**) کہا جاتا ہے۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ مغربی امریکی میڈیا سابق صدر ڈونالڈ ٹرمپ کے خلاف کیوں تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ڈونالڈ ٹرمپ ہم جنس پرستی کے خلاف تھا، فیمنسٹ کے خلاف تھا، اس کے علاوہ بھی اس کی دیگر پالیسیاں تھیں۔ جب ٹرمپ اقتدار میں آیا تھا تو سارے لوگ خوف زدہ تھے کہ یہ تو مسلم مخالف ہے، پتہ نہیں کیا کیا ہو جائے گا اور آتے ہیں اس نے مسلم بین کا اعلان کر دیا تھا کہ فلاں فلاں ملک سے مسلمان امریکہ نہیں آسکتے۔ تو سب لوگ خوف زدہ تھے کہ پتہ نہیں کیا ہو گا۔ لیکن جب اس نے فیمنزم اور ہم جنس پرستی کے خلاف اپنے نظریات کو فروغ دینا شروع کیا تو سارے فیمنسٹ اور ہم جنس پرست مسلمانوں کے ساتھ آکر کھڑے ہو گئے کہ مسلمانوں کا مسئلہ ہمارا مسئلہ ہے، اور ان کے اوپر ظلم ہو رہا ہے گویا کہ ہمارے اوپر ظلم ہو رہا ہے، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ مسلمانوں کی حمایت میں ایئرپورٹ کے اوپر یہی لوگ سب

سے زیادہ کھڑے ملتے تھے، ان کی تصویریں بہت عام ہوئیں جنہیں دیکھ کر جذباتی مسلمانوں کی آنکھوں میں آنسوں آگئے کہ یہ ہماری کتنی حمایت کر رہے ہیں۔ لیکن وہ کیا تھا؟ وہ دراصل مسلمانوں کی حمایت نہیں تھی، یہ لوگ اسلام کی حمایت کیسے کر سکتے ہیں؟ اسلام تو ان کے نزدیک خود سب سے بڑا **Misogynist** مذہب ہے۔ وہ دراصل ٹرمپ کی مخالفت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اگلے چار سالوں تک میڈیا پر ٹرمپ کے خلاف اس قدر خطرناک طریقے سے رائے عامہ بنائی گئی کہ آخرکار اسے الیکشن میں شکست ہوئی۔ ٹرمپ خود رائٹ ونگر تھا اور اس کی پارٹی کے لوگ اور اس کے ہم خیال لوگ فیمنزم کے اوپر بڑی سخت تنقید کرتے ہیں۔ ماقبل میں بھی یہ بات آئی تھی کہ اس وقت مغربی معاشروں میں دو اصطلاحات بہت زیادہ استعمال ہوتی ہیں: ریڈ پِل (Red Pill) یعنی لال گولی، اور بلو پِل (Blue Pill) یعنی نیلی گولی۔ Red Pill والے ہیں رائٹ ونگرز اور Blue Pill والے ہیں لبرلز۔ تو ریڈ پل والے بلو پل والوں پر بہت سخت تنقید کرتے ہیں۔ اگرچہ رائٹ ونگرز فیمنزم کے خلاف ہیں لیکن وہ بھی لبرل ہی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لبرلزم کی بنیاد کیا ہے، آزادی اور مساوات۔ آپ امریکہ یا یورپ میں کسی بھی رائٹ ونگر سے پوچھیں کہ کیا تم آزادی اور مساوات کے خلاف ہو؟ وہ کہے گا ہرگز نہیں! معاشرے کے اندر زیادہ سے زیادہ آزادی ہونی چاہیے اور زیادہ سے زیادہ مساوات ہونی چاہئے۔ پھر آپ اس سے پوچھیں کہ تم فیمنزم کے خلاف کیوں ہو؟ تو وہ کہیں گے کہ ہم اس کے خلاف اس لیے ہیں کہ فیمنزم فطرت کے عین مخالف (**Anti-Biology**) ہے، سائنس کے خلاف ہے، ہم اس لیے فیمنزم کے خلاف ہیں۔

اس وقت ایک بہت بڑا نام ہے سوشل میڈیا پر، اور مسلمانوں میں یہ نام مقبول ہوا ہے محمد حجاب کی وجہ سے۔ اس شخص کا نام جورڈن پیٹرسن (**Jordan Peterson**) ہے جو کہ ایک عیسائی ہے۔ محمد حجاب اور حمزہ زوٹس کا جورڈن پیٹرسن (**Jordan Peterson**) کے ساتھ ایک مکالمہ ہوا ہے، سوشل میڈیا پر وہ ویڈیو بہت مشہور ہوئی ہے۔ جورڈن پیٹرسن کنیڈا کا رائٹ ونگر ہے جو فیمنزم کے اوپر زبردست تنقید کرتا ہے۔ اسی طریقہ سے سارگن آف اکاد (**Sargon of Akkad**) اور اسی طریقے سے بین شپیرو (**Ben Shapiro**) وغیرہ ہیں۔ اگر آپ بین شپیرو (یہ ایک یہودی ہے) کی تنقید دیکھیں گے تو آپ کو تعجب ہوگا کہ یہ شخص کتنے سخت انداز سے فیمنزم پر تنقید کرتا ہے اور ہم جنس پرستی کے خلاف کتنے سخت انداز سے بات کرتا ہے۔ اور مسلمانوں میں یہ بڑے مقبول بھی ہو رہے ہیں۔ لیکن میں آپ کو یہ واضح طور پر بتانا چاہتا ہوں کہ آپ ان کی کچھ تنقیدات کو تو اختیار کر سکتے ہیں لیکن یاد رکھیں کہ یہ منافقین کا ٹولہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک طرف تو یہ لوگ فیمنزم کے اوپر تنقید کرتے ہیں اور اس کو اینٹی بیالوجی اور اینٹی سائنس بولتے ہیں لیکن دوسری طرف خود اینٹی بیالوجی اور اینٹی سائنس ہیں کیونکہ لبرلزم کو فروغ دیتے ہیں اور اپنے آپ کو لبرلزم کے فریم ورک سے باہر نہیں نکال پاتے۔ کیسے نہیں نکال پاتے؟ وہ اس طرح کہ فیمنسٹ ہائپر گیمی

(Hypergamy) کے خلاف ہیں اور ہائپر گیمی (Hypergamy) کے خلاف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ بیالوجی اور سائنس کے خلاف ہیں۔ دیکھیے رائٹ ونگ کا دعوی کیا ہے:

رائٹ ونگ: فیمنزم نے بیالوجی کی کچھ چیزوں کو لے لیا ہے اور کچھ چیزوں کو چھوڑ دیا ہے، چاہے آپ ان کے سامنے کتنے تجرباتی دلائل پیش کر دیں، لیکن وہ نہیں مانیں گے۔ مثال کے طور پر، جینڈر رولز، جنسی اختلافات جو کہ بیالوجی کی وجہ سے ہیں، لیکن فیمنسٹ نہیں مانتے۔ یہ تو رائٹ ونگرز کا کہنا ہے۔

لیکن اس کے بعد جب آپ ان سے پوچھیں کہ کیا تم لوگ بیالوجی کی چند باتوں کو چھوڑ کر چند باتیں اختیار نہیں کرتے؟ وہ اس طریقے سے کہ آپ ان کو کتنی ہی دلیلیں کیوں نہ دیں وہ ہرگز نہیں مانیں گے، وہ یہ کہیں گے کہ زیادہ سے زیادہ آزادی دینا انسان کا حق ہے۔ حالانکہ جب آپ زیادہ سے زیادہ آزادی انسانوں کو دیں گے تو اتھارٹی خود بخود ختم ہو جائے گی۔ جب آپ فیمنسٹ کو یہ کہہ رہے ہیں کہ مرد کی عورت پر بالا دستی دراصل بیالوجیکل حقیقت ہے اور دوسری طرف آپ معاشرے میں ہر ایک کو آزادی دینا چاہتے ہیں اور مکمل آزادی دینا چاہتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ آپ نے اتھارٹی کو ختم کر دیا۔ تو آپ بھی بیالوجی کی چند باتوں کو چھوڑ کر چند باتیں اختیار کر رہے ہیں۔

لہذا ان لوگوں کی باتوں کو سو فیصد اختیار کرنا خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ مثلاً بین شپیرو وغیرہ رائٹ ونگرز کو سب سے زیادہ مسئلہ فیمنسٹ سے بھی ہے اور سب سے زیادہ مسئلہ مسلمانوں سے بھی ہے۔ کیونکہ مغربی دنیا میں بڑی تعداد میں جو لوگ قرآن کو جلاتے ہیں اور رسول اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں یہ لوگ کون ہوتے ہیں؟ یہ لوگ رائٹ ونگر ہوتے ہیں! کس بنیاد پر یہ قرآن جلاتے ہیں اور شان اقدس میں گستاخی کرتے ہیں؟ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں زیادہ سے زیادہ آزادی چاہئے، چونکہ جتنی زیادہ معاشرے کو آزادای ہو گی اسی قدر معاشرہ خوشی محسوس کرے گا اور معاشرے میں سعادت پھیلے گی۔

ہم ان سے کہیں گے جب آپ آزادی زیادہ دیں گے تو اتھارٹی ختم ہو گی اور جب اتھارٹی ختم ہو گی تو درجہ بندی (Hierarchy) ختم ہو جائے گی اور نظام تباہ ہو جائے گا۔ جب نظام تباہ ہو جائے گا تو معاشرہ ختم ہو جائے گا، اور جب معاشرہ ہی باقی نہ رہا تو سعادت اور خوشی کیسے آسکتی ہے۔ یہ ہماری طرف سے دلیل دی جاتی ہے۔

یہ رائٹ ونگرز ہی ہیں جو مشرقی معاشروں کو آزاد کرنے کے نام پر ان کے اوپر بم باری کرتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ عراق پر رائٹ ونگرز نے بم باری کی، کیونکہ جارج بش رائٹ ونگ پارٹی سے تعلق رکھتا تھا۔ پھر اسی نے افغانستان پر بھی بم باری کی۔

اس سے پہلے جب خلیج کی جنگ ہوئی تھی تو اس میں سینئر جارج بش تھا وہ بھی رائٹ ونگ سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ سارے حملے رائٹ ونگرز نے کیے ہیں۔ اور کن ملکوں پر کیے ہیں؟ مسلمانوں کے اوپر کیے ہیں! اور اس لیے کیے ہیں تا کہ ہم ان معاشروں کو نام نہاد آزادی دیں، عورتیں یہاں ظلم کی چکی میں پس رہی ہیں، انھیں مردوں کے مساوی کرنا ہے، یہ عورتوں کو تعلیم نہیں دیتے ہیں، ہم ان کے اوپر پابندیاں لگائیں گے وغیرہ وغیرہ، یہ سارے رائٹ ونگرز ہیں۔ آج بھی آپ امریکہ میں کسی بھی رائٹ ونگر سے پوچھیں کہ کیا افغانستان کا معاشرہ کہ جس میں مرد کی واضح طور سے عورت پہ اوپر اتھائی ہے، کیا آپ کو وہ معاشرہ پسند ہے؟ وہ فوراً کہے گا کہ وہ معاشرہ ظالمانہ اور جابرانہ ہے۔ تو ایک طرف تو آپ فیمنزم کے اوپر تنقید کرتے ہیں اور دوسری طرف آپ خود لبرلزم کا شکار ہیں کہ فیمنزم جس کی شاخ ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ رائٹ ونگ کی طرف سے جو بھی تنقید ہو رہی ہے اس کو احتیاط سے سمجھا جائے، دیکھا جائے۔ جو چیز ٹھیک ہے اس کو اختیار کیا جائے، لیکن آنکھ بند کر کے ان کے اوپر یقین نہ کیا جائے۔

Manipulation of Terminologies

Gynocentrism, taking men out of power**.**

Family Law, **Domestic violence** (Physical, Emotional, Economic)

Criminalization of masculinity,

Heterosexuality (Rape standards, Harvey Weinstein rape case)

اصطلاحات کی ہیرا پھیری

گائینو سنٹرزم(Gynocentrism):

یعنی مرد کو اقتدار سے بے دخل کر دینا۔ (اس کی مزید تفصیل اگلے درس میں آئے گی۔ چونکہ اس میں عورتوں کے سیاسی اقتدار سے متعلق بات آئے گی ان شاء اللہ) موجودہ زمانہ میں چونکہ عورتوں نے تعلیم میں مردوں کو پچھاڑ دیا ہے۔ عورتیں زیادہ تعلیم حاصل کرتی ہیں مرد کم کرتے ہیں۔ لہٰذا زیادہ سے زیادہ پالیسی سازی کے عہدے اور منصب عورتوں کو مل رہے ہیں۔ عورتیں جج بن رہی ہیں، عورتیں سیاستداں بن رہی ہیں، عورتیں انتظامیہ میں آرہی ہیں، پارلیمنٹ میں جارہی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ پالیسی سازی عورتوں

کے پاس چلی گئی ہے۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ ہر ملک میں پولیسی سازی عورتوں کے پاس ہے، لیکن کچھ ملکوں میں ایسا ہی ہے۔ چنانچہ فن لینڈ میں پالیسی ساز مجلس میں زیادہ تعداد عورتوں کی ہے اور مرد کم ہیں۔ نیوزی لینڈ میں گزشتہ کئی سالوں سے جسینڈا وزیر اعظم تھی، اگرچہ ابھی چند دنوں پہلے اس نے اپنے استعفی کا اعلان کر دیا ہے لیکن وہ کئی سالوں تک صدر کے عہدہ پر فائز رہی اور اس ملک میں خالص فیمنسٹ اور لبرل نظریات کا اقتدار تھا۔ اسی طریقے سے آپ دیگر ممالک کا جائزہ لے سکتے ہیں۔ بہر حال ان کی وجہ سے مرد اقتدار سے بے دخل ہو رہے ہیں اور پالیسیاں مردوں کے خلاف بن رہی ہیں۔ وہ کون سی پالیسیاں ہیں جو مردوں کے خلاف بن رہی ہیں؟ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

1. **Family Law**(مثلاعائیلی قانون)
2. **Domestic violence** (گھریلو تشدد)

Family Law(مثلاعائیلی قانون): میں ارینج میرج(**Arrange Marriage**) کو اس قدر بری نظر سے دیکھا جاتا ہے کہ لوگ حیرت سے پوچھتے ہیں کہ اچھا ارینج میرج ہوئی ہے؟ گویا کہ کوئی بہت بڑا جرم کر لیا ارینج میرج کر کے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فیمنزم اور اس کی پالیسی ساز خواتین یہ چاہتی ہیں کہ نکاح کے اس پورے نظام اور ادارے کو ہی ختم کر دیا جائے۔ لیکن جب تک ارینج میرج کا نظام رہے گا یعنی پوراخاندان مرد اور عورت کے نکاح میں شامل ہو گا تب تک اس نظام کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔ یہ نظام جب ختم ہو گا جب ارینج میرج کو ختم کیا جائے۔ مرد خود اپنا پاٹنر تلاش کرے اور عورت اپنے ساتھی کو خود تلاش کرے۔ اور اس پاٹنر کو چننے میں ان سے غلطیاں بھی ہوں گیاور غلطیوں کی وجہ سے طلاقیں بھی ہوں گی اور جب طلاقیں زیادہ ہوں گی تو لوگ آہستہ آہستہ نکاح ہی کرنا چھوڑ دیں گے۔ تو اس طریقے سے نکاح کا نظام آہستہ آہستہ ختم ہو جائے گا۔

Domestic violence (گھریلو تشدد): اس کا مطلب آج سے پہلے یہ تھا کہ ایک مرد نے عورت ک ساتھ مار پیٹ کا معاملہ کیا، تو یہ جسمانی تشدد **Domestic violence** تھا۔ لیکن اب اس اصطلاح کو بدل دیا گیا۔ اور اب بہت سی وہ چیزیں جن کو تشدد نہیں سمجھا جاتا تھا ان کو بھی تشدد مانا جارہا ہے۔ مثلا ایک شوہر اپنی بیوی کو خوش نہیں رکھتا، دونوں کے درمیاں بحث و مباحثہ ہتا ہے، مار پیٹ کی نوبت نہیں آتی ل، عورت ذہنی طور پر تناؤ کا شکار ہے۔ تو اس کو کہا جاتا ہے کہ یہ(**Emotional Domestic violence**) ہے، یعنی جذباتی گھریلو تشدد۔ اور فیمنسٹ کی طرف سے یہ کوشش کی جارہی ہے کہ (**Emotional**

(Domestic violence) کو قانونی طور پر جرم قرار دے دیا جائے اور مرد کو سزا دی جائے کہ اس نے اپنی بیوی کو کس بنیاد پر جذباتی طور پر پریشان کیا ہے۔ یہ فطرت کے خلاف قانون ہو گا۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ جب عورتیں قانون بنائیں گی تو چونکہ وہ بہت جلدی جذباتی طور پر متاثر ہوتی ہیں۔ تو جب وہ بہت چھوٹی چھوٹی باتوں پر جذباتی طور پر متاثر ہو رہی ہیں تو پھر دنیا کا شاید ہی کوئی مرد ایسا ہو جو اپنی بیوی پر جذباتی تشدد نہ کرتا ہو۔ اگر ہم فیمسنٹ کی Emotional Domestic violence کی یہ تعریف لے لیں تو پھر ہر مرد یہ تشدد کرنے والا ہو گا۔ اور ہر مرد پھر قانونی طور پر مجرم ہو گا۔

اسی کے تحت اقتصادی گھریلو تشدد (Economic Domestic violence) بھی ہے یعنی عائلی قوانین (Family Law) کی بنیاد پر یہ پالیسیاں پیش کی جارہی ہیں کہ جب مرد اور عورت ایک ساتھ رہ رہے ہیں اور شادی کے بندھن میں بندھ گئے تو عورت کو مرد کی تمام جائیداد، اس کے بینک اکاؤنٹ اور اس میں جتنے بھی پیسے وہاں تک براہ راست رسائی ہونی چاہیے۔ اگر اس کو براہ راست رسائی حاصل نہیں ہے تو گویا کہ شوہر نے اپنی بیوی کے اوپر Economic Domestic violence کیا ہے، یعنی اقتصادی طور پر عورت کو ہراساں کیا ہے۔ اب کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ کیسے قانونا جرم ہو گا؟ یہ قانونا جرم تو نہیں ہو گا لیکن اگر عورت کسی فیملی کورٹ میں چلی جائے اور جج سے یہ کہے کہ میرا شوہر اپنی دولت میں مجھے براہ راست رسائی نہیں دیتا، اپنے بینک اکاؤنٹ تک مجھے رسائی نہیں دیتا، اپنے کریڈٹ کارڈ تک مجھے براہ راست رسائی نہیں دیتا، اس بنیاد پر میں اپنے شوہر کے ساتھ نہیں رہ سکتی لہذا مجھے اپنے شوہر سے طلاق چاہیے۔ تو فیملی کورٹ اس کو معقول وجہ (Genuine Reason) مان کر اس عورت کو طلاق دے گی۔ یہ ہے فیملی لاء میں تبدیلی۔ یہ تبدیلیاں کیسے آئیں؟ جب فیمنسٹ پالیسی سازی کے اداروں میں حاوی ہو گئے تو یہ تبدیلیاں آگئیں۔

جبکہ اسلام میں اس کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اسلام نے یہ تصور دیا ہے کہ شوہر کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی بیوی کو نفقہ دے۔ نفقہ دینے کے بعد اس کی ذمہ داری ختم۔ مثال کے طور پر اگر بیوی کا نفقہ ماہانہ 25 ہزار روپے ہے اور شوہر کے پاس 10 لاکھ روپے ہیں تو اگر شوہر نے اس کا خرچ دے دیا ہے تو شرعی طور پر یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ ان 10 لاکھ روپے پر بھی بیوی کا اختیار ہو۔ عورت کو نفقہ مل گیا، بس یہی مرد کی ذمہ داری ہے، اس کے علاوہ کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ عورت اس بنیاد پر طلاق، خلع یا فسخ نکاح کا مطالبہ نہیں کر سکتی کہ میرا شوہر اپنے دس لاکھ روپے مجھے چھونے نہیں دیتا۔ ہاں اگر شوہر نفقہ نہ دے تو وہ فسخ نکاح کا مطالبہ کر سکتی ہے، طلاق کا مطالبہ کر سکتی ہے، قاضی کے پاس جا سکتی ہے۔ یہ اسلام کا واضح قانون ہے ۔ لیکن مغربی معاشروں میں اس کو

Domestic violence کو **Economic Domestic violence** مانا جاتا ہے۔ تو یہ ہے اصطلاحات کو بدل دینا۔ یعنی **Domestic violence** کو اتنا وسیع کر دیا گیا کہ جذبات مجروح کرنا بھی جرم ٹھہرا، اور ہر چھوٹی بڑی چیز کو اس کے اندر شامل کر دیا گیا۔

Criminalization of masculinity:

یعنی مردانگی کے اظہار کو جرم قرار دے دیا گیا۔ ایک شخص ہے انڈریو ٹیٹ (**Andrew Tate**)۔ یہ شخص دو مہینہ پہلے مسلمان ہوا ہے اور یہ پہلے سے ہی بہت زیادہ مشہور تھا۔ گزشتہ دنوں گوگل پر سب سے زیادہ انڈریو ٹیٹ کو سرچ کیا گیا۔ انڈریو ٹیٹ کا سوشل میڈیا پر ایک کردار رہا ہے، یہ شخص ریڈپِل یعنی رائٹ ونگ کا سب سے بڑا نمائندہ تھا۔ اس نے ہم جنس پرستی کے اوپر اور فیمنزم کے خلاف، خاندانی نظام کے حق میں اور مردوں کی اتھارٹی کے تعلق سے زبردست دلائل دیا کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام سوشل میڈیا پلیٹ فارمز (فیسبک، یوٹیوب، انسٹاگرام) نے اس کو بین کر دیا۔ اس کا جرم یہ بتایا گیا کہ یہ شخص **masculinity** کا اظہار کرتا ہے، یعنی اپنی مردانگی کا اظہار کرتا ہے۔ مردانگی کو بڑا بنا کر پیش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ عورت کو نیچا دکھا کر پیش کرنا چاہتے ہیں۔ یہ اس کے اوپر الزامات تھے۔ حد تو یہ ہے کہ مجھے بسا اوقات ایسا لگتا ہے کہ بعض مسلمانوں کی عقلیں گھاس چرنے چلی گئی ہیں یا اللہ تعالی نے ان کی عقلوں کو سلب کر لیا ہے یا پھر پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے، امریکہ کے ایک شہر ڈیلس (**Dallas**) میں کی ایک مسجد کے ایک ذمہ دار اسکالر ہیں یاسر قاضی، تو جب انڈریو ٹیٹ نے اسلام قبول کیا تو بہت ساری فیمنسٹ خواتین کو بڑا برا لگا کہ انڈریو ٹیٹ کیسے مسلمان ہو گیا۔ یہاں تک کہ ایک نے تو یہ بھی ٹویٹ کر دیا کہ اگر انڈریو ٹیٹ اسلام آگیا تو میں اسلام چھوڑ رہی ہوں۔ اس کی یہ ٹویٹ بھی بہت وائرل ہوئی، بعد میں جب لوگوں نے اس کی درگت بنائی تو اس نے اپنا ٹویٹر اکاؤنٹ ڈلیٹ کر دیا۔ انڈریو ٹیٹ کے اسلام قبول کرنے سے کیا ہوا؟ ہم جیسے لوگوں نے تو اس کا استقبال کیا الحمد للہ اور اس کے حق میں دعا کرتے ہیں کہ مغربی سازشوں کے نتیجے میں جو لوگ پہلے اس کے پیچھے نہیں پڑے تھے وہ بھی اب پڑ گئے ہیں، اسلام قبول کرنے کے بعد اس کو جیل میں ڈال دیا رومانیا کے اندر، اس پر ابھی کیس چل رہا ہے۔ لیکن یاسر قاضی نے اس کے اسلام قبول کرنے کے بعد ڈیلس کی مسجد میں ایک سمینار کیا۔ جس کا عنوان تھا **Islamic Prospectus of Futuwwah** یعنی اسلام میں مردانگی کے اظہار کا کیا تصور ہے؟ اور پھر اس سمینار میں مردانگی سے متعلق تمام باتیں پیش کی گئیں اور یہ سب کچھ اس موقع پر اس لئے ہوا سوشل میڈیا پر طوفان آیا ہوا تھا کہ ایک شخص جو **masculinity** کو بڑا بنا کر پیش کرتا ہے اب مسلمان ہو گیا، تو اب ہم کیا کریں۔ اگرچہ انڈریو ٹیٹ کا نام نہیں لیا گیا لیکن سب جانتے تھے۔ اس کے بعد وہ چند لوگ جو اسلام کو لبرلائز کرنے کے مشن کے اوپر

لگائے گئے ہیں وہ سامنے آئے اور انھوں نے کہا کہ اسلام میں **masculinity** کا تصور یہ ہے۔ بہت ہی پست اور نرم کر کے اس کا تصور پیش کیا گیا۔ تو یہ دراصل وہی فیمنزم کا ایجنڈا ہے کہ **masculinity** یعنی مردانگی کو جرم قرار دے دیا جائے۔

اس کے بہت سارے مظاہر دیکھنے کو ملتے ہیں۔ مثلاً جنسی تشدد کے معیار کو بدل دیا گیا۔ پہلے یہ سمجھا جاتا تھا کہ جنسی تشدد یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کو جنسی عمل پر مجبور کیا اور وہ دوسرا شخص مزاحمت کرتا رہا لیکن پہلا شخص اس کو مجبور کرتا رہا یہاں تک کہ وہ اس پر غالب آگیا اور ظلماً اس نے دوسرے کو جنسی ہوس کا نشانہ بنایا، یہ ریپ ہے۔ اس تعریف سے کسی کو کوئی اختلاف نہیں تھا۔ لیکن پھر ایک اور اصطلاح نکالی گئی جنسی استحصال(**Sexual Assault**)۔ اور اس جنسی استحصال کا اس طریقے سے استحصال کیا گیا کہ جب می ٹو مومنٹ(**MeToo Movement**) چلی تو اس وقت ایک کیس آیا، ہاروی وینسٹین ریپ کیس (**Harvey Weinstein rape case**) کا۔ اس کی تمام تر تفصیلات گوگل پر موجود ہیں۔ ہاروی وینسٹین (**Harvey Weinstein**) ایک ہالی ووڈ مووی ڈائریکٹر ہے۔ ظاہر ہے جن کا دن رات کا مشغلہ ہی معاشرے میں فحاشی پھیلانا ہو تو وہ خود کتنے فحش پسند ہوں گے۔ ہاروی وینسٹین اس وقت جیل میں ہے، وہ ریپ کا یہ کیس ہار گیا تھا۔ تو اس کے اوپر ہالی ووڈ کی اداکاراؤں نے الزام لگانا شروع کر دیا تھا، وہ دس دس بیس بیس سال کے بعد نکل کر آئیں **MeToo Movement** کے تحت کہ ہاروی وینسٹین نے ہمارا جنسی استحصال کیا۔ اس طرح دس بارہ عورتیں جمع ہو گئیں اور انہوں نے اپنی کہانیاں بیان کرنی شروع کر دیں۔ ٹھیک ہے؛ اگر اس نے ریپ کیا ہے تو اس کو سزا ملنی چاہیے۔

لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ ان تمام خواتین کے قصوں میں چند چیزیں بڑی یکساں تھیں؛ ان تمام خواتین نے یہ مانا کہ ہم اس کے ساتھ رات کا کھانا کھاتے تھے، رات میں اکیلے ہوتے تھے، یہ ہمارے اوپر پیسے لٹاتا تھا، ہمیں فلموں میں کام کرنے کے مواقع فراہم کرتا تھا، اس کے نتیجہ میں ہم اپنا جسم اس کے سامنے پیش کر دیتے تھے، اس نے ہمیں شہرت کے عروج تک پہنچایا۔ یہ تمام باتیں انہوں نے تسلیم کیں۔ لیکن ہم اس کی طاقت اور عہدے کا پریشر محسوس کر رہے تھے کہ اگر ہم یہ کام نہیں کریں گے تو یہ ہماری شہرت ختم کر دے گا۔ اس پریشر کی وجہ سے ہم نے اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا اور جو یہ چاہتا تھا ہم نے اسے دے دیا اور یہ جنسی استحصال ہے لہذا اب ہمیں انصاف چاہئے۔ اب اگر کوئی ان سے پوچھے کہ جب تم نے خود اپنی مرضی سے یہ سب کچھ کیا ہے تو پھر یہ ریپ کیسے ہوا؟ تو وہ کہتی ہیں کہ یہ ریپ اس طور پر ہوا کہ مرد نے اپنی اتھارٹی کا استعمال کیا اور عورتوں کے سامنے اتھارٹی کا استعمال کرنا ریپ ہونا چاہئے۔ چنانچہ یہ کسی عدالت میں گیا اور ان عورتوں کی گواہی آئی اور ہاروی وینسٹن کیس ہار گیا اور بطور سزا

اسے جیل بھیج دیا گیا اور اس وقت بھی وہ جیل میں ہی ہے۔ ہم ہرگز اس کے اس عمل کی حمایت نہیں کر رہے، لیکن یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ ریپ اور جنسی استحصال کی تعریف کو کس طریقے سے بدل دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت فیمنسٹ یہ تحریک چلا رہے ہیں کہ کوئی بھی مرد عورت کے ساتھ اگر جنسی عمل کرتا ہے، چاہے وہ شادی میں رہ کر ہی کیوں نہ کرے، اگر مرد اپنی اتھارٹی قائم کرتا ہے تو اتھارٹی کی بنیاد پر ہونے والا جنسی عمل ریپ ہونا چاہیے۔

یہ ہے **Manipulation of Terminologies** کہ ریپ کی تعریف بدل دی، جنسی استحصال کی تعریف بدل دی، **Domestic violence** کی تعریف بدل دی، تاکہ فیمنزم کو فروغ دیا جائے اور مرد و عورت کا جو فطری رشتہ سائنس، بیالوجی اور تخلیقی بنیادوں پر ہے اس کو نشانہ بنایا جائے اور اس پورے درجہ بند معاشرے اور نظام کو ختم کر دیا جائے۔ یہ فیمنزم کا مقصد ہے۔ اس لیے فیمنزم از ابتداء تا انتہاء اسلام مخالف ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ فیمنزم کے کسی ایک پہلو کو بھی آپ اسلامی احکام سے تطبیق دینے بیٹھ جائیں۔ اور اگر کوئی شخص فیمنزم کے کسی ایک پہلو کو اسلام سے تطبیق دے رہا ہے تو جان لیجیے کہ یا تو وہ فیمنزم سے واقف ہی نہیں ہے یا پھر وہ منافق ہے۔ یہ دو میں سے ایک چیز ہو سکتی ہے اس کے علاوہ کوئی تیسری چیز نہیں ہو سکتی۔ بقیہ آئندہ ان شاء اللہ۔

The Incoherence of Atheists

تہافت الملاحدۃ

نواں موضوع:

فیمنزم (Feminism)

درس نمبر: 06

تاریخ: 18 فروری 2023

فاضل محاضر: ڈاکٹر مفتی یاسر ندیم الواجدی صاحب

ضبط و ترتیب: راشد امین القاسمی

تصحیح و نظرثانی: محمد احمد نوروالا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمدُ للہِ ربِّ العٰلمِینَ والصّلاۃُ والسّلامُ علیٰ سیّدِ الأنبِیاءِ و المُرسلِینَ وعلیٰ آلہٖ و صحبِہٖ أجمعِینَ۔ أمَّا بعدُ!

Women's Political Leadership

فیمنزم کے موضوع پر آج آخری کلاس ہے۔ آج کا عنوان بھی کافی اہم ہے اور اس میں اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ یعنی دینی تعلیم پڑھے ہوئے بھی اس موضوع کے اوپر یا تو کچھ کہہ نہیں پاتے ہیں، معذرت خواہانہ رویہ رکھتے ہیں یا متاثر ہو جاتے ہیں۔ یہ بہت اہم اور Current Topic ہے۔ جس کا عنوان ہے "عورتوں کی سیاسی قیادت"۔ جب ہم قیادت کی بات کرتے ہیں تو اس سے مراد صرف سیاسی قیادت ہے، اس سے مراد کوئی دوسری قیادت نہیں ہے جس کا آگے تذکرہ آنے والا ہے۔ جب ہم کسی بھی موضوع پر بات کریں اور اس موضوع پر پہلے سے نصوص موجود ہیں قرآن کی آیات ہیں اور احادیث ہیں تو ان تمام نصوص کو دیکھنا ضروری ہے۔ لہذا سب سے پہلے ہم یہ دیکھیں گے کہ لیڈرشپ اور قیادت کی اسلام میں کیا تعریف ہے۔ ایک مشہور شخصیت ہیں علامہ ماوردیؒ، ان کی ایک کتاب ہے الاحكام السلطانية اس کتاب میں انہوں نے لیڈرشپ کی تعریف یوں کی ہے:

يقول العلامة الماورديؒ: "الإمامة موضوعة لخلافة النبوة في حراسة الدين وسياسة الدنيا" (الأحكام السلطانية)

فرماتے ہیں: امامت (سیاسی لیڈرشپ) کو اس لئے رکھا گیا ہے تاکہ وہ نبوت کی خلافت کرے (یعنی جو امام ہو گا وہ نبی کا خلیفہ ہو گا، کس چیز میں؟) دین کے تحفظ میں اور دنیا کے انتظام چلانے میں۔

یعنی دین کا تحفظ اور دنیوی نظام چلانے میں نبی کی نیابت کا نام امامت ہے۔ اس سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ امام المسلمین کے دو کام ہیں:

دین کا تحفظ: یہی وجہ ہے کہ جمعہ کی نماز، عیدین کی نماز اور اسلامی حکومت میں اس طرح کے جتنے بھی اجتماعی کام ہیں یہ سارے کے سارے حکومت سے متعلق ہوتے ہیں اور امام المسلمین کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ ان چیزوں کی دیکھ ریکھ کرے۔ اسی طریقہ سے جو دنیوی معاملات ہیں مثلاً مال، وظائف اور غنیمت وغیرہ کی تقسیم، اسی طرح سے سرحدوں کی حفاظت، داخلی پالیسی،

خارجہ پالیسی، یہ سب چیزیں ساسۃ الدنیا کے تحت آتی ہیں، اسی طرح دعوت کا کام، یہ حراسۃ الدین کے تحت آتا ہے، اسی طرح سے جنگیں ہیں، جو اگر دعوت کے مقصد سے ہوں تو حراسۃ الدین کے تحت آتی ہیں اور بعض دفعہ جنگ اپنے تحفظ کے لیے ہوتی ہے جب دشمن حملہ کر رہا ہو، یہ جنگ سیاسۃ الدنیا کے تحت آئے گی۔ ان تمام چیزوں کو انجام دینے والا اور ان تمام پر مامور شخص دراصل امام المسلمین کہلاتا ہے۔

قرآن کریم نے تین مقامات پر مرد و عورت کے درمیان فرق بیان کیا ہے اور یہ دراصل تین واضح موقع ہیں جس میں قرآن کریم نے مرد و عورت کے درمیان فرق بیان کیا ہے۔ اور یہ وہ آیتیں ہیں جنہیں دیکھ کر غیر تو غیر، مسلم لبرلوں کے بھی آگ لگ جاتی ہے۔ اور وہ سوچ میں پڑ جاتے ہیں کہ اب اس کی کوئی ایسی شرح نکال کر لاؤ کہ قرآن کی آیت کا انکار بھی نہ ہو اور بات بھی بن جائے۔ ظاہر ہے کہ وہ قرآن کریم کی آیت کا انکار تو نہیں کر سکتے چونکہ کفر کا ٹھپہ لگوانا نہیں ہے۔ لیکن بات یہی ہے کہ قرآن کریم نے جو کہہ دیا وہ اٹل ہے، اور کوئی ضرورت نہیں ہے کہ اس کے ظاہری معنی کو بدلا جائے۔ الّا یہ کہ وہ ظاہری معنی کسی دوسری آیت کے مخالف ہو، تو بات الگ ہے۔ لیکن آیت کے ظاہری معنی اگر آپ کے عرف و کلچر کے مخالف ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ آیت کے معنی کو بدل دیں گے۔ ایسی صورت میں آپ کو اپنے عرف اور کلچر کو بدلنا ہو گا۔ قرآن کی آیت آپ کے رسم ورواج کے تابع نہیں ہے، آپ کا عرف اور کلچر قرآن کے تابع ہونا چاہیے۔ ذیل میں وہ تین آیات ملاحظہ فرمائیں:

پہلی آیت:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ (النِّسَآء-34) ”مردوں کو عورتوں کے اوپر قوّام بنایا گیا ہے“۔

اس آیت کے تعلق سے گزشتہ درس میں بھی تشریح اور تفصیل آئی تھی، اور ابن کثیرؒ کی شرح بھی ذکر کی گئی تھی۔ اس کو دوبارہ ملاحظہ فرمائیں، ابن کثیرؒ نے اس آیت کی جو تفسیر ذکر کی ہے وہ ابن عباسؓ سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ سے مراد ہے ”امراء علیها ای تطیعه فیما امرها به “(ابن کثیر) یعنی مردوں کو امیر (قائد) بنایا گیا ہے یعنی عورت مرد کے حکم کی اطاعت کرے گی۔ اس کی مزید تفصیل گزشتہ درس میں دیکھی جا سکتی ہے۔

دوسری آیت:

وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ (البقرة-228) مردوں کو عورتوں کے اوپر ایک درجہ آگے بڑھایا گیا ہے۔

یہی وہ آیت ہے کہ جس سے ہم درجہ بندی ثابت کرتے ہیں اور کسی بھی نظام کے لئے درجہ بندی ضروری ہے اور اسی درجہ بندی کو ہم Hierarchy کہتے ہیں۔ Hierarchy کے اوپر بھی تفصیل سے گفتگو ہو چکی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ Hierarchy کو ثابت کر رہے ہیں اور یہ بتا رہے ہیں کہ Hierarchy دراصل Patriarchy کی شکل میں ہو گی۔ اور Patriarchy کا مطلب ہے پدر نوازی۔ یعنی مرد کو اوپر کا درجہ دیا جائے گا۔ اور اوپر کا درجہ دیے جانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ جنت میں پہلے پہنچے گا بلکہ یہ دنیا کا نظام چلانے کے لئے ہے، اس کا تعلق فضیلت سے نہیں ہے۔

تیسری آیت:

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ (النساء -32) اور جن چیزوں میں ہم نے تم کو ایک دوسرے پر فوقیت دی ہے، ان کی تمنا نہ کرو، مرد جو کچھ کمائی کریں گے ان کو اس میں سے حصہ ملے گا، اور عورتیں جو کچھ کمائی کریں گی ان کو اس میں سے حصہ ملے گا۔

اس آیت کا کوئی نہ کوئی پس منظر ضرور رہو گا۔ چنانچہ حضرت ام سلمہؓ کی حدیث جس کو امام طبری نے روایت نقل کیا ہے:

" قالت أم سلمةؓ: يا رسول اللهﷺ: تغزو الرجال ولا نغزو، وإنما لنا نصف الميراث! فنزلت: وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ. (الطبری)

حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ: مرد جہاد کرتے ہیں ہم عورتیں نہیں کرتیں، اور وراثت میں ہمارا حصہ بھی آدھا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

خواتین چاہے کسی بھی دور کی ہوں، ان میں ایک خاص وصف پایا جاتا ہے اور یہ وصف سائنسی اعتبار سے ثابت ہے، یعنی اس میں کسی کی توہین نہیں ہے۔ وہ سائنسی حقیقت یہ ہے کہ خواتین سب کی سب egalitarian (مساوات پسند) ہوتی ہیں۔ یعنی سب لوگ برابر ہونے چاہئیں۔ چاہے عورت کسی بھی علاقے اور کسی بھی زمانے کی ہو، ان کی فطرت میں یہ ہے کہ سب لوگ برابر ہونے چاہئیں۔ لہذا حضرت ام سلمہؓ نے جو سوال کیا وہ ایک فطری سوال تھا جو کسی بھی عورت کے ذہن میں آسکتا تھا، اس میں کسی کی توہین نہیں ہے کہ انہوں نے یہ سوال کیسے کر لیا۔ یہ انہوں نے اپنی فطرت کے مطابق کیا۔ چنانچہ انھوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ مردوں کو موقع ملتا ہے جہاد کرنے کا ہمیں موقع نہیں ملتا، اوپر سے ہماری میراث بھی آدھی ہے۔ وہ کہنا یہ چاہ رہی ہیں کہ ہماری میراث بھی برابر ہونی چاہیے اور جس طرح مردوں کو جہاد کا موقع مل رہا ہے ہمیں بھی ملنا چاہیے تاکہ ہم ثواب میں برابر ہو جائیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ۔ اب دیکھیے اللہ تعالیٰ نے نہ صرف یہ کہ اس مسئلے کو بیان کیا کہ بعض چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو فضیلت دی ہے بلکہ یہ بھی کہہ دیا کہ اس فضیلت کو حاصل کرنے کی تمنا

کرنا بھی غلط ہے۔ یہ تمنا کرنا کیوں غلط ہے؟ اس لئے کہ تمہاری فطرت کے خلاف ہے۔ اور جو چیز فطرت کے خلاف ہو اس کی تمنا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ تو تمنا کرنے سے منع کر دیا، چہ جائے کہ ہم قرآن کی آیات کو بدلیں یا ان کی کوئی نئی تشریح لے کر آئیں۔

اور ایک بہت مشہور حدیث ہے جسے امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے:

"عن ابي بكرةؓ، قال:" لقد نفعني الله بكلمة ايام الجمل، لما بلغ النبي ﷺ ان فارسا ملكوا ابنة كسرى، قال: لن يفلح قوم ولوا امرهم امراة".(البخارى: 4425)

ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جنگ جمل کے زمانہ میں مجھے ایک کلمہ نے فائدہ پہنچایا، جب نبی کریم ﷺ کو معلوم ہوا کہ فارس والوں نے بوران نامی کسریٰ کی بیٹی کو بادشاہ بنالیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جو اپنے معاملات کسی عورت کے ہاتھ میں دے دے۔

آپ حضرات اس حدیث کا بیک گراؤنڈ جانتے ہوں گے کہ ملک فارس میں جب آخری بادشاہ کا انتقال ہوا تو اس کا کوئی مرد وارث نہیں تھا تو اس کے خاندان کی ایک عورت کو ریاست کا حاکم بنا دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا۔

یہاں پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ حکومت کامیاب کیوں نہیں ہو سکتی؟ یہ تو ایک صنف کے مخالف اسٹیٹ منٹ ہے، یہ تو Discrimination (امتیازی سلوک) ہے عورت کے ساتھ۔ اگر ایک عورت کسی ملک کو چلا رہی ہے تو آپ پوری قوم کو ناکام بتا دیں۔ کیا یہ صنفی امتیاز نہیں ہے؟ کیا یہ Discrimination نہیں ہے؟

اس سے پہلے کہ اس سوال کا جواب دیا جائے میں ایک بات کی طرف توجہ دلانا چاہوں گا کہ قرآن کریم کی مذکورہ آیات اور مندرجہ بالا احادیث کی وجہ سے امت میں اس بات پر اجماع ہے کہ عورت کو سیاسی قیادت نہیں دی جائے گی۔ اس بات پر پوری امت کا اجماع ہے، اس میں کبھی اختلاف ہوا ہی نہیں کہ عورت امامۃ المسلمین نہیں بنے گی۔ اور اس اجماع کا ذکر امام ابن حزمؒ نے اپنی کتاب میں کیا ہے:

الإجماع: قال ابن حزم: "وجميع فرق أهل القبلة ليس منهم أحد يجيز إمامة امرأة" (الفصل في الملل والأهواء والنحل، ج-۴، ص - ۱۲۶)

صرف اہل سنت ہی نہیں بلکہ جتنے بھی اہل قبلہ ہیں چاہے وہ معتزلہ ہوں، شیعہ ہوں، روافض ہوں، خوارج ہوں، مرجئہ ہوں یا کرامیہ ہوں یا پھر جہمیہ ہوں یا اہل سنت ہوں، تمام فرقوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عورت کی سیاسی قیادت جائز نہیں ہے۔

اور یہ چیز صرف اجماع ہی سے ثابت نہیں ہے بلکہ قیاس سے بھی ثابت ہے۔ کسی شرعی حکم کو ثابت کرنے کے چار ہی ذرائع ہیں؛ قرآن، حدیث، اجماع یا قیاس۔ اور یہاں چاروں چیزیں متفق ہیں۔ قرآن کی آیت کے بعد مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں رہ جاتی، لیکن ہمارے پاس حدیث بھی ہے۔ قرآن اور حدیث کے بعد مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں رہ جاتی لیکن اجماع بھی ہے، جماع کے بعد قیاس کی ضرورت نہیں رہتی لیکن قیاس بھی ہے۔ اور وہ قیاس اس طریقے سے ہے کہ ایک مرد اگر مسجد میں امامت کرے تو بالکل جائز ہے لیکن اگر عورت مسجد کے اندر امامت کرے اور اس کے پیچھے مرد اور عورت دونوں کھڑے ہوئے ہوں تو یہ جائز نہیں ہے۔ تو جس طریقے سے عورت کی امامت صغریٰ جائز نہیں ہے، اسی طرح امامت کبری بھی جائز نہیں ہے۔ مسجد کی امامت امامت صغری ہے اور ملک کی قیادت امامت کبری ہے۔ تو جب عورت کی امامت صغری جائز نہیں ہے تو امامت کبری کیسے جائز ہو گی؟ یہ قیاس ہے۔ لیکن آپ کو ایسے حضرات بھی مل جائیں گے جو کسی نہ کسی طرح تاویل کرکے اسلام کو ماڈرنائز کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان میں دو بڑے نام ہیں:

(۱) محمد الغزالي (۲) عبد الحميد التولي۔

محمد الغزالی مصر کے ایک بہت بڑے قلم کار ہیں لیکن ان کے یہاں بھی وہی تجددپسندی پائی جاتی ہے کہ کسی طریقے سے ہم اسلام کو ماڈرنائز کر دیں اور اسلام کو ہم مغربی افکار اور روایات کے مطابق لے کر چلیں۔ ان کی کتابوں کے اندر آپ کو جابجا یہ چیز ملے گی۔ بہرحال عورت کی قیادت کے تعلق سے ان دونوں حضرات نے بہت مضبوط آواز اٹھائی۔ اور کچھ واقعات سے استدلال کیا، ان میں ایک مشہور واقعہ ملکہ بلقیس کا ہے، جس کا تذکرہ سورہ نمل میں یا ہے، اس کے بارے میں ان شاء اللہ آگے گفتگو ہو گی۔ اس واقعے سے انہوں نے استدلال کیا کہ عورت کی سیادت وقیادت جائز ہے۔

2011ء کی بات ہے؛ امریکہ کے شہر ٹیکس (Texas) کے ایک سمینار میں جانا ہوا جس کا موضوع تھا "عورت کی سیاسی قیادت"۔ اس سمینار میں نہ صرف یہ کہ ملکی سطح پر عورت کی سیادت وقیادت پر بحث تھی بلکہ کمیونٹی کی سطح پر تھی، مثلاً اگر آپ نے اپنے محلہ کی کوئی مسلم کمیونٹی بنائی ہے تو اس کے اندر عورت کو شامل کیا جائے یا نہ کیا جائے؟ یہ موضوع تھا۔ اس کمیونٹی میں چونکہ اکثریت ازہری عرب علماء کی تھی اور وہ تنظیم ایسی ہی تھی جیسا کہ انڈیا میں فقہ اکیڈمی ہے کہ جس پر عربوں کا غلبہ ہے خصوصا ازہری حضرات کا۔ تو میں نے مناسب سمجھا کہ مقالہ عربی میں ہی لکھوں چونکہ اکثریت عرب علما کی تھی۔ خیر مقالہ پیش کرنے کے بعد تنظیم کے ایک ذمہ دار صاحب سے ملاقات ہوئی جو کہ ازہری ہیں، وہ بڑے ناراض ہوئے۔ ناراض اس لیے ہوئے کہ میں نے اپنے مقالہ میں ان تمام دلائل کا ذکر کیا تھا اور یہ ثابت کیا تھا کہ جس طرح امامت صغری جائز نہیں ہے، امامت کبری بھی جائز نہیں ہے اور اس پر اجماع ہے۔ تو وہ ناراضی کے عالم میں کہنے لگے، مائک پر نہیں آئے لیکن بڑبڑاتے ہوئے کہنے لگے کہ پتہ نہیں نوجوانوں

کو کیا ہو گیا ہے، یہ ابھی بھی ماضی میں ہی رہتے ہیں، ان کو پتہ نہیں کہ دنیا بہت آگے چلی گئی ہے۔ تو مجھے بہت عجیب محسوس ہوا کہ جب آپ نے ایک پلیٹ فارم بنایا ہے اور آپ کو معلوم ہے اس میں مختلف آراء آئیں گی تو پھر آپ پریشان کیوں ہو رہے ہیں؟ آپ یہ کیوں چاہتے ہیں کہ سارے لوگ آکر آپ کے خیال کے مطابق ہی اپنا مقالہ پیش کریں گے۔ اس مجلس میں صرف دو تحقیقی مقالے پیش ہوئے تھے۔ ایک میرا اور ایک دوسرے صاحب کا ریسرچ پیپر تھا جو عورتوں کی سیاسی قیادت کو جائز قرار دے رہے تھے۔ ان کے مقالہ میں زیادہ تر حوالے ان دو صاحبان (محمد الغزالي، عبد الحميد المتولي) ہی کے تھے۔ لیکن جب تجاویز پاس ہوئیں تو اس میں میرے مقالے کا دور دور تک کوئی ذکر ہی نہیں تھا۔ تو یہ صورت حال ہے بعض لوگوں کی کہ جدیدیت میں اتنے آگے نکل جاتے ہیں کہ وہ پھر یہ نہیں دیکھتے کہ سامنے والے کی بھی ایک رائے ہے۔ اگر قبول نہیں کرنا تو نہ کریں لیکن کم از کم رائے کے درجے میں تو رکھیں۔ بہر حال۔

امام رازیؒ نے آیت وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ کے تحت دو وجوہات بیان کی ہیں کہ کیوں اللہ تعالی نے اس معاملے میں مرد کو فضیلت دی ہے عورتوں کے اوپر، مرد کو عورتوں کے مقابلے میں آگے بڑھایا ہے۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں وہ فرماتے ہیں:

قال الرازي: واعلم أن فضل الرجال على النساء حاصل من وجوه كثيرة ، بعضها صفات حقيقية ، وبعضها أحكام شرعية، أما الصفات الحقيقية فاعلم أن الفضائل الحقيقية يرجع حاصلها إلى أمرين: إلى العلم، وإلى القدرة، ولا شك أن عقول الرجال وعلومهم أكثر، ولا شك أن قدرتهم على الأعمال الشاقة أكمل، فلهذين السببين حصلت الفضيلة للرجال على النساء في العقل والحزم والقوة، والكتابة في الغالب والفروسية والرمي.

والسبب الثاني: لحصول هذه الفضيلة: قوله تعالى: { وبما أنفقوا من أموالهم } يعني الرجل أفضل من المرأة لأنه يعطيها المهر وينفق عليها (تفسير الرازي)

امام رازیؒ فرماتے ہیں: یہ جاننا چاہئے کہ مردوں کو عورتوں کے اوپر بہت سی وجوہات کی بنا پر برتری حاصل ہے۔ ان وجوہات کی دو قسمیں ہیں: صفات حقیقیہ یعنی فطری صفات اور کچھ احکام شرعیہ بھی ہیں۔ تو جاننا چاہئے کہ صفات حقیقیہ یعنی فطری صلاحیتوں کی بنیاد دو صفات کے اوپر ہے، پہلی صفت علم ہے اور دوسری صفت قدرت ہے (یعنی بہت سے علوم ایسے ہیں جن میں مردوں کی اجارہ داری ہے، عورتیں ان میں چاہ کر بھی آگے نہیں بڑھ پاتیں۔ اسی طریقے سے طاقت اور محنت و مشقت والے کام کرنے میں بھی مرد آگے ہیں)۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے مردوں کی عقل اور ان کا علم بڑھ کر ہے (یہ بات ہم ما قبل میں ثابت کر چکے ہیں۔ یہاں پر عورتوں کی تنقیص اور تخفیف مقصود نہیں ہے، اس کو ہم یہ نہیں کہہ رہے کہ عورتیں بے وقوف ہیں۔ اگر دو گلاس میں سے ایک میں پانی کم ہو تو کوئی یہ نہیں کہتا کہ یہ بے کار ہے، اس میں موجود پانی کی کوئی نفی نہیں کرتا۔ کسی چیز کے بڑھے ہوئے ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسری چیز بیکار ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عورتوں کے اندر کوئی نقص یا عیب نکالا جا رہا

ہے)۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ جو محنت اور مشقت بھرے کام کرنے کی صلاحیت مردوں میں زیادہ ہے۔ ان دونوں وجوہات کی بناپر مردوں کو عورتوں پر ان چیزوں کی بناپر جیسے عقل، بیداری، طاقت، کتابت، گھڑسواری، تیراندازی وغیرہ میں مرد عورتوں کے مقابلہ میں آگے ہے۔

اس فضیلت کا دوسرا سبب اللہ تعالی کا قول وبما أنفقوا من أموالهم ہے یعنی مرد کو عورت سے آگے اس لئے بڑھایا گیا چونکہ مرد کی ذمہ داری ہے عورت کے اخراجات برداشت کرنا، اس کو مہر دینا اور اس کی تمام ضروریات کو پورا کرنا۔ عورت کو یہ حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اپنی مالی ضروریات خود پوری کرے۔

یہ امام رازیؒ کی عبارت ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی مزاج کیا ہے اور یہ اسلامی مزاج فطری مزاج ہے اور آج کی سائنسی بھی اس کی تصدیق کرتی ہے۔ کیسے کرتی ہے، اس کا بیان آگے آرہا ہے۔

Can a man follow a women?

یہاں پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ آپ نے تو ان آیات واحادیث سے یہ ثابت کیا کہ گویا اسلام میں ایک عورت کی کبھی اتباع کی ہی نہیں جاسکتی، گویا کہ عورت کو بالکل ناقص العقل قرار دے دیا گیا، اور اس طرح علی الاطلاق ناقص العقل قرار دینے کی وجہ سے عورت کی کبھی بھی کوئی بات نہیں ماننی چاہئے، اس کی اتباع نہیں کرنی چاہیے، اس کی تابع داری نہیں کرنی چاہیے، کیا یہ مطلب ہے اس کا؟

ہرگز نہیں! اسی لئے میں نے شروع میں کہا تھا کہ ہمیں ایک عام قیادت اور سیاسی قیادت میں فرق کرنا ضروری ہے۔ جب سیاسی قیادت کی بات آئے تو ہمیں ڈنکے کی چوٹ پر یہ کہنا چاہئے کہ اسلام میں سیاسی قیادت کا حق صرف مرد کو ہے۔ عورت کو سیاسی قیادت کا حق نہیں دیا گیا اور اس کی وجوہات ہیں۔ لیکن جہاں تک عام قیادت کی بات ہے مثلاً خاندان کی سطح پر، تو پھر اسلام نہ صرف یہ کہ اس کی اجازت دیتا ہے بلکہ حکم دیتا ہے۔ چنانچہ وہ حدیث یاد رکھنی چاہئے:

عن ابن عمرؓ، قال: سمعت رسول اللهﷺ يقول: «الا كلكم رَاعٍ، وكلكم مسؤول عن رَعِيَّتِهِ: فَالْأَمِيرُ الَّذِىْ عَلَى النَّاسِ رَاعٍ، وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ ، وَالرَّجُلَ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ، وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْهُمْ، والمرأة رَاعِيَةٌ على بيت بَعْلِهَا وَوَلَدِهِ(متفق عليه)

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ”تم میں سے ہر ایک چرواہا ہے اور تم میں سے ہر ایک اپنے ریوڑ کا ذمہ دار ہے؛ چنانچہ وہ امیر جس کو لوگوں پر امارت دی گئی ہے وہ ان کا ذمہ دار ہے، اور مرد اپنے اہل خانہ کا ذمہ دار ہے اور اس سے ان کے بارے میں سوال کیا جائے گا اور عورت اپنے شوہر کے گھر کی ذمہ دار ہے اور شوہر کے بچوں کی ذمہ دار ہے۔

یعنی گھر کی ذمہ رای اور نگرانی کی ذمہ داری شریعت نے عورت پر رکھی ہے۔ بچوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی ماں کا اتباع کریں۔ اور گھر میں جتنے افراد ہیں ان کے اوپر حکومت رسول اللہ ﷺ نے عورت کی رکھی ہے۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ درجہ بندی میں مرد کو اوپر رکھا گیا ہے۔ چونکہ بعض مرتبہ ایسے حالات پیش آجاتے ہیں کہ مرد کا فیصلہ ہی آخری فیصلہ ہوتا ہے۔ چنانچہ جس طریقے سے سربراہ مملکت ایک مرد ہوتا ہے بالکل اسی طرح سربراہ خاندان بھی ایک مرد ہوتا ہے۔ لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عورت کی اتباع نہیں کی جائے گی۔ عورت کی بات اگر معقول ہے تو اس کو سنا جائے گا، یہ مذکورہ بالا حدیث سے ثابت ہو گیا۔ بلکہ آپ ﷺ نے خود اس پر عمل بھی کیا ہے۔ چنانچہ مسند احمد کی یہ حدیث ملاحظہ فرمائیں، یہ بہت مشہور واقعہ ہے:

قَالَ: فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فقال: "يَا أَيُّهَا النَّاسُ، انْحَرُوا(٤٨) وَاحْلِقُوا". قَالَ: فَمَا قَامَ أَحَدٌ. قَالَ: ثُمَّ عَادَ بِمِثْلِهَا، فَمَا قَامَ رَجُلٌ حَتَّى عَادَ ﷺ بِمِثْلِهَا، فَمَا قَامَ رَجُلٌ. فَرَجَعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَدَخَلَ عَلَى أُمِّ سَلَمَةَ فَقَالَ: "يَا أُمَّ سَلَمَةَ مَا شَأْنُ النَّاسِ؟ " قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَدْ دَخَلَهُمْ مَا رَأَيْتَ، فَلَا تُكَلِّمن(٤٩) مِنْهُمْ إِنْسَانًا، وَاعْمِدْ إِلَى هَدْيِكَ حَيْثُ كَانَ فَانْحَرْهُ وَاحْلِقْ، فَلَوْ قَدْ فَعَلْتَ ذَلِكَ فَعَلَ النَّاسُ ذَلِكَ. فَخَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يُكَلِّمُ أَحَدًا حَتَّى أَتَى هَدْيَهُ فَنَحَرَهُ، ثُمَّ جَلَسَ فَحَلَقَ، قَالَ: فَقَامَ النَّاسُ يَنْحَرُونَ وَيَحْلِقُونَ. قَالَ: حَتَّى إِذَا كَانَ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ فِي وَسَطِ الطَّرِيقِ نَزَلَتْ سُورَةُ الْفَتْحِ.(مسند احمد)

صلح حدیبیہ کے بعد چونکہ لوگ عمرہ سے روک دیئے گئے تھے اور سارے لوگ احرام سے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! جو ہدی کے جانور تم اپنے ساتھ لائے ہو اسے ذبح کر دو اور حلق کر لو اور اس طرح احرام سے نکل جاؤ۔ جب آپ نے یہ اعلان کیا تو کوئی بھی نہیں اٹھا۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے دوبارہ یہ اعلان کیا پھر بھی کوئی نہیں کھڑا ہو، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے تیسری بار کہا پھر بھی کوئی کھڑا نہیں ہوا۔ پھر آپ ﷺ لوٹ گئے اور ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے پاس گئے اور فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ انھوں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ جانتے ہیں کہ وہ اس وقت غمزدہ ہیں تو اس وقت آپ کسی سے بھی بات نہ کریں بلکہ آپ اپنے ہدی کے پاس جائیں اور اسے قربان کر دیں اور حلق کرا کر احرام کھول دیں، جب آپ یہ کر لیں گے تو لوگ خود ہی آپ کو دیکھ کر یہ کر لیں گے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اسی مشورہ پر عمل کیا، آپ ﷺ نے کسی سے بات نہیں کی،

آپ ﷺ سیدھے اپنے ہدی کے پاس گئے، اسے قربان کیا، حلق کروایا اور پھر احرام کھول دیا۔ تو پھر لوگ بھی کھڑے ہوئے اور اپنے اپنے جانوروں کو قربان کرنے اور حلق کروانے لگے۔

تو آپ ﷺ نے اس اہم موقع پر جو کہ ایک اجتماعی کام تھا، حضرت ام سلمہؓ کے مشورہ کو تسلیم کیا اور اس پر عمل کیا۔ اسی طرح حضرت عائشہؓ کا حال ہے، وہ کوئی معمولی خاتون نہیں تھیں ۔ وہ تو صحابہ و تابعین کی استانی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ”خذوا نصف دینکم عن ھذہ الحمیراء“ کہ تم آدھا علم حضرت عائشہؓ سے لینا۔ اسی طرح حضرت خدیجہؓ کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ وہ ایک کامیاب تاجرہ تھیں۔ اسی طرح قرآن کریم میں ملکہ سبا بلقیس کا بھی تذکرہ آتا ہے۔ تو ان تمام واقعات سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ عورت کو اسلام نے کبھی بھی degrade نہیں کیا کہ اس کی توہین کردی، اور ایسا کردیا کہ تمہیں صرف ماننا ہی ہے، منوانا نہیں ہے۔ ایسا بالکل بھی نہیں ہے۔ اس کی بات بھی مانی جائے اگر معقول ہو۔ لیکن سیاسی قیادت مرد کے پاس ہے۔

اب یہاں سوال یہ ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہے کہ سیاسی قیادت مرد ہی پاس ہے عورت کے پاس کیوں نہیں ہے؟

مردوں کو ہی سیاسی قیادت کا حق کیوں ہے؟

تجدد پسند یہ کہتے ہیں کہ اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ سیاسی قیادت کون کرے؟ مرد بھی کرسکتا ہے عورت بھی کرسکتی ہے۔ جب وہ تجارت کرسکتی ہے، تعلیم دے سکتی ہے، گھر کی قیادت کرسکتی ہے تو پھر وہ حکومت کی قیادت کیوں نہیں کرسکتی؟ اسلام دونوں صنفوں کے درمیان یہ فرق کیوں کرتا ہے؟ یہ فرق ان کے اعتبار سے بنیادی اخلاقیات کے خلاف ہے۔

جواب:

یہ سوال ایک **emotional argument** (جذباتی دلیل) ہے۔ اور **emotional argument** بہت جلدی اثرانداز ہوتا ہے، خصوصاً ان لوگوں کو جو عقلیت پر زیادہ یقین نہیں رکھتے۔ جیسے ہی آپ ان کو کوئی جذباتی دلیلیں دیں گے وہ فوراً متاثر ہوجائیں گے۔ تو بہت سے لوگوں کے لئے یہ ایک بڑی مضبوط دلیل ہے۔ اور آج کے دور میں لوگ یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ دیکھو نیوزی لینڈ کی وزیر اعظم بھی ایک عورت ہے، فن لینڈ کی وزیر اعظم بھی ایک عورت ہے اور ماضی میں بھارت کی وزیر اعظم اندرا گاندھی رہی ہے۔ اور ان تمام عورتوں نے کامیاب قیادت کی ہے، کامیاب سیادت کی ہے، تو پھر آپ ﷺ نے یہ کیسے کہہ دیا کہ وہ قوم کامیاب نہیں ہوسکتی جس نے اپنے معاملات عورتوں کے ہاتھ میں دے دیئے ہوں؟ اس لیے بعض حضرات جو روایت پسند ہیں یعنی جو

روایات کو مسترد نہیں کرتے وہ ایسے موقعوں پر متاثر ہو جاتے ہیں اور دفاعی پوزیشن میں آجاتے ہیں اور یہ کہنے لگتے ہیں کہ ان احادیث اور آیات کا تعلق دراصل ایک دوسرے نظام سے ہے جسے ہم خلافت کہتے ہیں۔ کیونکہ خلیفہ کی بات اٹل اور آخری ہوتی ہے۔ حالانکہ قرآن و سنت سے اوپر وہ بھی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ هداية کی "كتاب ادب القاضی" میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ اگر امیر المومنین قرآن و سنت کے خلاف کوئی فیصلہ دے تو قاضی القضاۃ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس فیصلہ کو مسترد کر دے۔ اس کا مطلب ہوا کہ قرآن و سنت اسلامی حکومت میں سب سے اوپر ہیں۔ امیر امؤمنین سے بھی بلند ہیں۔ لیکن اگر امیر المومنین قرآن و سنت کے مطابق کوئی فیصلہ کر دیتا ہے تو پوری رعایا کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کی بات مانے۔

جمہوری نظام میں ایسا نہیں ہوتا۔ جمہوری نظام میں یہ ہوتا ہے کہ سب سے پہلے ایک بل پاس ہوگا، پارلیمنٹ میں اس کے اوپر بحث ہوگی، پھر آخر میں اتفاق رائے ہوگا یا اکثریت کی بنیاد پر ووٹنگ ہوگی اور پھر وہ قانون بن جائے گا۔ یعنی ایک ذمہ دارِ حکومت کا کام صرف نظم و نسق ہے، قانون سازی اس کا کام نہیں ہے۔ اور وہ اکیلا نظم و نسق نہیں کرتا بلکہ اس کے مشیر و معاون ہوتے ہیں، پوری کابینہ ہوتی ہے، ہر وزارت کا ایک الگ ذمہ دار ہوتا ہے اور ہر وزارت کے اندر پھر ایک نائب وزیر ہوتا ہے، مطلب کہ ایک پورا نظام ہے۔ تو عورت یا مرد کبھی بھی اکیلے فیصلہ نہیں کرتے اور ان کا قول قانون نہیں ہوتا۔ اب چونکہ نظام بدل چکا ہے لہٰذا آپ ﷺ کی یہ حدیث اس نظام کے تعلق سے نہیں ہے۔ ایک جواب تو یہ دیا جاتا ہے۔

Why do man rule?

مرد کیوں قیادت کرتے ہیں؟

مذکورہ بالا جواب کو میں مکمل طور سے مسترد تو نہیں کرتا لیکن ساتھ میں یہ بھی ہے کہ ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ شروع سے ہمارے سلف صالحین کا جو اجماع چلا آرہا ہے، اس اجماع کی بھی اپنی اہمیت ہے۔ آپ محض کسی جدت پسندی کے چکر میں اس اجماع کو مسترد نہیں کر سکتے۔ اس لیے ہم اس موضوع کے اوپر بات کریں گے کہ کیا واقعی سیاسی قیادت و سیادت چاہے وہ جدید طرز پر ہو، یعنی جمہوریت میں ہو یا خلافت میں ہو یا پھر کسی اور نظام میں ہو، کیا یہ ایک عورت کو زیب دیتی ہے یا نہیں دیتی؟

ایک مصنف ہے اسٹیون گولڈبرگ (**Steven Goldberg**) اس نے ایک کتاب لکھی ہے **Why Men Rule?** یعنی "مرد کیوں قیادت کرتے ہیں؟"۔ اس کتاب میں اس نے تین نکات پر روشنی ڈالی ہے اور یہ تین اوصاف ایسے ہیں کہ تاریخ کے تمام ادوار میں اور تمام تہذیبوں میں یہ وصف آپ کو ملیں گے۔

۱۔ (Patriarchy) پدر نوازی۔ اس پر تفصیل سے گفتگو ہو چکی ہے۔

۲۔ (Male Attainment) یعنی ایسے کام جو بڑے رتبے والے ہوں وہ تاریخ میں شروع ہی سے مردوں کے ذریعہ ہوتے چلے آئے ہیں۔ چاہے آپ جنگ کے میدان میں دیکھ لیں، بڑے بڑے جرنیل آپ کو مرد ہی ملیں گے۔ آپ صنعت و حرفت کے میدان کو دیکھ لیں تو بڑے بڑے سائنسداں مرد ہی ملیں گے۔ اسی طرح کھیل کے میدان میں دیکھ لیں۔ آج بھی مرد کھلاڑیوں کے نام تو لوگوں کو معلوم ہوتے ہیں لیکن خواتین کھلاڑیوں کے نام بہت کم معلوم ہوتے ہیں۔ چاہے کوئی بھی کھیل ہو۔ اور زیادہ پیسہ بھی مردوں کی ٹیم میں ہے، عورتوں کی ٹیم میں کم پیسہ ہے۔ ابھی قطر میں فٹبال کا ورلڈ کپ ہوا، اس میں خواتین کا کوئی گیم نہیں تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ معاشرے میں مرد بھی ہیں اور عورت بھی ہیں، لیکن تمام اعلی رتبہ کے کام کے سلسلے میں سوسائٹی کی توقع یہ ہے کہ وہ مرد کرے گا۔ اسی کو کہتے ہیں **Male Attainment**۔

۳۔ (Male Dominance) اس کا مطلب یہ ہے کہ معاشروں کو اور تہذیبوں کو یہ توقع ہے کہ قیادت تو مرد ہی کرے گا۔ اس کی وجہ ہے کہ مرد کی جسمانی ساخت خود اس بات کی متقاضی ہے کہ قیادت اس کے ہاتھ میں آئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انسان سیاسی قیادت کی پوزیشن پر پہنچتا ہے تو بعض مرتبہ اسے سخت فیصلے لینے پڑتے ہیں، بعض مرتبہ جنگوں میں شامل ہونا پڑتا ہے اور ایسے ایسے فیصلے کہ جس میں ملک کا مستقل داؤ پر لگ جاتا ہے اور قومیں یا تو زندہ و تابندہ رہیں گی یا پھر نیست و نابود ہو جائیں گی۔ ایسے فیصلے اگر کوئی لیتا ہے، آپ پوری تاریخ دیکھ لیں اس طرح کے فیصلے مرد ہی لیا کرتا ہے۔ **Male Dominance** بولا جاتا ہے۔

اس کتاب میں **Steven Goldberg** نے یہ ثابت کیا ہے کہ ان تینوں صفات کی وجہ **social construct** نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ بیالوجی ہے۔ کیونکہ اگر یہ سوشل کنسٹرکٹ کا نتیجہ ہوتا تو پھر یہ ایک دو یا پھر پانچ دس معاشروں میں ہوتا، لیکن ہم اسے تاریخ کے تمام ادوار کے اکثر معاشروں میں یہی دیکھتے آئے ہیں۔ ایک آدھ معاشرہ استثنائی ہو سکتا ہے لیکن وہ معاشرے پھر تہذیب نہیں بنے۔ ہم بات کر رہے ہیں تہذیب کی۔ یہ اسٹیون گولڈبرگ نے اپنی کتاب "(**Why Men Rule?**) کہ مرد کیوں قیادت کرتے ہیں" میں لکھا ہے۔

لیکن میرے نزدیک جو بات دلیل ہے وہ آگے کے اقتباس میں آ رہی ہے۔ اس ضمون کا مصنف ہے **Scott Barry Kaufman**۔ مضمون کا عنوان ہے:

Taking Sex Differences in Personality Seriously

(شخصیت میں صنفی فرق کو سنجیدگی سے لیا جانا چاہئے)

یہ مضمون خاصا طویل ہے چونکہ یہ ایک تحقیقی مقالہ ہے۔ لیکن اس کے درج ذیل دو پیراگراف یہاں پر ذکر کئے جاتے ہیں جو کہ اس مضمون کا خلاصہ ہیں:

On average, males tend to be more dominant, assertive, risk-prone, thrill-seeking, tough-minded, emotionally stable, utilitarian, and open to abstract ideas. Males also tend to score higher on self-estimates of intelligence, even though sex differences in general intelligence measured as an ability are negligible. Men also tend to form larger, competitive groups in which hierarchies tend to be stable and in which individual relationships tend to require little emotional investment. In terms of communication style, males tend to use more assertive speech and are more likely to interrupt people (both men and women) more often especially intrusive interruptions which can be interpreted as a form of dominant behavior**.**

https://blogs.scientificamerican.com/beautiful-minds/taking-sex-differences-in-personality-seriously/

اوسطاً مرد زیادہ تسلط رکھنے والے، اقتدار پسند، زور آور، خطرات مول لینے والے، سنسنی خیز، سخت مزاج والے، جذباتی اعتبار سے مستحکم، نفع پسند (جس چیز میں نفع ہو گا وہ کریں گے اور جس چیز میں نفع نہیں ہو گا اسے چھوڑ دیں گے) اور تصورات و خیالات کا استقبال کرنے والے ہوتے ہیں (یعنی کسی نئی چیز کے محض تصور کو نہ صرف یہ کہ سوچنے والے بلکہ اسے پکا کر کھلانے والے بھی مرد ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ میں مردوں نے ہی زیادہ ایجادات کی ہیں۔ کیونکہ کسی بھی چیز کو ایجاد کرنے سے پہلے ایک خالی تصور ذہن میں آنا چاہئے، پھر اس پر آپ سوچیں گے، اس پر کام کریں گے یہاں تک کہ وہ ایک حقیقت کی شکل میں سامنے آجائے گا)۔ ذہانت کے اوپر اعتماد کرنے میں بھی مرد عورتوں سے آگے ہیں اگرچہ ذہانت کی بنیاد پر صنفی فرق کوئی زیادہ خاص نہیں ہے (یعنی ایسا نہیں ہے کہ مرد زیادہ ذہین ہوتے ہیں اور عورتیں کم ذہین ہوتی ہیں لہٰذا اس کی بنیاد پر ہم مردوں اور عورتوں کے درمیان فرق کریں، ایسا نہیں ہے۔ لیکن اپنی ذہانت پر اعتماد مردوں میں زیادہ ہوتا ہے عورتوں میں کم ہوتا ہے)۔ مرد ایسی جماعتیں بناتے ہیں کہ جو مقابلہ آرائی کرتی ہیں اور ان جماعتوں کے اندر **Hierarchy** (درجہ بندی) ہوتی ہے اور یہ درجہ بندی بہت زیادہ مستحکم ہوتی ہے جس میں ایک فرد کا جماعت سے جو رشتہ ہے اس میں جذبات کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ جہاں تک دوسروں سے رابطہ کرنے کی بات ہے تو مرد عورتوں کے مقابلہ میں زیادہ تحکمانہ لہجہ اختیار کرتا ہے اور وہ دوسروں کو زیادہ انٹرپٹ (اگر سامنے والا کوئی غلط بات کہہ رہا ہے تو یہ انہیں برداشت نہیں ہے، وہ بیچ میں ہی بول دیں گے، یہ مردوں کا خاصہ ہے) کرتے ہیں۔

آگے کی عبارت میں عورتوں کے تعلق سے مضمون نگار لکھتا ہے، اور ساری باتیں تحقیق پر مبنی ہیں، اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھ رہا:

In contrast, females, on average, tend to be more sociable, sensitive, warm, compassionate, polite, anxious, self-doubting, and more open to aesthetics. On average, women are more interested in intimate, cooperative dyadic relationships that are more emotion-focused and characterized by unstable hierarchies and strong egalitarian norms. Where aggression does arise, it tends to be more indirect and less openly confrontational. Females also tend to display better communication skills.

https://blogs.scientificamerican.com/beautiful-minds/taking-sex-differences-in-personality-seriously/

اس کے مقابلہ میں خواتین اوسطاً زیادہ میل جول رکھنے والی، زیادہ حساس، زیادہ ہمدرد، خوش اسلوب، زیادہ فکر مند، اپنی اصلاحیتوں کے اوپر شبہ کرتی ہیں اور وہ جمالیات سے زیادہ متاثر ہوتی ہیں (اس کے اندر رومانی جذبات بھی آگئے یعنی خواتین مرد کے مقابلہ میں زیادہ رومانوی ہوتی ہیں، یہ ان کی فطرت ہے)۔ اوسطاً خواتین دوطرفہ تعاون پر مبنی محبت آمیز رشتہ میں زیادہ دلچسپی رکھتی ہیں (یعنی وہ چاہتی ہیں کہ جس طرح وہ اپنے شوہر کے لئے تعاون کرتی ہے اور اس کے لئے محبت نچھاور کرتی ہے، ایسی ہی محبت اس پر بھی نچھاور کی جائے)۔ اسی طریقے سے انہیں ایسے رشتے زیادہ پسند ہیں جن میں جذباتیت زیادہ ہو۔ مزید یہ کہ عورتوں کے اندر غیر مستحکم درجہ بندی ہوتی ہے اور وہ زیادہ مساوات پسند ہوتی ہیں (یعنی عورت یہ چاہتی ہے وہ مرد کے برابر رہے، جو کام مرد کر رہے ہیں وہی کام ہم بھی کریں)۔ جب جارحیت ہوتی ہے تو عورتوں کی جارحیت بالواسطہ ہوتی ہے، کھلم کھلا محاذ آرائی نہیں ہوتی۔ البتہ خواتین کے اندر تبادلہ خیال کی زیادہ بہتر صلاحیت موجود ہے۔

آپ نے دیکھا کہ مرد و عورت کے درمیان جو فرق ہے، اس کو ماہر نفسیات، ماہر طبعیات اور تمام سائنسدان مانتے ہیں۔ اور جدید سائنس اس آرٹیکل کی تائید کرتی ہے اس لیے کہ یہ کوئی بہت پرانا آرٹیکل نہیں ہے، سال دو سال پہلے کا ہے۔ اب آپ بتائیں کہ اگر حکومت اچھی ہوگی تو روٹی، کپڑا اور مکان جس کا ہر شخص طالب ہے، وہ آسانی کے ساتھ سب لوگوں کو ملے گا، اور اگر حکومت ہی بدعنوان ہے تو پھر ان تمام سہولیات کے لالے پڑ جائیں گے۔ آپ دیکھ لیجیے کہ جن ممالک کی حکومت کرپٹ ہے وہاں لوگوں کے پاس کھانے کو نہیں ہے، پہننے کو نہیں ہے۔ لیکن جہاں کی حکومتیں اتنی زیادہ بدعنوان نہیں ہیں تو وہاں کے لوگوں کو ان بنیادی ضروریات کے تعلق سے اتنا زیادہ سوچنا نہیں پڑتا۔ وہاں لوگ اپنی ضروریات کے بارے میں نہیں بلکہ خواہشات کے تعلق سے سوچتے ہیں۔ یعنی حکومت کا اتنا اہم کردار ہے۔ خلاصہ یہ کہ عوام کی زندگی دراصل حکومت پر انحصار کرتی ہے۔ اب اگر حکومت میں

ایسا فرد ہو جو خود اپنی صلاحتیوں کے اوپر شک کرتا ہو، حکومت میں اگر ایسا فرد ہو جو غیر مستحکم درجہ بندی پر یقین رکھتا ہو، حکومت میں اگر ایسا فرد ہو جو زیادہ جذباتیت پسند ہو، حکومت میں ایسا فرد ہو جو ضرورت کے وقت بھی کھلم کھلا مقابلہ آرائی نہ کر سکے تو پھر وہ حکومت یقینی طور پر ناکام ہو گی۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ جیسے ہی کوئی عورت کسی ملک کی سربراہ بن جائے تو وہ ملک فوری طور پر تباہ وبرباد ہو جائے گا اور ناکام ہو جائے گا۔ نہیں! آہستہ آہستہ تباہی آئے گی، کہ ہاتھی کو گرتے گرتے ٹائم لگتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ آج کے دور میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ فن لینڈ کی وزیر اعظم ایک عورت ہے اور نیوزی لینڈ وزیر اعظم ایک عورت ہے، لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ اس وقت دنیا کا نظام آپس میں مربوط ہے۔ اگر ایک عورت بد عنوان نہ ہو تو حکومت بہت کامیابی کے ساتھ چلے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے پوری دنیا کا معاشی نظام خصوصا مغربی ممالک ایک دوسرے سے بہت زیادہ مربوط ہیں۔ تو ایسا نہیں ہو گا کہ ایک ملک تباہ ہو جائے اور دوسرے ملک کھڑے دیکھتے رہیں۔ یہ ساری چیزیں بھی ذہن میں رکھنی چاہئیں۔ یہ اس مضمون کا خلاصہ ہے۔

کیا عورتیں زیادہ جذباتی ہوتی ہیں؟

یہ بات بارہا کہی جاتی ہے کہ عورت زیادہ جذبات پسند ہوتی ہیں۔ کیا اس کا کوئی ثبوت ہے؟ چونکہ جب ایک انسان سربراہِ مملکت اور سیاسی قیادت کی پوزیشن پر آجائے تو اس کو جذبات پسند نہیں ہونا چاہئے بلکہ اسے جذباتیت کو ایک طرف کر کے اسے ایسا ہونا چاہیے کہ وہ نفع و نقصان کے اوپر نظر رکھے۔ مثلاً اگر جج جذباتیت کی بنیاد پر فیصلے کرنے لگے تو پھر اس بات کا امکان زیادہ ہو گا کہ وہ ناانصافی کرے۔ یہی وجہ ہے ججوں کو یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ میڈیا رپورٹ سے دور رہیں۔ حالانکہ جج بھی انسان ہیں وہ بھی میڈیا سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں، ان کے پاس بھی اخبارات آتے ہیں وہ بھی نیوز چینلز دیکھتے ہیں، لیکن انہیں باقاعدہ اس چیز کی تربیت دی جاتی ہے کہ میڈیا پر جو کچھ چل رہا ہے اس سے وہ متاثر نہ ہوں۔ یہ الگ بات ہے کچھ جج ایسے ہوتے ہیں جو متاثر ہو جاتے ہیں۔ اور جو متاثر ہوتے ہیں ان کے فیصلے کبھی بھی منصفانہ نہیں ہوتے ہیں۔ کیونکہ منصف جج وہ ہوتا ہے جو ان چیزوں سے متاثر ہوئے بغیر قانون کی روشنی میں فیصلہ کرے۔ لہذا اگر عورت جذباتیت میں بڑگی ہوئی ہے اور اسے ایسی پوزیشن میں بٹھا دیا جائے کہ جہاں جذباتیت بہت زیادہ نقصان دہ ہے، تو اس کی وجہ سے ایک دو نہیں بلکہ ہزاروں لاکھوں لوگوں کی زندگی پر فرق پڑ سکتا ہے۔

ذیل کی عبارت ملاحظہ فرمائیں، یہ اقتباس ایک تحقیقی مقالہ سے لیا گیا ہے، جسے کیمبرج یونیورسٹی نے شائع کیا ہے:

Gender Differences in the Sensitivity to Negative Stimuli:

Cross-Modal Affective Priming Study Published online by Cambridge University Press

A stimulus is anything that can trigger a physical or behavioral change.

Priming, or, the Priming Effect, occurs when an individual's exposure to a certain stimulus influences his or her response to a subsequent stimulus, without any awareness of the connection.

اس اقتباس کا تین سطری خلاصہ اگلے صفحے پر درج ہے۔ مگر اس تین سطری خلاصے کو سمجھنے کے لئے چند اصطلاحات کا سمجھنا ضروری ہے۔ مندرجہ بالا عبارت میں وہ اصطلاحات ہیں۔ میں آپ کو یہ اصطلاحات اس لئے بتاتا ہوں کہ جب آپ کسی ملحد کے سامنے یہ اصطلاحات پیش کریں گے تو اس کا لاجواب ہونا طے ہے۔ کیونکہ اچھے خاصے پڑھے لکھے ملحد بھی صرف اس بات کے اوپر اپنا محل تعمیر کرتے ہیں کہ ہمیں خدا نظر نہیں آیا۔ اور چونکہ خدا نظر نہیں آیا لہٰذا خدا نہیں ہے، باقی سب کچھ ٹھیک ہے۔ لیکن جب آپ یہ تحقیقات پیش کریں گے تو یہ سب ان کو نہیں پتہ ہوتا، الا ماشاء اللہ۔

:Stimuli

یہ جمع ہے، اس کا واحد ہے **Stimulus**۔ جس کے معنی ہیں ایک ایسی چیز جو کسی انسان کے اندر جسمانی یا اس کے رویے کے اندر کوئی تبدیلی لیکر آئے۔ مثلاً آپ نے کوئی واقعہ دیکھا، اس واقعے سے آپ متاثر ہوگئے اور آپ کے رویے میں تبدیلی آگئی۔ اسی طرح آپ کو کسی نے گالی دی اور آپ کے رویہ میں تبدیلی آگئی، اسی طرح کسی نے آپ کو تحفہ دیا اور آپ کے رویے میں تبدیلی آگئی تو ان تمام صورتوں میں ہونے والی تبدیلی **Stimulus** ہے۔

Priming

یہ سائیکالوجی کی اصطلاح ہے۔ اس کو **The Priming Effect** بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی فرد کسی **Stimulus** کا سامنا کرتا ہے تو وہ اگلے **Stimulus** کے تعلق سے اس کے رد عمل کے اوپر اثر انداز ہوتا ہے۔ اور اس فرد کو دونوں کے درمیان کسی تعلق یا ربط کا اندازہ نہیں ہو پاتا۔ اس کو ایک مثال سے سمجھیں:

مثلاً ایک شخص نے آپ کو ہدیہ دیا، ہدیہ دینا ایک **Stimulus** ہے یعنی اس نے آپ کے رویے کے اندر ایک تبدیلی پیدا کی اُس شخص کے تعلق سے۔ اب آپ اس کے ساتھ اچھی طرح ملنے جلنے لگے۔ وہ شخص مثلاً بنگلہ دیش کا تھا۔ اس نے چونکہ آپ کو ہدیہ اور تحفہ دیا لہٰذا آپ نے اس کا بڑا اعزاز و اکرام کیا۔ اب آپ نے یہ مان لیا کہ بنگلہ دیش کے لوگ بہت ہی اچھے ہوتے ہیں۔ اب

اگلی بار جب کوئی دوسرا بنگلہ دیشی شخص آپ سے ملے گا تو آپ اس کے ساتھ بھی وہی اعزاز واحترام والا معاملہ کرنے لگیں گے جیسا کہ آپ نے پچھلے شخص کے ساتھ برتاؤ کیا تھا۔ چاہے اس بعد والے شخص نے آپ کو تحفے دیئے ہوں یا نہ دیئے ہوں۔ اور آپ کو یہ اندازہ نہیں ہو رہا ہے کہ میں اس کے ساتھ یہ رویہ اس لئے اختیار کر رہا ہوں کہ میں نے پچھلے شخص کے ساتھ اچھا سلوک کیا تھا چونکہ اس نے مجھے تحفے تحائف دیئے تھے۔ آپ کو ان دونوں کے درمیان ربط کا اندازہ نہیں ہے۔ اس کو بالا جاتا ہے **The Priming Effect**۔

اب یہ عبارت ملاحظہ فرمائیں:

Conclusion: Reduced priming in negative conditions in women may reflect interference processes due to greater sensitivity to negative valence of stimuli. This in turn could underlie the gender-related differences in susceptibility to emotional disorders.

وہ منفی واقعات جو انسان کے رویہ میں تبدیلی لاتے ہیں ان کے تعلق سے عورتیں زیادہ حساس ہوتی ہیں اور ان کی یہ حساسیت ان کے کام کرنے کے طریقہ میں اثر انداز ہوتی ہے، چونکہ ان میں **Priming Effect** کم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عورتوں کے اندر جذباتی معاملات کو لے کر حساسیت زیادہ ہوتی ہے۔ ان کے اندر جذباتی اعتبار سے عدم استحکام پایا جاتا ہے۔

یہ کیمبرج یونیورسٹی کی تحقیق ہے کہ عورتیں منفی حالات میں زیادہ حساس ہوتی ہیں۔ اگر جنگ ہو رہی ہے، یہ منفی مسئلہ ہے۔ کسی دوسرے ملک نے دھمکی دے دی، یہ منفی مسئلہ ہے۔ اقتصادی حالت خراب ہو رہی ہے، یہ سب منفی معاملات ہیں۔ اب ان معاملات کو کس طریقے سے حل کرنا ہے؟ عورتیں تو ان معاملات کو جذباتی انداز سے حل کریں گی۔ ابھی کچھ دنوں پہلے کی بات ہے کہ ایک انگریز خاتون برطانیہ کی وزیر اعظم بنی، اور وہ ایسے وقت میں وزیر اعظم بنی جب انگلینڈ کے معاشی حالات بہت خراب تھے۔ وہ وزیر اعظم تو بن گئی، لیکن اس گرتی ہوئی معیشت کو سنبھالنا اس کے لئے مشکل تھا۔ مشکل سے وہ خاتون دو یا تین ہفتے وزیر اعظم رہی، اور پھر اس نے استعفی دے دیا کہ یہ ہمارے بس کا نہیں ہے۔ چونکہ اس نے ایک دو ایسی پالیسیاں ایسی پیش کیں جس سے معیشت مزید گرنے لگی۔ پھر اسی پارٹی کا "ششی سُنک" آیا، اور وہ ابھی تک ٹکا ہوا ہے۔ لوگ یہ مثالیں تو دیتے ہیں کہ نیوزی لینڈ کی وزیر اعظم نے یوں کامیابی دلائی اور فِن لینڈ کی وزیر اعظم یوں کامیاب ہے، لیکن لوگ یہ مثال کیوں نہیں دیتے ہیں؟ انگلینڈ کی وزیر

اعظم محض 17 دن ہی وزیر اعظم رہی اور اس کے بعد اس نے دباؤ میں آکر استعفی دے دی۔ اس لیے کہ اس دباؤ کو وہ برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔ یہ مثال آپ کیوں نہیں دیتے؟

In-group vs. Out-group

مندرجہ ذیل اقتباس بھی ایک بڑی دلچسپ ریسرچ ہے۔ اور یہ تمام تحقیقات اس بات سے متعلق ہیں کہ عورتوں میں قیادت کی صلاحیت کتنی ہے۔ پہلے تو عنوان کے معنی ملاحظہ فرمائیں:

اِن گروپ(**In-group**):یعنی اگر آپ کی ٹیم ہے تو آپ ان کے ساتھ اندرونی طور پر کیسے پیش آتے ہیں۔

آوٹ گروپ(**Out-group**):دوسرے گروپ کے ساتھ آپ کا کیا رویہ ہے اور آپ ان کے ساتھ کیسے پیش آتے ہیں۔

یہ تحقیقی مقالہ حکومت کی ویب سائٹ پر شائع ہوا ہے، اس کا یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

Evolution and the psychology of intergroup conflict: the male warrior hypothesis

Research on discrimination against outgroups using a punitive allocation task shows that men are willing to endure greater sacrifices by their own group in order to exact a greater punishment on an outgroup, but as predicted by the male warrior hypothesis, only when the outgroup is composed of men. By contrast, women tend to equalize punishment across the ingroup and outgroup and do not show evidence of discrimination based on gender. This provides further evidence that men tend to be more discriminating against outgroups than do women, but also suggests that intergroup bias is primarily directed at men, particularly when it is framed as a competitive enterprise.

https://www.ncbi.nlm.nih.gov/pmc/articles/PMC3260849/

عنوان کا مطلب یہ ہے کہ "الگ الگ گروپ کی سطح پر کس طرح مرد اور عورت ایک دوسرے سے مختلف ہیں"۔ سب سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھیں کہ انسان شروع سے لیکر آج تک گروپ کی شکل میں رہتا آیا ہے، وہ اکیلا رہنے کا عادی نہیں ہے۔

اسے کنبہ چاہیئے، اسے افراد چاہئیں، جب اس کو کنبہ مل گیا تو اس کو معاشرہ چاہیئے، جب معاشرہ مل گیا تو اسے تہذیب چاہیئے اور جب اس کو تہذیب مل گئی تو اسے ملک چاہیئے۔ اس طریقے سے وہ اپنا دائرہ کار بڑھاتا رہتا ہے۔ پھر معاشرے کے اندر بھی الگ الگ سطح کے اوپر گروپ بنتے ہیں۔ کہیں لسانی گروپ ہے تو کہیں معاشرتی گروپ ہے، عورتوں کا گروپ الگ ہے، مردوں کا گروپ الگ ہے۔ کھیلوں کی الگ الگ ٹیمیں ہیں، پیشے اور کام کے اعتبار سے بھی الگ الگ گروپ بنتے ہیں، علماء کا الگ گروپ ہے تو عوام کا بھی الگ گروپ ہے۔ تو دلچسپیوں کی بنیاد پر الگ الگ گروپ بنتے ہیں، یہ انسان کی فطرت میں ہے۔ جب ہم گروپ کے ساتھ رہتے ہیں اور ہمارے معاشرہ میں الگ الگ گروپس بھی رہتے ہیں تو اب ایسی صورت میں ہمیں یہ تحقیق کرنی ہے کہ مرد کا رویہ گروپس کے ساتھ کیسا ہے اور عورت کا رویہ کیسا ہو گا۔ اور آپ کو حیرت ہو گی کہ ابن خلدونؒ نے اپنے مقدمہ میں جو تحقیقات پیش کی ہیں وہ آج کی سائیکالوجی سے مختلف نہیں ہیں۔

اس تحقیقی مقالہ کا ترجمہ دیکھ لیں:

آوٹ گروپس کے خلاف تعصب پر کی جانی والی تحقیقات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مرد آوٹ گروپ کو سزا دینے کے لیے یا اسے سبق سکھانے کے لئے اپنے گروپ کی یا اپنی قربانی دینے کے لئے زیادہ تیار رہتا ہے۔ لیکن اپنے گروپ کی یا اپنی قربانی دینے کا بڑھا ہوا جذبہ صرف اس وقت ہوتا ہے جب کہ مخالف گروپ بھی مردوں کا ہو۔ اس کے مقابلہ میں عورتیں اپنے گروپ اور مخالف گروپ کو اگر سزا دینی ہے تو وہ یکساں سزا دیں گی۔ (یعنی ایسا نہیں ہو گا کہ اپنے گروپ کے فرد کو کم اور دوسرے کے گروپ کو زیادہ سزا دیں)۔ اسی طریقہ سے خواتین نے جنس کی بنیاد پر ہونے والے تعصب کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا۔ (یعنی عورتوں کے اندر صنف کی بنیاد تعصب نہیں پایا جاتا) اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مرد مخالف گروپ کے ساتھ زیادہ عصبیت والا معاملہ رکھتے ہیں بنسبت عورتوں کے۔ بلکہ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مختلف گروپوں کے درمیان جتنی بھی عصبیت پائی جاتی ہے وہ مردوں کی وجہ سے پائی جاتی ہے، خصوصاجب کہ ان گروپس کے درمیان مقابلہ آرائی چل رہا ہو۔

اس اقتباس کا کیا مطلب ہے؟ میں نے ابن خلدون کا نام اس لئے لیا تھا چونکہ ابن خلدون نے "نظریہ عصبیت" کے عنوان سے ایک نظریہ پیش کیا ہے، جس کو ہم امتیازی سلوک کہتے ہیں۔ ان کا یہ ماننا ہے (اور صد فیصد درست ماننا ہے) کہ وہ قومیں اور قبیلے جو عصبیت میں بڑھے ہوئے ہوتے ہیں وہی زندہ رہتے ہیں، وہی باقی رہتے ہیں۔ جو عصبیت نہیں دکھاتے وہ قبیلے ختم ہو جاتے ہیں اور دوسروں میں مل جاتے ہیں۔ انھوں نے مثالیں دے دے کر بتایا کہ بربر کس طریقے سے تباہ ہوئے، اسی طرح دوسری قومیں جو افریقہ، ایران اور عراق کے علاقوں میں تھیں، کس طریقے سے یہ قبیلے ختم ہوئے۔ تو عصبیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا اپنے لوگوں کے لئے پیمانہ الگ ہو اور مخالفین کے لئے آپ کا پیمانہ الگ ہو۔ یہ عصبیت ہے اور یہ ایک فطری چیز ہے۔

اسلام بعض جگہوں پر عصبیت کی تائید کرے گا اور بعض جگہوں پر اس کی تائید نہیں کرے گا، بلکہ عدل کے خلاف ہونے کی وجہ سے اس کی نفی کر دے گا۔ لیکن یہ بات مردوں کی فطرت میں ہے کہ مرد کا اپنے گروپ کے تعلق سے رویہ الگ ہو گا اور مخالف گروپ کے تعلق سے مرد کا رویہ الگ ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ مردوں کے اندر مقابلہ آرائی کا جذبہ زیادہ پایا جاتا ہے۔ اگر مقابل کو سبق سکھانا ہے تو آخری حد تک جاکر مرد اسے سبق سکھاتا ہے۔ جبکہ عورتوں کے اندر یہ جذبہ نہیں پایا جاتا ہے کہ اگر مخالف کو سبق سکھانا ہے تو آخری درجہ تک جاکر سبق سکھانا ہے، نہیں! بلکہ ان کے یہاں مساوات اور برابری ہے۔

جب یہ بات ہے کہ عورتوں کے اندر ان گروپ اور آوٹ گروپ دونوں کے لئے رویہ برابر ہے، جبکہ مرد کے اندر ان گروپ کے لیے الگ اور آوٹ گروپ کے لئے الگ رویہ رکھتا ہے، اب آپ اگر کسی عورت کو کسی ملک کا وزیر اعظم بنا دیتے ہیں تو وہ ملک اِن گروپ ہے، اور دوسرا ملک آوٹ گروپ ہے، تو اس عورت کا رویہ اپنے ملک اور دوسرے ملک دونوں کے لئے فطری اعتبار سے برابر ہو گا۔ جبکہ مرد کا رویہ یہ ہو گا کہ وہ سب سے پہلے اپنے ملک کو ترجیح دے گا، دوسرا ملک بھاڑ میں جائے۔ دوسرے ملک کو چاہے جتنا بھی نقصان ہو اپنے ملک کا فائدہ وہ آگے رکھے گا۔ یہ مطلب ہے **In-group vs. Out-group** کا۔

اب آپ مجھے بتائیں کہ اس ملک کی سالمیت، بقاء اور ترقی کے لئے کون سا رویہ زیادہ صحیح ہے؟ کہ آپ اپنی بھی فکر کریں اور دوسروں کی بھی فکر کریں یہ بہتر ہے؟ یا پھر آپ صرف اپنی فکر کریں؟ جب آپ اپنے ملک کی فکر کریں گے تب ہی آپ کا ملک ترقی کرے گا۔ اگر آپ اتنے زیادہ انصاف پسند ہو گئے کہ اپنا ملک بھی میرا اور دشمن بھی میرا، ایک روٹی میں کھاؤں گا تو ایک روٹی دشمن کو دوں گا اور میں دشمن کی ترقی کا بھی خواہاں ہوں تو وہ دشمن کل کو آپ کو ہڑپ کر جائے گا۔ یہ ایک ہیومن سائیکالوجی ہے جس کی بنیاد پر آپ یہ دیکھ سکتے ہیں کہ عورت کو اگر آپ نے سیاسی قیادت دی تو ملک کے اندر فوری طور پر اگر بے استحکامی نہ ہو لیکن عدم استحکام آکر رہے گا۔ ہاں اگر عورت دو چار سال وزیر اعظم رہتی ہے اور اس کے بعد وہ ہٹ جاتی ہے اس کے بعد کوئی دوسرا آتا ہے اور پوری پارٹی کی ایک پالیسی ہوتی ہے، عورت اس پارٹی کی پالیسی کے تابع ہوتی ہے تو بات الگ ہے۔ لیکن اگر عورت ہی پالیسی ساز ہو تو پھر وہ پالیسیاں ایسی بنائے گی جس سے ملک کی سالمیت کو خطرہ ہو گا۔

ایک اور ثبوت دیکھ لیں:

Women and Heroism

- Targets who displayed greater heroism were seen as more desirable for long-term relationships than for short-term relationships.

- Compared to men, women expressed greater desire for heroic targets. Nevertheless, heroism mattered to both sexes.

New Research on Why Women Seek Heroic Romantic Partners

https://www.psychologytoday.com/intl/blog/finding-new-home/202109/new-research-why-women-seek-heroic-romantic-partners

عورتیں ہیر وازم سے زیادہ متاثر ہوتی ہیں۔ یہ عورت کی فطرت ہے۔ اور یہ ساری چیزیں عورت کے لیے ضروری ہیں، ایسا نہیں ہے کہ اس میں عورتوں کے لیے نقص ہے۔ اللہ تعالی نے کسی بھی صنف کے اندر اگر کوئی صلاحیت رکھی ہے تو اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ہے، بے کار نہیں رکھی ہے۔ اللہ تعالی کی کوئی بھی تخلیق باطل نہیں ہے۔ تو عورتیں ہیر وازم سے زیادہ متاثر ہوتی ہیں۔ مثلا ایک مرد زیادہ بہادر ہے، زیادہ مقابلہ پسند ہے، تو ٹھیک ہے کسی حد تک عورتیں اس کو پسند کریں گی، لیکن جو مرد زیادہ مالدار ہے، جو زیادہ طاقت ور ہے تو عورتیں اس سے بہت زیادہ متاثر ہوتی ہیں۔ یہ ایک نئی تحقیق ہے جس کا عنوان یہ ہے "عورتیں ایسے شوہر کا انتخاب کیوں کرتی ہیں جو رومانوی بھی ہوں اور ہیر وازم کا مادّہ زیادہ ہو"۔ اس تحقیق کے نتائج کے دو نکات نقل کئے جاتے ہیں:

- وہ افراد جنھوں نے زیادہ ہیر وازم دکھلایا وہ خواتین کے لئے لمبی مدت تک چلنے والی ریلیشن شپ کے حوالے سے زیادہ بہتر قرار پائے۔ یعنی عورتیں ان مردوں میں زیادہ دلچسپی دکھارہی تھیں جنھوں نے زیادہ ہیر وازم دکھلائی۔
- مردوں کے مقابلہ میں عورتوں نے ان مردوں میں زیادہ خواہش کا اظہار کیا جن کے اندر ہیر وہونے کا زیادہ مادہ تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ ہیر وازم میں دونوں ہی صنفیں دلچسپی رکھتی ہیں۔ مرد بھی اور عورت بھی لیکن عورتیں زیادہ دلچسپی رکھتی ہیں۔

جب یہ بات ہے کہ عورت کی فطرت میں ہے کہ وہ ہیر وازم سے متاثر ہوتی ہے تو یہ کوئی ضروری تو نہیں ہے وہ ہیر و آپ ہی کا ہو، دشمن کا بھی تو ہو سکتا ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ ان گروپ اور آوٹ گروپ دونوں کی طرف عورتوں کا رویہ یکساں ہے۔ اپنے والے کے لیے بھی اور غیر کے لیے بھی، یہ ابھی ثابت ہو گیا ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ عورتیں ہیر وازم سے جلدی متاثر ہو جاتی ہیں، اب پتہ چلا کہ دشمن کا آرمی جرنل بہت بڑا ہیر وہے اور آپ کی لیڈر اس پر دل دے بیٹھی، اس سے متاثر ہو گئی، تو پھر ملک کی سالمیت کہاں جائے گی؟

یہ سارے وہ خدشات ہیں جن کی بنیاد سائنس ہے، جن کی بنیاد سائیکالوجی ہے، یہ محض وہم نہیں ہیں کہ جس کی بنیاد پر کسی نے خدشہ ظاہر کر دیا۔ بلکہ یہ متوقع نتائج ہیں کہ جن کے پیچھے سائنسی تحقیقات موجود ہیں۔ تو اگر خواتین اس پوزیشن پر کہ جہاں ملک کی پالیسی بنتی ہو اور ان کے اقوال و افعال ملک کا مستقبل طے کرتا ہو تو پھر ملک کی سالمیت بہت خطرہ میں آجاتی ہے۔

اگلے موضوع پر جانے سے پہلے ایک بات یہ عرض کر دوں کہ قرآن کریم کی ایک آیت ہے: لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ (ال عمران-28) یعنی مومنین مومنین کو چھوڑ کر کفار کے ساتھ ولایت کا درجہ اختیار نہ کریں۔ ولایت ولاء سے ہے۔ یہ اصطلاح عقائد کی کتابوں میں "الولاء و البراء" کے عنوان سے ملتی ہے۔ یعنی اپنوں کے ساتھ وفاداری اور دشمنوں سے برأت۔ یہ مسئلہ اسی آیت سے مستفاد ہے یعنی اسی آیت سے نکلا ہے۔ اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ کسی کافر کو دوست نہیں بنا سکتے۔ اگر مراد دوستی سے ممانعت ہوتی تو آیت میں "اولیاء" کی جگہ "اصدقاء" کا لفظ ہوتا۔ ولاء کا معنی یہ ہے کہ آپ روحانی اعتبار سے، تہذیبی و ثقافتی اعتبار سے آپ کافر کو اپنا ہیرو اور رول ماڈل بنالیں اور اس سے اخذ کریں اور آپ کا معاملہ مومن و کافر سے یکساں ہو۔ آپ ان گروپ اور آوٹ گروپ دونوں کے ساتھ یکساں معاملہ کرتے ہوں، ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ مومنین آپ کے لیے ان گروپ ہیں اور کافرین آوٹ گروپ ہیں، لہذا معاملہ الگ الگ ہو گا۔ دونوں کے درمیان امتیاز ہو گا اور یہ امتیاز فطری ہے۔ کسی بھی قوم کی بقاء کے لئے یہ امتیاز ضروری ہے۔ اب اگر کوئی کہنے لگے کہ یہ تو آپ نے بڑا امتیازی سلوک کر ڈالا، کافر بھی تو انسان ہے۔ تو ہم ان سے سوال کرتے ہیں کہ جب آپ لبرلزم اور سیکولزم کی بات کرتے ہیں، تو آپ دنیا کے کسی بھی ملک میں چلے جائیں، چاہے وہ امریکہ، فرانس، جرمنی، کینیڈا یا پھر دنیا کا کوئی بھی ملک ہو، کیا وہاں پر ان گروپ اور آوٹ گروپ کے ساتھ امتیازی سلوک نہیں ہوتا؟ آپ یہ بتائیں کہ کیا کسی بھی ملک کا شہری آپ کے ملک میں آکر وہاں کا وزیر اعظم بن سکتا ہے؟ الیکشن لڑ سکتا ہے، ووٹ دے سکتا ہے، سرکاری ملازم بن سکتا ہے؟ نہیں! وہ ان میں سے کوئی بھی کام نہیں کر سکتا، کیونکہ وہ آوٹ گروپ ہے، وہ بس آئے گھومے پھرے اور چلا جائے۔ چنانچہ ہر ملک میں انگروپ کے لیے اور آوٹ گروپ کے لئے قوانین الگ الگ ہیں اور یہ ایک فطری چیز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے بھی مومنین کے لیے اور کافرین کے لئے الگ الگ قوانین بنائے ہیں۔ اور یہ فطری چیز ہے۔ اس سے انکار کی گنجائش ہے ہی نہیں۔ اب اگلے موضوع کی طرف بڑھتے ہیں۔

Women and Leadership Quality

گذشتہ اقتباس میں گورنمنٹ کی جس ویب سائٹ کا حوالہ دیا تھا ncbi اسی ویب سائٹ پر یہ ریسرچ پیپر بھی ہے۔اس کا عنوان ہے

High status males invest more than high status females in lower status same-sex collaborators

یہ عجیب وغریب ریسرچ ہے اور بعض مرتبہ داد دینی پڑتی ہے کہ مغربی ممالک میں لوگ اتنی گہرائی تک جاتے ہیں اور ایک ایک چیز کا مطالعہ کرتے ہیں۔اس کی ایک وجہ ہے؛وجہ یہ ہے کہ مشرقی ممالک میں یعنی اسلامی ملکوں میں اکثر جگہوں پر ابھی تک لوگ اس بات کے فکر مند ہیں کہ روٹی کہاں سے ملے گی اور کپڑا کہاں سے ملے گا۔مغربی ممالک اس سے بہت آگے جا چکے ہیں۔چاہے وہ دنیا کو لوٹ کر گئے ہوں، لیکن انہوں نے اپنے لوگوں کی بنیادی ضروریات پوری کر دی ہیں۔جب آپ انسان کی بنیادی ضرورت پوری کر دیں اور وہ محنت ومشقت کا بھی عادی ہو تو پھر وہ علمی میدان کے اندر آگے بڑھے گا۔

ایک اضافی بات ذہن میں آگئی؛شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے البدور البازغة میں ارتفاقات کے اوپر بڑا تفصیلی کلام کیا ہے۔فرماتے ہیں کہ اگر ارتفاقِ اول طے ہو جائے تو ارتفاقِ ثانی وجود میں آتا ہے۔ارتفاقِ اول کا مطلب ہے روٹی، کپڑا، مکان۔ اگر ایک قوم کا یہ مسئلہ حل ہو جائے تو اب ارتفاقِ ثانی کے اندر ترقی ہو گی۔اور ارتفاقِ ثانی سے مراد ہے،سیاسی امور، جنگی معاملات میں مہارت، اور نئے نئے علوم وفنون کی ایجادات، وغیرہ۔اگر ابھی روٹی اور کپڑے کی فکر ستا رہی ہے تو ارتفاقِ ثانی کبھی آ ہی نہیں سکتا۔یہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا نظریہ ہے جس کو مختصراً میں نے عرض کر دیا۔بتانے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے اکابرین نے، ہمارے علماء نے کس کس موضوع پر گفتگو کی ہے، یہ ہمیں معلوم ہی نہیں ہے۔یہ ہماری ان کے ساتھ ناانصافی ہے کہ ان کی لکھی ہوئی کتابوں کے ہم نام تک نہیں جانتے، اس میں لکھا کیا ہے وہ تو دور کی بات ہے۔بہر حال یہ ریسرچ پیپر بہت اہم ہے۔اس کا اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

Although empirical evidence with humans is scarce, there is some evidence suggesting that high status human males are more likely than high status females to cooperate with lower status same-sex individuals. Specifically, cooperation between professors in the same department on a joint publication was found to be more common between higher and lower status men than between higher and lower status women. In contrast, high status male and female professors were just as likely to cooperate with same-sex individuals of identical high status. Other studies suggest that

high ranked females and males interact differently in cooperative settings, with high status male classmates interacting more equally with unrelated same-sex classmates than high status females both in early childhood, and in middle childhood.

https://www.ncbi.nlm.nih.gov/pmc/articles/PMC5617204/

کیاواقعی خواتین کے اندر قیادت کی صلاحیت پائی جاتی ہے؟

کچھ ثبوت ایسے ملے ہیں جن سے یہ پتہ چلتاہے کہ اونچادرجہ رکھنے والے مرد اونچادرجہ رکھنے والی عورتوں کے مقابلہ میں کم درجہ رکھنے والے ہم صنفوں کے ساتھ زیادہ تعاون کرتے ہیں۔(یعنی اگر کسی شعبہ میں کوئی عورت اونچی پوزیشن پر ہے اور اسی شعبہ میں کوئی عورت نچلے درجہ میں ہے، تواونچی پوزیشن کی عورت نیچی پوزیشن کی عورت کے ساتھ زیادہ تعاون نہیں کرے گی۔ لیکن اگر مرد اونچی پوزیشن پر ہے اور نچلی پوزیشن پر بھی مرد ہے، تواونچی پوزیشن والا مرد نیچی پوزیشن والے مرد کے ساتھ زیادہ تعاون کرے گا،اس کے ثبوت موجود ہیں)۔ مختلف یونیورسٹیوں کے شعبوں میں ہم نے دیکھا کہ مشترکہ تحقیقات میں اونچے درجہ کے مرد پروفیسرز اور نیچے درجہ کے مرد پروفیسرز زیادہ مشترکہ تحقیقات کر رہے تھے، بنسبت خواتین کے کہ اونچے درجہ کی خوتین پروفیسرز اور نیچے درجہ کی خواتین پروفیسرز کے مشترکہ تحقیقات کے مقابلہ میں۔(یعنی یونیورسٹی کی سطح پر مردوں کے درمیان تعاون زیادہ ہے اور عورتوں عورتوں کے درمیان تعاون کم ہے جبکہ شعبہ ایک ہی ہے) ہاں! اگر اونچے درجہ کے مرد یا عورت پروفیسر ہوں تووہ اپنے ہی درجہ کے مرد وعورت کے ساتھ برابری کی سطح پر تعاون کرتے ہوئے نظر آئے۔(یعنی اگر پانچ مرد اونچے درجہ کے ہیں اور پانچ عورتیں اونچے درجہ کی ہیں تو یہ اپنے ہم جنسوں کے ساتھ برابری کا تعاون کرتے نظر آئے۔ مسئلہ تھااونچے اور نچلے درجے میں، خواتین نچلے درجہ کی خواتین کے ساتھ تعاون نہیں کرتیں، جبکہ مرد تعاون کرتے ہیں)۔ یہ فرق یعنی عورتوں کا کمدرجہ کی عورتوں کے ساتھ تعاون نہ کرنا، اور مردوں کابرابر تعاون کرنا، یہ بات بڑے ہوکر ان کے اندر پیدا نہیں ہوتی بلکہ تحققات سے پتہ چلا کہ بچپن میں اور لڑکپن میں بھی یہ صفات ان کے اندر پائی جاتی ہیں۔

اس کا مطلب ہے کہ یہ **social construct** نہیں ہے، بلکہ یہ بیالوجی ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو اب آپ یہ بتائیں کہ ایک عورت کو اگر آپ نے حاکم بنادیا اور اس کے ماتحت دوسری عورتیں بھی کام کر رہی ہیں تو وہ اپنے ماتحت عورتوں کے ساتھ زیادہ تعاون نہیں کرے گی۔ لیکن اگر مرد حاکم ہے اور اس کے ماتحت دوسرے مرد کام کر رہے ہیں تو ان کے ساتھ بھرپور تعاون کرے

گا۔ وہ مردوں کے ساتھ بھی تعاون کرے گا اور عورتوں کے ساتھ بھی تعاون کرے گا۔ تو پھر قیادت کی صلاحیت کس کے اندر ہے؟ جو سب کے ساتھ تعاون کرے اس میں ہے یا اس میں ہے جو صرف چند کے ساتھ تعاون کرے ان کے درجہ کی بنا پر؟ یہ ایک اہم نکتہ ہے جسے ہم نہیں اٹھا رہے، بلکہ وہی مغربی مفکرین پیش کر رہے ہیں۔

ایک اور تحقیق ملاحظہ فرمائیں:

Queen Bee Syndrome

Queen Bee Syndrome is a term used to describe a phenomenon in which a female employee, typically in a position of power, behaves in a hostile or condescending manner towards other female employees. This can include making disparaging remarks about other women's looks or abilities, refusing to help or mentor other women, and actively working to undermine their success. The term is often used to describe women who are successful in male-dominated fields, where they may feel threatened by other women who could potentially take their place.

عورتوں کے اندر کوین بی سنڈرم ہوتا ہے

یہ ایک ایسا رویہ ہے جو عورتوں کے اندر پایا جاتا ہے۔ خصوصا ان عورتوں کے اندر جو کسی ایسے منصب پر ہوں جس منصب کے ساتھ طاقت بھی آتی ہو۔ ان کا رویہ دوسری خاتون ملازمین کے تعلق سے معاندانہ اور برتری پر مبنی ہوتا ہے۔ اس لئے کہ یہ طاقتور منصب پر بیٹھی ہوئی خواتین نچلے درجہ کی خواتین پر ان کے حسن و جمال اور ان کی صلاحیتوں کے تعلق سے توہین آمیز جملے کستی ہیں۔ ان کے ساتھ تعاون نہیں کرتیں اور نہ ہی ان کی تربیت کرتی ہیں۔ اور مستقل دوسری عورتوں کی کامیابی کو کم دکھانے کی کوشش کرتی رہتی ہیں۔ یہ اصطلاح دراصل ان عورتوں کے رویہ کو بیان کرنے کے لئے آتی ہے جو عورتیں ان میدانوں میں جہاں مردوں کا غلبہ ہے وہاں پر کسی طرح کامیاب ہو جاتی ہیں، اور جہاں وہ دوسری عورتوں کی موجودگی سے خوفزدہ ہوتی ہیں جو عورتیں ممکنہ طور پر ان کی جگہ لے سکتی ہوں۔ (یہی بات اگر ہم کہہ دیں تو لوگ کہیں گے کہ یہ تو عورت مخالف ہیں لیکن یہاں دیکھیں ان مغربی مفکرین کے تحقیقی مقالات میں یہ باتیں لکھی ہوئی ہیں)۔

اب میں آپ کو اس کی ایک زبردست مثال دیتا ہوں۔ بنگلہ دیش کی وزیر اعظم حسینہ واجد ہے۔ وہ کئی سالوں سے حکومت کر رہی ہے۔ اس کے مد مقابل جو بڑی پارٹی ہے اس کی لیڈر خالدہ ضیاء ہے۔ دونوں عورتیں ہیں، ایک ہی میدان میں ہیں۔ اور ایسی جگہ پر ہیں جہاں مرد ہوتے ہیں یعنی سیاست میں چونکہ مردوں کا غلبہ ہوتا ہے، اس میدان میں ایک عورت اونچے درجہ تک پہنچ گئی۔ حسینہ واجد نے کیا کیا کہ خالدہ ضیاء کی پارٹی کو اس طرح نمٹا دیا کہ شاید وہ دوبارہ کبھی بھی حکومت میں نہ آپائے۔ جبکہ دوسرے ملکوں میں آپ دیکھ لیں، مرد سیاست دان دوسرے مرد سیاست دان کو برداشت کرتے ہیں۔ جمہوری نظام میں بھی مرد مرد کو برداشت کرتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے خلاف بولیں گے، ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش کریں گے، لیکن پھر بھی سب کی پارٹیاں چل رہی ہیں۔ تو آپ کے سامنے اتنی واضح مثال موجود ہے۔ اس طرح کی مثال کبھی یہ لوگ نہیں دیں گے۔ ہمیشہ مخصوص مثالیں دیں گے۔

ایک اور اہم نکتہ ملاحظہ فرمائیں:

Conformity to Pressure

دباؤ کے سامنے ہتھیار ڈال دینا

درج ذیل اقتباس کنیڈا کی سائیکالوجی کی داخل نصاب کتاب سے لیا گیا ہے۔ اس مضمون کا عنوان ہے:

Person, Gender, and Cultural Differences in Conformity

Conformity کا مطلب ہے ہتھیار ڈال دینا۔ اب اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

There are some small gender differences in conformity. In public situations, men are somewhat more likely to hold their ground, act independently, and refuse to conform, whereas women are more likely to conform to the opinions of others in order to prevent social disagreement. These differences are less apparent when the conformity occurs in private**.**

https://opentextbc.ca/socialpsychology/chapter/person-gender-and-cultural-differences-in-conformity/

دباؤ کے سامنے ہتھیار ڈالنے کے حوالے سے دونوں صنفوں کے درمیان فرق پایا جاتا ہے۔ عوامی سطح پر مرد اپنے موقف پر جمے رہتے ہیں، آزادانہ کام کرتے ہیں اور وہ جھکنے کو مسترد کر دیتے ہیں۔ جہاں تک عورتوں کی بات ہے تو وہ معاشرے میں پائی جانے والی نااتفاقی کو ختم کرنے کے لئے دوسروں کی رائے کو جلدی قبول کر لیتی ہیں اور ان کے سامنے جھک جاتی ہیں۔ ہاں اگر یہ معاملہ گھریلو سطح پر ہو تو پھر وہاں پر یہ Conformity نہیں پائی جاتی۔

اب ایک شخص جو حکومت میں بیٹھا ہوا ہے، اس کے دباؤ کا اندازہ بس وہی کر سکتا ہے جو اس دور سے گزر چکا ہو یا وہ حکومت میں ہو۔ ایک عام آدمی کبھی بھی اس دباؤ کا اندازہ نہیں لگا سکتا جو دباؤ ایک حاکم پر ہوتا ہے۔ تو اگر دباؤ کے سامنے خواتین جلدی ہتھیار ڈال دیتی ہیں اور مرد ہتھیار نہیں ڈالتے بلکہ اپنے موقف پر ڈٹے رہتے ہیں تو ملک کی سالمیت اور ترقی کے لئے کون زیادہ بہتر ہے؟ اس سے آپ خود اندازہ لگا لیجیے۔ کیونکہ جب آپ ایک ملک چلا رہے ہیں تو آپ دن رات دباؤ میں رہیں گے۔ اگر آپ نے اس دباؤ کے سامنے جلدی ہتھیار ڈال دیئے تو پھر آپ ملک کی معیشت کو تباہ کریں گے، ملک کی سالمیت کو تباہ کریں گے اور عوام کو تباہ کریں گے۔ لیکن اگر آپ اس دباؤ کے سامنے ڈٹے رہیں گے تو ہو سکتا ہے کہ آپ اپنی عوام کو اس خطرہ سے نکال لے جائیں۔

عورتوں کی اس صلاحیت کو کہ عورتیں کس طریقے سے قوم کو کمزور کر سکتی ہیں، عورتوں کی قیادت کس طریقے سے ملک کو کمزور کر سکتی ہے، مغربی طاقتیں اس بات سے بخوبی واقف ہیں۔ اور اس Tactic (حربہ) کو وہ مسلمانوں کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد استعماریت کا تو خاتمہ ہو گیا تھا لیکن اس کے بعد مابعد استعماریت کا دور شروع ہوا، یعنی یہ لوگ اپنے اپنے ملکوں میں بیٹھے ہیں اور ساری دنیا پر حکومت کر رہے ہیں۔ اس میں مسلمانوں کو کنٹرول کرنے کے لئے اسی ہتھیار کا استعمال کیا گیا چونکہ جب آپ مسلمانوں کو کمزور کریں گے تبھی استعمار پسند طاقتیں مسلمانوں پر اپنا اقتدار مضبوط کر سکتی ہیں۔ اقتدار مضبوط کرنے کے لیے مسلمانوں کا کمزور ہونا ضروری ہے۔ اور مسلمان کمزور کیسے ہو؟ اس کا طریقہ یہ ہے کہ عورت کو حاکم بنا دو!

Using women for reformation

اصلاح کے لئے عورتوں کا استعمال

ڈونالڈ ٹرمپ کے دور حکومت میں ایک میمو لیک ہوا تھا۔(حکومتی سطح پر ایک ڈیپارمنٹ دوسرے ڈیپارمنٹ کو جو مشورہ دیتا ہے تو اسے میمو کہا جاتا ہے)۔ڈونالڈ ٹرمپ کے قضیے بہت لیکھوئے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے دشمن بہت تھے۔امریکہ کے سارے لبرل ٹرمپ کے دشمن تھے۔تو وہ بیٹھے بیٹھے اس کی باتیں لیک کرتے تھے تاکہ ٹرمپ سکون سے نہ بیٹھ سکے اور دوبارہ الیکشن میں نہ آسکے اور وہ بہر حال اپنی ایجنڈی میں کامیاب ہوئے۔ **The Intercept** اخبار کا ایک مضمون ہے، جس کا عنوان ہے:

LEAKED STATE DEPARTMENT MEMO ADVISED TRUMP ADMINISTRATION TO PUSH FOR "ISLAMIC REFORMATION"

صوبائی ڈیپارمنٹ کا ایک میمو لیک ہوا ہے جس نے ٹرمپ انتظامیہ کو یہ مشورہ دیا ہے کہ اسلامی اصلاح کے لئے ان چیزوں پر عمل کریں!

وہ چیزیں درج ذیل ہیں:

"Two practical target groups for this approach are women and youth, though they are by no means the only potential targets. Focusing on female-empowerment as the primary information messaging goal within the Islamic-influenced world will allow the United States to maintain a moral component for American power and its liberation narrative," it reads.

https://theintercept.com/2018/06/18/islamic-reformation-trump-administration/

مسلمانوں اور مسلم علاقوں میں اصلاح کے لئے جو سب سے زیادہ عملی طور پر کامیاب ہدف دو گروپس ہیں: ایک عورتوں کا اور دوسرا نوجوانوں کا۔ یہ الگ بات ہے کہ صرف یہی ممکنہ ہدف نہیں ہے، لیکن یہ سب سے کامیاب ہدف ہے۔ عورتوں کو زیادہ طاقتور بنانے کی حکمت عملی سے ان علاقوں میں جہاں اسلام کا اثر زیادہ ہے، یہ چیز امریکہ کو اپنی طاقت برقرار رکھنے اور آزادی کے نظریہ کو جسٹیفائے کرنے کا اخلاقی جواز فراہم کرے گی۔ یعنی جب عورتیں طاقت میں آئیں گی تو عورتیں چونکہ مساوات پسند ہوتی ہیں تو وہ مساوات کا نظریہ مغرب سے اخذ کریں گی اور اس طرح سے ہماری پاور بڑھے گی اور ہمارے آزادی دینے کے نظریہ کو

اخلاقی جواز ملے گا۔ کیونکہ ہمارے اپنے لوگ ہی مطالبہ کریں گے کہ سوسائٹی کے اندر مساوات آنی چاہئے اور اس طریقے سے وہاں مغربی تہذیب چلے گی۔ اور اس طرح اسلامی علاقوں کے اندر اصلاح کا عمل ہو گا۔

تو عورتوں کی دراصل مغربی ممالک کی طرف سے استحکام کاری کے نام پر مسلم علاقوں میں امریکی طاقت کو بڑھاوا دینے کے لئے استعمال کیا جارہاہے۔ کیا اس سے اندازہ نہیں ہوتا کہ مغربی قوموں کو پتہ ہے کہ کمزوری کدھر ہے اور ہم سامنے والے کو کس طرح کمزور کرسکتے ہیں۔ اگر آپ قوم کو کمزور قیادت دیں گے تو قوم کمزور ہو گی اور جب مضبوط قیادت دیں گے تو قوم مضبوط ہو گی۔ اب مردوں میں یہ دیکھنا کہ کون کمزور ہے کون طاقتور، یہ ایک لمباکام ہے، آسان طریقہ یہ ہے کہ عورت کو حاکم بنادو، قوم خود بخود کمزور ہو جائے گی۔ چونکہ وہ قیادت کی فطری صلاحیت نہیں رکھتی، وہ مساوات پسند ہے۔ تو مغربی لوگ تو سائنسی تحقیقات کر رہے ہیں اور اس کے مطابق عمل بھی کر رہے ہیں، لیکن ہمارے اپنے لوگ مرے جارہے ہیں کہ اس حدیث کا یہ مفہوم ہے اور یہ آیت فلاں زمانے کے لیے ہے اِس زمانے کے لیے نہیں ہے وغیرہ وغیرہ۔

ملکہ بلقیس کا قصہ

اس موضوع کا آخری پڑاؤ ملکہ بلقیس کا قصہ ہے۔ تمام سائنسی تحقیقات آپ کے سامنے آگئی ہیں، متعدد ریسرچ پیپر آپ کے سامنے رکھ دیئے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت کی فطرت یہ ہے کہ وہ مقابلہ آرائی سے بچتی ہیں، وہ ان گروپ اور آوٹ گروپ کے ساتھ یکساں معاملہ کرتی ہیں۔ وہ جمالیات سے زیادہ رغبت رکھتی ہیں۔ اب آپ قرآن کریم کے اس معجزے کو دیکھیں کہ کس طریقے سے قرآن کریم نے عورت کی فطرت کو بیان کیا ہے حضرت سلیمانؑ اور ملکہ بلقیس کے قصہ کے ذیل میں۔ جب حضرت سلیمانؑ کا خط ملکہ بلقیس کے پاس پہنچا تو انھوں نے اپنے مشیروں کو بلا کر کہا:

قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْۤ اَمْرِيْۚ-مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ(32)قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّ اُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ﳔ وَّ الْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَا ذَا تَاْمُرِيْنَ(33) قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَ جَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ اَذِلَّةًۚ-وَ كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ(34) وَ اِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ(35) فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ٘-فَمَاۤ اٰتٰىنِ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّاۤ اٰتٰىكُمْۚ-بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ(النمل-36)

ملکہ نے کہا: قوم کے سردارو! جو مسئلہ میرے سامنے آیا ہے اس میں مجھے فیصلہ کن مشورہ دو۔ میں کسی مسئلے کا حتمی فیصلہ اس وقت تک نہیں کرتی جب تک تم میرے پاس موجود نہ ہو۔ (اب یہاں پر مردوں کا ردِ عمل دیکھیں کہ ان کا جذبہ ردِ عمل والا ہے، وہ انگروپ کے لئے قربانی دینے کو تیار ہیں لیکن آوٹ گروپ کو برداشت کرنے کو تیار نہیں ہیں) انہوں نے کہا: ہم طاقتور اور ڈٹ کر

لڑنے والے لوگ ہیں، آگے معاملہ آپ کے سپرد ہے، اب آپ دیکھ لیں کہ کیا حکم دیتی ہیں۔ ملکہ بولی: حقیقت یہ ہے کہ بادشاہ لوگ جب کسی بستی میں گھس آتے ہیں تو اسے خراب کرڈالتے ہیں، اور اس کے باعزت باشندوں کو ذلیل کر کے چھوڑتے ہیں، اور یہی کچھ یہ لوگ بھی کریں گے۔ (لہذا مقابلہ آرائی نہیں کرنی ہے، بلکہ پر امن طریقے سے مسئلے کو حل کرنا ہے) اور میں ان کے پاس ایک تحفہ بھیجتی ہوں، پھر دیکھوں گی کہ ایلچی کیا جواب لے کر واپس آتے ہیں؟ (یہ ہے بلقیس کی خارجہ پالیسی اور جیسا کہ پہلے بھی بتایا گیا کہ عورتیں زیادہ جمالیات پر توجہ دیتی ہیں، حضرت سلیمانؑ کے تحکمانہ خط کے جواب میں ملکہ بلقیس نے تحائف بھیجے) چنانچہ جب ایلچی سلیمان کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا: کیا تم مال سے میری امداد کرنا چاہتے ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ نے جو کچھ مجھے دیا ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو تمہیں دیا ہے، البتہ تم ہی لوگ اپنے تحفے پر خوش ہوتے ہو۔ (حضرت سلیمانؑ ان تحائف سے بالکل بھی متاثر نہیں ہوئے چونکہ مرد کی فطرت میں ہے وہ اپنے موقف پر جمارہتا ہے۔ حضرت سلیمانؑ کا موقف یہ تھا کہ یہ لوگ مسلمان ہو کر آجائیں۔ اب چاہے یہ لوگ ہدیہ دیں یا تحفہ، اس سے کچھ بھی فرق نہیں پڑتا، موقف کوئی تبدیلی نہیں ہو گی۔ حضرت سلیمانؑ نے جو رویہ اختیار کیا وہ ان کی فطرت کے مطابق تھا اور بلقیس نے جو رویہ اختیار کیا وہ بلقیس کی فطرت کے مطابق تھا۔ آپ ان آیات کو پڑھتے جائیں اور جو کچھ آج ہم نے فطرت کے حوالے سے پڑھا اسے منطبق کرتے جائیں، یقینا آپ کے ایمان میں اضافہ ہو گا)۔

آگے چل کر حضرت سلیمانؑ نے جب بلقیس کا تخت منگوایا تو اس وقت کی آیات ملاحظہ فرمائیں:

قَالَ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِىْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِىْ مُسْلِمِيْنَ(38) قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ-وَ اِنِّىْ عَلَيْهِ لَقَوِىٌّ اَمِيْنٌ(39) قَالَ الَّذِىْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَؕ-فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّىْ ۫ لِيَبْلُوَنِىْۤ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُؕ-وَ مَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖۚ-وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّىْ غَنِىٌّ كَرِيْمٌ(النمل-40)

سلیمان نے کہا: اے اہل دربار! تم میں سے کون ہے جو اس عورت کا تخت ان کے تابع دار بن کر آنے سے پہلے ہی میرے پاس لے آئے؟ ایک قوی ہیکل جن نے کہا: آپ اپنی جگہ سے اٹھے بھی نہ ہوں گے کہ میں اس سے پہلے ہی اسے آپ کے پاس لے آؤں گا، اور یقین رکھیے کہ میں اس کام کی پوری طاقت رکھتا ہوں (اور) امانت دار بھی ہوں۔ جس کے پاس کتاب کا علم تھا، وہ بول اٹھا: میں آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے ہی اسے آپ کے پاس لے آتا ہوں۔ چنانچہ جب سلیمان نے وہ تخت اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا: یہ میرے پروردگار کا فضل ہے، تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری؟ اور جو کوئی شکر کرتا ہے تو اپنے ہی فائدے کے لیے شکر کرتا ہے، اور اگر کوئی ناشکری کرے تو میرا پروردگار بے نیاز ہے، کریم ہے۔

اتنی جلد بازی کی ضرورت کیا تھی؟ نہ تو بلقس حضرت سلیمانؑ کی مجلس برخاست ہونے سے پہلے آرہی تھی اور نہ ہی پلک جھپکنے سے پہلے۔ دراصل یہاں پر حضرت سلیمانؑ اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنا چاہ رہے تھے۔ کیونکہ بلقیس راستہ میں ہے اور باتیں اور خبریں تو پہنچتی رہتی ہیں، جب اسے پتہ تو چلے گا کہ کیسے اس کا عرش حضرت سلیمانؑ کے پاس آیا ہے تو وہ حیران ہو جائے گی اور اسے حضرت سلیمانؑ کی طاقت کا اندازہ ہو جائے گا، یہی دراصل ہیر وازم ہے۔ بہر حال جب بلقیس آگئی تو حضرت سلیمانؑ نے اس سے کہا:

قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّ كَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ؕ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَ اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۠ (44)

اس سے کہا گیا کہ: اس محل میں داخل ہو جاؤ اس نے جو دیکھا تو یہ سمجھی کہ یہ پانی ہے، اس لیے اس نے (پائینچے چڑھا کر) اپنی پنڈلیاں کھول دیں۔ سلیمان نے کہا کہ: یہ تو محل ہے جو شیشوں کی وجہ سے شفاف نظر آرہا ہے۔ ملکہ بول اٹھی: میرے پروردگار! حقیقت یہ ہے کہ میں نے (اب تک) اپنی جان پر ظلم کیا ہے اور اب میں نے سلیمان کے ساتھ رب العالمین کی فرمانبرداری قبول کرلی ہے۔

حضرت سلیمانؑ نے اس کو محل کیوں دکھایا؟ اور محل بھی ایسا کہ جس کا فرش پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ پانی کا ہے یا شیشے کا ہے۔ اس لیے کہ عورت کی فطرت میں ہے جمالیات سے مرعوب ہونا۔ تو حضرت سلیمانؑ نے ہیر وازم بھی دکھائی، اپنی طاقت کا بھی مظاہرہ کیا اور ان کے پاس ایسا محل بھی تھا جو بلقیس کو متاثر کرنے کے لئے کافی تھا۔ چونکہ عورتیں جمالیات سے بہت جلدی متاثر ہو جاتی ہیں اور اپنے موقف کے اوپر باقی نہیں رہتیں۔ یہی وجہ ہے کہ بلقیس اپنے موقت پر باقی نہیں رہی، اس جمالیات کو اور حضرت سلیمانؑ کی طاقت کو دیکھ کر تابعداری کا اعلان کر دیا اور کہا کہ میں ہی غلط ہوں۔ ہمارے نقطہ نظر سے تو یہ بالکل ٹھیک ہے، ایسا ہی ہونا چاہیے تھا، بلقیس اسلام میں داخل ہو گئیں اپنی پوری قوم کے ساتھ۔ لیکن اگر آپ بلقیس کی طرف ہو کر دیکھیں یعنی کفار کی طرف سے یہ فیصلہ کوئی معقول نہیں تھا۔ کیونکہ جب وہ طاقتور ہیں جیسا کہ مشیروں نے مشورہ دیا تھا تو پھر وہ اپنی بقا کے لئے مقابلہ کیوں نہیں کر رہے ہیں؟ وہ کہتے ہم مر جائیں گے لیکن ہتھیار نہیں ڈالیں گے۔ یہ مرد سوچتا ہے، عورت ایسا نہیں سوچ سکتی۔

اور یہ بتایئے کہ بلقیس کی پوری قوم کہاں گئی؟ وہ پوری قوم **dilute** ہو گئی، یعنی وہ سارے حضرت سلیمانؑ کی قوم میں آکر مل گئے۔ انہوں نے اپنے اقدار اور اپنی روایات کا خیال نہیں کیا۔ تو جو لوگ بلقیس کی قیادت سے استدلال کرتے ہیں کہ عورتوں کی قیادت ہونی چاہیے، بلقیس نے بھی تو ایک کامیاب قیادت کی تھی، تو جان لینا چاہیے کہ یہ کامیاب قیادت نہیں ہے، بلکہ قرآن کریم نے بلقیس کی سپردگی کو حکمت بتایا ہے۔ اگر وہ خود کو سپرد نہ کرتی تو ان کا یہ اقدام غیر حکیمانہ ہوتا۔

اس سے کیا ثابت ہوا؟ اس سے ہمارے آقا ﷺ کا ارشاد ثابت ہوا: لن یفلح قوم ولوا امرھم امراۃ کہ وہ قوم کامیاب نہیں ہو سکتی جو اپنے معاملات عورت کے سپرد کر دے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ عورت کے اندر فطری طور پر سیاسی قیادت کی صلاحیت نہیں ہے۔ اور یہ عمومی بات ہو رہی ہے ہر ہر عورت کی بات نہیں ہو رہی۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک آدھ عورت ایسی نہ ہو۔ لیکن قوانین عام صورت حال کو ہی دیکھ کر بنائے جاتے ہیں، استثنائی صورت حال کی وجہ سے قوانین نہیں بنتے۔

اس سے یہ ثابت ہوا کہ اسلام کا موقف "اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ" کہ مرد عورتوں پر حاکم ہیں، یہ انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالی کا قول "وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ" کہ مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ آگے بڑھایا گیا ہے، یعنی پدر شاہی نظام بھی انسانی فطرت کے مطابق ہے۔ اور جیسے جیسے جدید سائنس ترقی کرتی جائے گی، یہ خود ہی تحقیق کر کر کے ہمیں تھماتے رہیں گے کہ تم اپنی آیتوں کی تصدیق ہم سے کرواتے رہو، حالانکہ ہمیں ان کی تصدیق کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ لیکن بعض دفعہ ملحدین، مرتدین اور کفار کے منہ پر مارنے کے لئے یہ تحقیقات بہت ہی کارگر ہوتی ہیں۔

اب آخر میں ایک حدیث ملاحظہ فرمائیں جو اگرچہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہے لیکن اس کے بہت سارے متباعات موجود ہیں:

عن أبی ھریرۃؓ قال قال رسو ل اللہ ﷺ:..واذاکان امرائکم شرارکم واغنیائکم بخلائکم واموركم الی نسائکم فبطن الأرض خیرلکم من ظھرھا"(ترمذی شریف ۵۲/۲ أبواب الفتن)

اَبو ھریرۃؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تمہارے لیڈر شریر لوگ ہوں اور تمہارے مالدار بخیل بن جائیں اور تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہو جائیں تو ایسے موقع پر زمین کے اندر کا حصہ زمین کے اوپر رہنے سے زیادہ بہتر ہے۔ یعنی موقع پر موت زندگی سے بہتر ہے۔

تو اگر کوئی ان باتوں کی وجہ سے مسلمانوں کو عورت مخالف کہتا ہے، عورت سے تعصب رکھنے والا کہتا ہے، تو کہتا رہے۔ ہم اپنے موقف پر جمے ہوئے ہیں۔ کیونکہ یہی مرد اور عورت کی فطرت کے مطابق ہے۔ یہ **Social construct** نہیں ہے۔ جو لوگ اس فطرت کے خلاف گئے ہیں وہ تباہ ہوئے ہیں اور جو نہیں ہوئے ہیں وہ ضرور تباہ ہوں گے، چونکہ غیر فطری چیز کے اندر بقا نہیں ہے۔ غیر فطری چیز کے اندر یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ ترقی کی طرف گامزن ہو، یہ ممکن نہیں ہے۔ قوموں کی تاریخ چند سالوں کے اوپر مبنی نہیں ہوتی، آپ پانچ سال میں یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ تباہی آگئی یا نہیں آئی۔ بعض مرتبہ قومیں مضبوط ہوتی ہیں انہیں گرتے گرتے ٹائم لگتا ہے۔ سالہا سال کے بعد پتہ چلتا ہے، جب آگے جا کر کوئی تجزیہ کرتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ قوم اس لیے تباہ ہوئی تھی۔ چنانچہ یہ فیمنزم کا ایک بہت بڑا ہتھیار ہے کہ انھوں نے ووٹنگ رائٹ سے اپنی تحریک کا آغاز کیا تھا اور آج وہ اس بات کا مطالبہ

کر رہے ہیں کہ جس طرح مردوں کو سیاست اور قیادت کا حق ہے، ہمیں بھی برابری کی سطح پر قیادت کا حق ملنا چاہئے۔ تو ووٹنگ رائٹ سے لیکر وزارت اور صدارت کے حق تک فیمنزم کی پوری تاریخ مع دلائل آپ کے سامنے آگئی الحمدللہ۔ مجھے امید ہے کہ اس کورس سے بھی آپ حضرات نے بہت کچھ سیکھا ہوگا۔

اب میں آپ سے ایک سوال کرتا ہوں، لبرلزم اور فیمنزم کو پڑھنے کے بعد کیا اب بھی اس بات میں کوئی شک ہے کہ لبرلزم سے ہمارا کسی طرح کا کوئی سمجھوتا نہیں ہو سکتا؟ مجھے اس بات میں ذرہ برابر شک نہیں ہے کہ لبرزم سے ہم کبھی سمجھوتا کر ہی نہیں سکتے۔ کیونکہ وہ اسلام کی بنیادوں کے اوپر اندر سے وار کرتا ہے۔ لبرلزم اسلام کی بنیادوں پر پیچھے سے چُھرا گھونپتا ہے۔ آپ ایک کھلے دشمن کو جھیل سکتے ہیں لیکن آپ چھپے ہوئے دشمن کو نہیں جھیل سکتے جو آپ کی صفوں کے اندر رہے۔ تو یہ دراصل وجہ ہے کہ ہم ان خلاف اتنا زور کیوں دیتے ہیں۔ کیونکہ یہیں سے الحاد نکلتا ہے۔ ہم اپنی اُس بنیاد سے کیسے سمجھوتا کر سکتے ہیں کہ جس کی وجہ سے آج معاشرے میں الحاد کی عمارتیں کھڑی ہو رہی ہیں؟

ان تحقیقات کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے ہمارے اوپر کتنا بڑا انعام واحسان کیا ہے کہ ہمیں اس نے نہ صرف یہ کہ اسلام کی دولت سے مالامال کیا ہے بلکہ اس نے ہمیں اس روایت سے جوڑا ہے کہ جو روایت رسول اکرم ﷺ سے چلی آرہی ہے اور اس روایت پر ہمیں اطمینان بھی عطا کیا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ ہم بے اطمینانی اور شک کا شکار ہیں۔ اس وقت پوری دنیا کے اندر ہمارے اور آپ کے جیسے لوگ انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ آج اگر آٹھ بلین کی آبادی ہے تو وہ لوگ جو اسلام کی اس روایتی تشریح کے اوپر دل سے اطمینان رکھتے ہوں، کتنے ہیں؟ چند لاکھ بھی بڑی مشکل سے ملیں گے۔ تو اللہ تعالی نے ہمیں اور آپ کو دراصل منتخب کیا ہے، اس بات کے لیے جتنا اللہ تعالی کا شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ اور جب یہ بات ہے کہ اللہ نے آپ کو منتخب کیا ہے تو کسی مقصد کے لیے منتخب کیا ہے۔ اور وہ مقصد یہ ہے کہ اگر اللہ تعالی نے آپ کو اطمینان دیا ہے لبرلزم کے بیماری ہونے پر، اور اللہ نے آپ کو یہ یقین عطا کیا ہے کہ اسلام کی وہ روایتی تشریح ہی حق ہے، تو پھر یہ آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ اس تشریح کو آگے پھیلائیں، اور آپ اس لبرلزم کے کیڑے کو قطعا برداشت نہ کریں۔ اس کے لیے چاہے آپ کو کتنا ہی سخت وسست کہا جاتا رہے، اس کے لیے چاہے آپ کے اپنے ہی کیوں نہ آپ کی ٹانگیں کھینچیں، لیکن یہ من جانب اللہ آپ کی ذمہ داری ہے، چونکہ حق آپ کے اوپر مکمل طریقے سے واضح ہو چکا ہے۔ آج سے پہلے ہو سکتا ہے کہ آپ میں سے کچھ لوگوں نے صرف لبرلزم کا نام سنا ہو، لیکن اب آپ جان چکے ہیں کہ لبرلزم ہے کیا، وہ کیسے نقصان دہ ہے، وہ کیسے انسانیت کے خلاف ہے، اور مذہب کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ مذہب کا دشمن ہندوازم بھی ہے، عیسائیت بھی ہے، لیکن وہ کھلے دشمن ہیں۔ مذہب کا سب سے بڑا دشمن لبرلزم ہے۔ انسانی تاریخ میں مذاہب کو اگر سب سے زیادہ نقصان کسی نے پہنچایا ہے تو لبرلزم نے پہنچایا ہے۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی ملک میں آپ کی بقا

اس وقت ہے جب اس ملک کے لبرلز آپ کے ساتھ ہوں تو ہو سکتا ہے کہ آپ کی جان بچ جائے لیکن آپ کا ایمان نہیں بچے گا۔ اب یہ فیصلہ آپ خود کر لیں کہ اپنی جان بچانی ہے یا اپنا ایمان بچانا ہے۔ جان زیادہ عزیز ہے یا ایمان زیادہ عزیز ہے۔ اگر علماء کو اتنی بنیادی باتیں سمجھ میں نہ آئیں تو میں سمجھتا ہوں کہ ان کا علم بے کار ہے۔ ان کا علم ان کو ہدایت نہیں دے رہا ہے۔ اللہ تعالی نے ان کو علم ضرور دیا ہے لیکن ہدایت سے ان کو محروم رکھا ہے۔ تو الحمد للہ ثم الحمد للہ ہم اپنے اس موقف کے اوپر ڈٹے ہوئے ہیں، جمے ہوئے ہیں اور میں آپ حضرات سے یہی چاہوں گا کہ اگرچہ آپ تعداد میں کم ہیں لیکن آپ میں سے ہر ایک ہزاروں کے اوپر بھاری ہو سکتا ہے، شرط یہ ہے کہ آپ اس میدان میں فعال کردار ادا کریں، ان شاء اللہ تعالی۔